اُمہات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم ﷺ کی پرورش کرنے والی چار عظیم ماؤں کا جامع تذکرہ

(حضرت آمنہ علیہا السلام، بی بی ام ایمن، بی بی ثُویبہ، بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہن)

تالیف:
حبیب اللہ اختر

اُمہات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم ﷺ کی پرورش کرنے والی چار عظیم ماؤں کا جامع تذکرہ

(حضرت آمنہ علیہا السلام، بی بی ام ایمن، بی بی ثُویبہ، بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہن)

از قلم

حبیب اللہ اختر

گفتگو پبلی کیشنز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

عنوان کتاب: امہات الرسول ﷺ

مصنف: حبیب اللہ اختر

زیر اہتمام: گفتگو پبلی کیشنز اسلام آباد

تزئین: زی گرافکس

اشاعت اول: جنوری 2023ء

تعدادِ اشاعت: ایک ہزار

قیمت: -//2000روپے

آئی ایس بی این: 978-627-7597-20-7

گفتگو پبلی کیشنز
اسلام آباد پاکستان

فون نمبر: +92 314 3696 517

ای میل: info@gufhtugu.com

ویب سائٹ: www.gufgtugu.com

سوشل میڈیا: @gufhtugu

انتساب

سب سے پہلے اپنی اس ادنیٰ کاوش کو حضرت رسالت مآب ﷺ اور آپ کی پاکیزہ ماؤں کے نام کرتا ہوں جن کا بابرکت ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے، اس امید پر کہ اُن کے وسیلے سے یہ حقیر خدمت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کر سکے اور روز جزاء ہمیں آپ ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ میں اپنی اس کاوش کو اپنی والدہ مرحومہ کے نام کرتا ہوں جن کی توجہ، محنت اور مسلسل دعاؤں سے میں اس قابل ہوا کہ چند الفاظ کسی موضوع پر لکھ سکوں، اس کے بعد والد ماجد مدظلہ کے نام جن کی تربیت نے مجھے زندگی کے ہر موڑ پر بے حد فائدہ پہنچایا اور جن کی بے لوث محبت اور عملی زندگی میں ایک بے مثال و مسلسل تعاون نے مجھے یہ موقع فراہم کیا کہ میں اس مصروف، خود غرض اور بے رحم دنیا میں قلم اور کتاب سے اپنا رشتہ برقرار رکھ سکوں؛ اور والدہ ماجدہ سے لے کر اب تک کے ان تمام اساتذہ کرام کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے مجھے اس قابل بنایا کہ قلم اور کتاب سے اپنا انتساب کر سکوں۔

اظہارِ تشکر

سیرتِ طیبہ کے حوالے سے ایک ادنی کاوش بعنوان " اُمہات الرسول ﷺ" کے مختصر عرصہ میں پایۂ تکمیل تک پہنچنے پر سب سے پہلے یہ بندۂ عاجز خدائے بزرگ وبرتر کے حضور سجدۂ شکر بجالاتا ہے، اُس ذاتِ بابرکات کے بے پایاں فضل واحسان کے بغیر یہ کام کسی طور ممکن نہ تھا، اُسی کی خاص مدد ونصرت اور لطف واحسان کی کار فرمائی سے یہ کام مکمل ہوا۔

اللہ تعالی کی ذات کے بعد میں ادارہ "گفتگو پبلی کیشنز" اوراس کے روح رواں جناب ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں مجھے یہ کام کرنے کا موقع فراہم کیا، ڈاکٹر صاحب علم دوست اور عالم دوست شخصیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحبِ طرز ادیب اور قلمکار بھی ہیں، ایک عرصہ سے وہ اس کام کو از خود کرنا چاہتے تھے مگر یہ ان کی احتیاط ہے کہ انہوں نے یہ کام کسی ایسے شخص سے کرانے کا فیصلہ کیا جو عربی زبان جاننے کے ساتھ ساتھ سیرت طیبہ کے بنیادی مآخذ سے واقفیت رکھتا ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے کتاب کے سلسلہ میں نہ صرف مالی معاونت فراہم کی بلکہ علمی طور پر بھی انہوں نے اس کتاب میں اپنا حصہ ڈالا ہے، چنانچہ کئی ایک مطلوبہ نایاب کتب کا حصول انہی کا مرہون منت رہا، الغرض یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ یہ کام دراصل ڈاکٹر صاحب ہی کی فکر ومحنت کا نتیجہ ہے جس کی تکمیل بندۂ ناچیز کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

اس کے بعد میں اپنے فاضل دوست مولانا عبد الوہاب صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب کے مواد کی فراہمی میں بندہ کی بے حد مدد کی، اللہ تعالی اُنہیں جزائے خیر عطا فرمائے، اس کے ساتھ ساتھ جناب مولانا عطاء الرحمان صاحب کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے نہایت محنت کے ساتھ کتاب پر نظر ثانی کا اہم مرحلہ سرانجام دیا، آخر میں والد محترم، اہلیہ محترمہ اور تمام گھر والوں کا احسان مند اور شکر گزار ہوں کہ انہوں نے گھر کے اندر کام کرتے دوران ہر دن اور ہر لمحہ مجھے برداشت کیا اور اس کام کے لیے مجھے سہولت وفراغت مہیا کیے رکھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلاة على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وبارك وسلم تسليما كثيرا كثيرا.

حضرت رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر پہلی صدی ہجری سے ہی لکھا جانے لگا تھا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اس کے باوجود، سیرتِ طیبہ کے بہت سے پہلو اور گوشے ایسے ہیں جو تشنہ ہیں اور انتہائی توجہ طلب ہیں۔ اسی طرح ہر زمانے میں اس بات کی ضرورت رہتی ہے کہ اس زمانے کے معروضی حالات کے پیش نظر سیرت طیبہ کو اس زمانے کی ضروریات، نفسیات اور ذہن کے مطابق پیش کیا جائے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کی قبل از بعثت زندگی پر مواد اور معلومات کی قلت کی شکایت ہمیشہ سیرت نگاروں کو رہی ہے، مگر یہ شکایت ان مقدس اور نہایت قابل قدر خواتین کے متعلق نسبتاً زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے جن کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کی ذاتِ بابرکات سے انتہائی زیادہ قربت و رشتہ داری کا رہا ہے، جیسا کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا، آپ کی "انّا" یا "آیا" جنہیں آپ نے اپنی والدہ کے بعد والدہ قرار دیا یعنی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا، نیز وہ تمام خواتین جنہوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا جیسے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور دیگر بعض خواتین جو اس دودھ پلائی کے رشتے کی وجہ سے آپ ﷺ کی رضاعی مائیں کہلاتی ہیں۔

اسی طرح آپ کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، اور ان کے بطن مبارک سے جنم لینے والی آپ کی پہلی تین صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن، یہ اور اس طرح کی بہت سی خواتین جن کا تعلق حضرت رسالت مآب ﷺ سے نہایت قربت کا رہا، اُن کے بارے میں کتب سیرت و تاریخ میں بہت کم مواد ملتا ہے، اور اگر ہے تو بہت منتشر و متفرق جس سے سیرت کا مطالعہ کرنے والا ایک عام قاری تو کیا ماہر سیرت و تاریخ بھی کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتا۔

سیرت طیبہ کے اسی تشنہ پہلو کی سیرابی کیلئے بعض مخلص احباب کو یہ خیال ہوا کہ ایسی تمام نہایت ہی قابل قدر عورتوں کے متعلق اردو زبان میں سلسلہ وار کتب شائع کی جائیں جن میں نہایت آسان اور عام فہم زبان میں، موجودہ دور کی نفسیات کے مطابق، ان تمام خواتین کا تفصیلی تعارف و خدمات پیش کی جائیں۔ اس سے جہاں سیرت کے اس تشنہ پہلو پر ان شاء اللہ نہایت قیمتی مواد یکجا ہو جائے گا، وہیں ان مقدس خواتین کی زندگی سے ہماری خواتین کو بالخصوص اور مرد حضرات کو بھی بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔

اس سلسلے کی پہلی کتاب کا عنوان "**امہات الرسول ﷺ**" تجویز کیا گیا۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، اس کتاب میں صرف ان مقدس خواتین کا تذکرہ کیا جائے گا جن کا تعلق حضرت رسالت مآب ﷺ سے ممتاز رہا ہے، ان میں سے سب پہلے آپ ﷺ کی حقیقی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا کا تذکرہ کیا جائے گا، ان کے بعد آپ کی انّا اور بمطابق ارشادِ رسولِ اکرم ﷺ "آپ کی والدہ کے بعد والدہ" حضرت ام ایمن کا تذکرہ کیا جائے گا، پھر آپ کی اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہ (ثُ وَیْ بَ ہْ) رضی اللہ عنہا کا اور پھر آپ ﷺ کی اصل رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا جائے گا اور آخر میں ان بعض خواتین کا تذکرہ کیا جائے گا جن کے نام بعض سیرتی روایات میں آپ ﷺ کی رضاعت کے سلسلے میں ذکر کئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں جو کچھ درست ہے، وہ خالص اللہ کا فضل و احسان ہے، اس کے بغیر یہ ناممکن تھا، اور جہاں کوئی کمی یا کوتاہی رہ گئی ہے وہ میرا نکما پن ہے، اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرماتے ہوئے اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے لوگوں کے لیے نافع بنائے، آمین۔

حبیب اللہ اختر
میرپور - آزاد کشمیر
4/ جمادی الثانی 1444ھ
28/ دسمبر 2022ء
ibneakhtar@gmail.com
+92 333 5873 830

فہرست

انتساب 3
اظہارِ تشکر 4
پیش لفظ 5
فہرست 7

باب اول

باب اول: حضرت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا 14
تمہید 14
سیدہ آمنہ، نام و نسب اور خاندانی پس منظر 17
نام و نسب 17
حضرت آمنہ کا قبیلہ بنو زہرۃ 18
قُصَیّ کا تعارف 19
بنو زہرہ اور بنو ہاشم کا ملاپ 25
بنو ہاشم کا تعارف 25
جناب ہاشم 28
عبد المطلب 30
سیدہ آمنہ کی شادی اور آپ کے شوہر جناب عبد اللہ 37
عبد اللہ بن عبد المطلب 37
ذبیح ثانی 40
جناب عبد اللہ کے چہرے پر نورِ نبوی کے آثار 42
سیدہ آمنہ کی شادی جناب عبد اللہ کے ساتھ 44

جناب عبد اللہ کا سفر 47

جناب عبد اللہ کی وفات اور ان کی قبر 49

حضرت آمنہ کا مرثیہ 49

حضرت عبد اللہ کی قبر 50

حضرت عبد اللہ کا ترکہ 52

زمانۂ حمل اور اس میں پیش آمدہ غیر معمولی واقعات 55

سیدہ آمنہ کے ہاں عظیم بچے کی ولادت 58

خوشخبریوں اور بشارتوں کی عقلی توجیہ 61

کیا ولادت کے وقت سیدہ آمنہ کے شوہر جناب عبد اللہ حیات تھے؟ 64

کیا سیدہ آمنہ نے بچے کا نام خود تجویز کیا 66

سیدہ آمنہ کا اپنے عظیم بیٹے کو دودھ پلانا 68

سیدہ آمنہ کا سفر یثرب 70

سیدہ آمنہ کا قیام یثرب 76

سیدہ آمنہ کی یثرب سے واپسی اور وفات 77

وفات کے وقت سیدہ آمنہ کی عمر مبارک 79

حضرت رسالت مآب ﷺ اپنی ماں کی قبر پر 81

سیدہ آمنہ کی قبر کہاں ہے؟ 84

ابواء کا محل وقوع 84

ابواء میں سیدہ آمنہ کی قبر کے مقام کی تعیین 86

سیدہ آمنہ کے اشعار 88

والدین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں اہل السنہ کا راجح موقف 92

اہل سنت کا راجح موقف 94
پہلی دلیل 94
دوسری دلیل 95
تیسری دلیل 96
بعض صحیح احادیث جو اہل سنت کے راجح مسلک کے خلاف ہیں 96
خلاصہ بحث 99
والدین کریمین کے ایمان کے مسئلے پر لکھی جانے والی کتب 99
عربی کتب 100
اردو کتب 101

عرب شعراء کا نذرانہ عقیدت بحضور سیدہ آمنہ 104
منظوم خراج عقیدت بزبان اردو 109
منقبت حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا 112
مصادر و مراجع 115

باب دوم

باب دوم: حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا 120
تمہید 120
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا- ابتدائی تعارف 123

نام و نسب 123
حبشہ سے مکہ تک 125
ام ایمن رضی اللہ عنہا کا حلیہ مبارکہ 126
ام ایمن رضی اللہ عنہا بطور "حاضنہ" نبی صلی اللہ علیہ وسلم 128
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا اسلام لانا 131
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ہجرتِ حبشہ 131

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ذاتی خانگی زندگی 134

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی 134

ام ایمن رضی اللہ عنہا کے شوہر عبید بن زید 135

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی دوسری شادی 136

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے شادی کی وقت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 139

ام ایمن رضی اللہ عنہا کے شوہر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ 140

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی اولاد و احفاد 145

حضرت ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہ 145

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما 147

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ہجرتِ مدینہ اور اس کے بعد کے حالات 150

ام ایمن رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کا تعلقِ خاطر 151

رسول اللہ ﷺ کا ام ایمن کے گھر آنا جانا اور کچھ تناول فرمانا 151

ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مزاح فرمانا 153

ناز برداری اور مقامِ بلند 154

ام ایمن رضی اللہ عنہا کو پردے کا حکم 157

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاندان سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تعلق 158

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کی وفات پر ام ایمن رضی اللہ عنہا کا رونا 158

خاندان نبوت کے متعلق ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ایک خواب 158

رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے دکھ سکھ میں شریک ہونا 160

ام ایمن رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کی بکریاں چرانا 161

رسول اللہ ﷺ کیلئے ہدیہ کرنا 162

رسول اللہ ﷺ کے خاندان کیلئے ہدیہ کرنا 163

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی میں شرکت اوران سے تعلق 164
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بطور دلہن تیار کرنا 166
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ام ایمن رضی اللہ عنہا کا مرثیہ 167
ام ایمن رضی اللہ عنہا کی اسلامی جنگوں میں شرکت 168
غزوۂ اُحد میں شرکت 168
غزوۂ خیبر میں شرکت 169
غزوۂ حنین 170
غزوۂ مریسیع 171
صحابہ کرام کے ہاں ام ایمن رضی اللہ عنہا کا مقام ومرتبہ 172
عام لوگوں کے ہاں معاشرے میں ام ایمن رضی اللہ عنہا کا مقام ومرتبہ 174
ام ایمن رضی اللہ عنہا کی روایات 175
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی سیرتی روایات 175
ام ایمن رضی اللہ عنہا کی روایات حدیث 177
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی وفات 179
سیرت ام ایمن پر ایک طائرانہ نظر 181
منظوم خراجِ عقیدت بہ حضور سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا 184
منقبت حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا 184
سیرت سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا 184
خاتون جنت سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا 186
حضرت برکہ ام ایمن رضی اللہ عنہا 187
مدحت ام ایمن رضی اللہ عنہا 189
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا 190

خصوصی فضائل حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا 193
مصادر و مراجع باب دوم 194

باب سوم

باب سوم: حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا 196
تمہید 196
رضاعت اور اسلام 199
حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا اولین رضاعی ماں 203
نام و نسب 203
"ثُوَیْبَہ" نام کی تحقیق 204
رضاعت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا ثبوت 206
حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو کتنی مدت تک دودھ پلایا؟ 207
حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی رضاعی اولاد 207
حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی غلامی اور آزادی کی بحث 211
حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرنے پر ابولہب کے عذاب میں تخفیف 214
آپ ﷺ کا حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حسن سلوک 216
مدنی دور میں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا سے حسن سلوک 218
حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام کی بحث 220
حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی وفات 224

باب چہارم

باب چہارم: حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا 226
تمہید 226
رضاعت اور عرب سماج 228
عرب سماج میں مروجہ "رضاعت" کے اسباب و محرکات 228

رسول اللہ ﷺ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں 230
حضرت حلیمہ کا نام و نسب 233
حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا خاندان 233
قصہ رضاعت بزبان مرضعہ 236
زمانۂ رضاعت کے دیگر واقعات 241
رضاعی بہن بھائیوں سے تعلق خاطر 246
زمانۂ رضاعت میں مکہ آمد 247
حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے تعلق خاطر 248
حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا اسلام لانا 253
حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی وفات 256
خاتمۂ باب 257
منظوم خراج عقیدت 259
عربی اشعار 259
اردو اشعار 260
تجھے مل گئی اک خدائی حلیمہ 260
متفرق اشعار 261
مصادر و مراجع باب سوم و چہارم 262

باب اول: حضرت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا

تمہید

حضرت رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ کے کئی پہلو اور گوشے اپنی اہمیت کے باوجود پوری طرح تعارف نہیں ہو سکے، یقیناً ہر پہلو پر لکھا ضرور گیا، بنیادی مآخذ میں اس طرح کی تفصیلات یقیناً موجود ہیں، مگر وہ اس طرح یکجا نہیں ہیں کہ آج کی سہل پسند طبائع ان سے کماحقہ استفادہ کر سکیں۔

ایسے ہی توجہ طلب گوشوں اور پہلوؤں میں سے ایک پہلو جو بہت بنیادی حیثیت رکھتا ہے وہ آپ ﷺ کے والدین کریمین کا تذکرہ وتعارف ہے، آپ کی ازواج مطہرات ،بنات طیبات اوراہل بیت واصحاب پر اجتماعی وانفرادی کتب تحریر کی گئیں لیکن والدین کریمین کے تذکرہ وتعارف اوران کی حیات طیبہ کوبطور سوانح وتذکرہ جس سے تاریخ انسانی کے ان عظیم ترین اور خوش نصیب ترین والدین کی زندگی کے تمام گوشوں پر بحیثیت ایک ماں باپ اور پھر بحیثیت ایک نبی کے ماں باپ ہونے کے کماحقہ روشنی پڑتی ہو آج تک نہیں لکھا گیا۔ باوجود اس کے کہ ایسا جامع تذکرہ وسوانح جہاں ان عظیم والدین کا حق ہے وہیں یہ تذکرہ سیرتِ طیبہ کے ابواب میں ایک اہم اور بنیادی باب کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

والدین کریمین کے حوالے سے قدیم سے جو لکھا جاتا رہا ہے وہ اکثر وبیشتر ان کے ایمان اور بخشش کے حوالے سے علم کلام کی ایک بحث کی حیثیت سے لکھا جاتا رہا ہے اوراہل علم وتصنیف نے اس پر بعض ضخیم کتب بھی مرتب فرمادی ہیں،[1] مگر والدین کی سیرت وسوانح اور شخصیت کو کسی نے بھی موضوع نہیں بنایا، یا کم از کم ہمارے علم میں ایسی کوئی جامع کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ والدین کریمین پر مذکورہ بالا حیثیت سے کتب اور مقالات لکھے جائیں، اس سے سیرتی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہو گا۔

زیر نظر کتاب کے عنوان کے پیش نظر اس میں والدین کریمین میں سے زیادہ مفصل تذکرہ تو والدہ ماجدہ ہی کا کیا جائے گا البتہ ضمناً والد ماجد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کا تذکرہ بھی کیا جائے گا۔ والدہ ماجدہ پر قدیم مصنفین کے ہاں تو کوئی مستقل تصنیف یا تالیف ہماری نظر سے نہیں گزری البتہ قریب زمانے

---

(1) ایسی تمام کتب کی فہرست کتابِ ہٰذا میں ایک مستقل عنوان کے تحت ملاحظہ فرمایئے۔

میں دو اہم اور قابل قدر تصانیف خاص طور سے والدہ ماجدہ کے حوالے سے لکھی گئی ہیں، ذیل میں ہم ان دونوں کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان دونوں کتابوں کے ہوتے ہوئے ہماری اس تحریر کی کس قدر ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

پہلی کتاب جو والدہ ماجدہ کے حوالے سے لکھی گئی وہ ایک مصری خاتون ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمٰن نے عربی زبان میں لکھی ہے، جس کا نام "أم النبي"[2] ہے، الحمدللہ اس کتاب کو مکمل پڑھنے کا اتفاق ہوا، موضوع کے لحاظ سے نہایت قابل قدر کتاب ہے اور اپنے موضوع پر ایک اہم اضافہ بھی ہے لیکن اس کا اسلوب افسانوی ہے، ادیبانہ رنگ میں خوب عبارت آرائی کی گئی ہے اور زیب داستاں کیلئے واقعات کو افسانوی اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ سوانحی اور سیرتی رنگ اس میں بہت کم نظر آتا ہے، صرف فہرست کتاب سے ہی اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب جاذبِ نظر، دلچسپ و دلنشین ہونے کے باوجود اصل شخصیت کو ایک عام قاری کے سامنے واضح کرنے میں ناکام نظر آتی ہے۔

اس سلسلے میں دوسری کتاب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی ہے جس کا عنوان "والدہ ماجدہ سیدنا محمد مصطفی ﷺ"[3] ہے۔ اس کتاب کو بھی الحمدللہ از اول تا آخر مکمل پڑھا ہے۔ اوّل الذکر کتاب کے مقابلے میں یہ کتاب زیادہ وقیع ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ مصنف نے قابل قدر حد تک اس میں سوانحی مواد کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، مگر مواد کی ترتیب و تدوین میں سوانحی و تجزیاتی رنگ سے زیادہ محبت نبوی کا جذباتی رنگ غالب ہے، جس کے نتیجے میں غیر ضروری عبارت آرائی اور مضامین کی تکرار کتاب میں بہت واضح دکھائی دیتی ہے۔

اس کے علاوہ کتاب کے ہمارے سامنے موجود جدید اضافہ شدہ ایڈیشن میں کتاب کے شروع میں پانچ عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے جنہوں نے تقریباً کتاب کے سو سے زائد صفحات کا احاطہ کر لیا ہے، ان تمام عنوانات کا براہ راست عنوان کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کا اعتراف مصنف نے خود بھی کیا ہے

---

(2) یہ کتاب متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے، پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، اردو ترجمہ محمد اکرم ازہری نے کیا ہے جسے ضیاء القرآن پبلی کیشنز-لاہور نے متعدد مرتبہ شائع کیا ہے، ہمارے سامنے فروری 2003ء کی اشاعت موجود ہے۔

(3) اس کتاب کا ہمارے سامنے موجود ایڈیشن 2007ء کا ہے جسے ضیاء القرآن پبلی کیشنز-لاہور نے شائع کیا ہے۔

اور پھر کتاب میں ان کے اضافہ کی پر تکلف توجیہ بھی پیش کی ہے۔ان تمام امور کی وجہ سے کتاب غیر ضروری طوالت کا شکار ہو گئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت آمنہ کے حوالے سے مطالعہ کرنے والا قاری اپنے مطلوب کو اس کتاب سے اخذ کرنے میں دشواری محسوس کرتا ہے۔

حضرت سیدہ آمنہ کے تذکرہ میں ہماری کوشش یہ ہو گی کہ اس میں زیادہ سے زیادہ سوانحی مواد کو جمع کیا جائے جس سے ان کی شخصیت نکھر کر سامنے آجائے اور اس کے ساتھ ساتھ ضمناً ماں کی ممتا اور ماں اور بیٹے کا ایک فطری تعلق بھی ابھر کر سامنے آسکے۔ غیر ضروری تطویل اور عبارت آرائی سے گریز کیا جائے اور مواد کو تحقیقی و تجزیاتی انداز میں باحوالہ پیش کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ کتاب میں چند ایسے عنوانات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے جو ذکر کردہ دونوں کتابوں میں موجود نہیں، نیز مجموعی طور پر پوری کتاب میں درج ذیل امور کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے:

1. آیات کریمہ مکمل حوالہ کے ساتھ درج کی گئی ہیں۔
2. احادیث مبارکہ مستند کتب حدیث کے مکمل حوالہ کے ساتھ درج کی گئی ہیں۔
3. سیرت طیبہ کے بنیادی مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔
4. حوالہ جات شگاگو مینوئل کے مطابق دیئے گئے ہیں۔
5. کسی بھی کتاب نام پہلی مرتبہ آنے پر اس کے متعلقہ مکمل ضروری تفصیلات مثلاً کتاب کا مکمل نام، مصنف کا نام، شائع کنندہ، سال اشاعت وغیرہ مکمل دی گئی ہیں۔ اس کے بعد ہر جگہ صرف کتاب کا نام، پھر یہ تمام تفصیلات مصادر و مراجع کی فہرست میں بھی درج کی گئی ہیں۔ حدیث کی مشہور کتابوں کی تفصیل بھی صرف فہرست میں دی گئی ہے۔
6. اردو املا و ترقیم کا مکمل خیال رکھا گیا ہے۔
7. ہر باب کے آخر میں مصادر و مراجع کی فہرست درج کی گئی ہے۔
8. اردو کتب سیرت سے بھی حسب ضرورت استفادہ کیا گیا ہے۔
9. اردو قارئین کی رعایت کرتے ہوئے اصل عربی عبارتوں اور اقتباسات کا سلیس اردو ترجمہ لکھا گیا ہے، اصل عبارات نہ دینے کی ایک وجہ کتاب کی ضخامت بھی رہی ہے۔

سیدہ آمنہ، نام ونسب اور خاندانی پس منظر

نام ونسب

آپ کا نام آمنہ ہے، آپ کے والد کا نام وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر ہے۔ تمام سیرت نگاروں اور نسب بیان کرنے والوں نے آپ کا نسب یوں ہی ذکر کیا ہے۔ آپ کے والد وہب بنوزہرہ کے سردار تھے، والد کے جلد فوت ہو جانے کی وجہ سے آپ کی پرورش آپ کے چچا وہیب کے پاس ہوئی تھی اور وہ خود بھی بنوزہرہ کے بہت معزز سردار تھے۔

حضرت آمنہ کا نسب چوتھی پشت اور پیڑھی میں کلاب پر آپ ﷺ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ سے مل جاتا ہے، زُہرہ قصی کے سگے بھائی تھے اور یہ قصی سے بڑے بھی تھے، یہ دونوں کلاب کے بیٹے تھے۔ حضرت آمنہ کی والدہ کا نام برّۃ تھا۔ برۃ کے بطن سے آپ اپنے والد کی اکلوتی بیٹی تھیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ کا کوئی حقیقی ماموں نہیں تھا، ہاں آپ کے والد وہب کی ایک دوسری بیوی ضعیفہ سے ان کے دو بیٹے عبد یغوث اور عبید یغوث تھے یوں یہ دونوں آپ ﷺ کے سوتیلے ماموں ہوئے۔ قبیلہ بنوزہرہ کے لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اخوال یعنی ماموں ہیں کیونکہ حضرت آمنہ کا تعلق بنوزہرہ سے تھا۔ آپ ﷺ بھی اس تعلق کا پاس رکھا کرتے تھے۔

چنانچہ مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعلق بنوزہرہ سے تھا، حضرت آمنہ کے چچا وہیب کے بیٹے مالک حضرت سعد کے والد تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ مردوں میں ساتویں نمبر ایمان لانے والے صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں بھی شامل ہیں۔ عشرہ میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی، اور ان چھ لوگوں میں شامل ہیں جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کیلئے چنا تھا، اس کے علاوہ بے پناہ فضائل کے حامل صحابی ہیں،[1] ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

"یہ سعد میرے ماموں ہیں، کسی کا ماموں ان جیسا ہو تو مجھے دکھائے"[2]

---

(1) العسقلانی، ابن حجر، الحافظ، احمد بن علی بن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج3، ص61، دار الکتب العلمیہ۔ بیروت، ط1، 1415ھ، 1995ء۔

(2) جامع ترمذی، حدیث: 3752۔

یہ اپنی والدہ کے قبیلہ بنوزہرہ سے حضرت سعد کی نسبت کا پاس ولحاظ تھا، اس میں امت کیلئے بھی سبق ہے کہ رشتہ داریوں کا پاس ولحاظ کس طرح سے رکھا جاتا ہے۔

سیدہ آمنہ کا نسب ماں کی جانب سے بھی کچھ کم عزت والا نہیں تھا، چنانچہ حضرت آمنہ کی والدہ کا نام، جیسا کہ ذکر کیا گیا، برۃ تھا۔ مکمل نام ونسب اس طرح سے ہے: برۃ بنت عبد العزی بن عثمان بن عبد الدار بن قصی بن کلاب بن مرۃ۔ برۃ کی والدہ یعنی آپ کی نانی کا نام ام حبیب بنت اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب۔ ام حبیب کی والدہ یعنی آپ کی پرنانی برۃ بنت عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب بن لوی تھیں۔ الغرض حضرت آمنہ کا نسب ماں کی طرف سے یوں ہے: آمنہ بنت برۃ بنت ام حبیب بنت برۃ، اس کو کتب سیرت میں امہات الرسول کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے، یعنی آپ ﷺ کی مائیں، ابن ہشام نے اسے امہات آمنہ کا عنوان دیا ہے۔[3]

یہ وہ رفیع الشان اور جلیل القدر خاندان ہے جس نے سیدہ آمنہ جیسی عظیم ماں کو جنم دیا تاکہ وہ ایک بے مثال ماں کی مامتا کا کردار نباہ سکیں۔ اسی خاندان کا ذرا تفصیلی تذکرہ آئندہ سطور میں کیا جائے گا۔ حضرت آمنہ کے اسی عظیم الشان خاندان کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد ابن ہشام لکھتے ہیں: "سیدہ آمنہ، قریش میں حسب ونسب کے لحاظ سے اس وقت سب سے افضل خاتون تھیں۔"[4]

حضرت آمنہ کا قبیلہ بنوزہرۃ

جیسا کہ ذکر کیا گیا، حضرت آمنہ قریش کے معزز خاندان بنوزہرہ سے تھیں۔ یہ خاندان قریش کے معزز خاندانوں میں سے ایک بڑا خاندان اور قبیلہ تھا، حضرت آمنہ کے والد وہب اس قبیلے کے معزز سردار تھے۔ ان کی وفات کے بعد آپ کے چچا اس قبیلہ کے معزز ترین سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت آمنہ کی حضانت یعنی پرورش وتربیت اپنے انہی چچا وہیب کے ہاں ہوئی تھی اور حضرت عبد المطلب نے انہی سے اپنے بیٹے عبد اللہ کیلئے اُن کا ہاتھ مانگا تھا۔

---

(3) سیرۃ ابن ہشام، ج 1، ص 156۔

(4) ایضاً۔

بنو زہرہ قریش کے قبائل میں ایک بڑا قبیلہ تھا، اور یہ کلاب کے بڑے بیٹے اور قصی کے بڑے بھائی زہرہ کی طرف منسوب ہے۔ قریش دراصل فہر بن مالک کا لقب ہے انہی کی اولاد قریشی کہلاتی ہے، اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلا وہ شخص جس نے قریش کے تمام قبائل کو مجتمع کیا اور انہیں عزت و شرافت کی بلندیوں تک پہنچایا وہ کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر کے چھوٹے بیٹے "قُصیّ" تھے۔(5)

قُصَی کا تعارف

قصی کا اصل نام "زید" تھا، قصی اُن کا لقب تھا، مگر لقب اصل نام پر غالب آگیا تھا۔ یہ ابھی ماں کی گود میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، والدہ نے بنو عذرہ قبیلے کے ایک شخص سے دوسری شادی کر لی۔ یہ قبیلہ مکہ مکرمہ سے دور شام کی سرحد پر آباد تھا۔ ان کی پرورش چونکہ بہت بچپن میں وطن سے دور ہوئی، اس لئے ان کا لقب قصی پڑ گیا۔ قصی کا معنی "وطن سے دور رہنے والا چھوٹا بچہ" ہے۔(6)

ایک مرتبہ بنو عذرہ کے کسی شخص سے ان کا جھگڑا ہو گیا اس نے انہیں طعنہ دیا کہ تم اپنی قوم میں کیوں نہیں چلے جاتے؟ انہیں اس پر بہت دکھ ہوا کیونکہ وہ تو خود کو اسی خاندان کا فرد سمجھتے تھے۔ پوچھنے پر ان کی والدہ نے انہیں قریش کے بارے میں بتایا اور کہا کہ تم اس معزز خاندان کے فرد ہو، قصی فوراً مکہ جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ ماں نے کہا کہ ابھی جانا مناسب نہیں، تم حرمت والے مہینوں کا انتظار کرو۔ جب لوگ ان میں حج کیلئے جائیں گے تو تم بھی ساتھ چلے جانا۔ قصی مان گئے اور حج کے مہینے آنے پر مکہ کیلئے روانہ ہوئے۔ بالآخر یہ مکہ پہنچے اور اپنے بڑے بھائی زہرہ سے ملے۔ زہرہ نابینا ہو چکے تھے، انہوں نے آواز سے اپنے بھائی کو پہچان لیا، کیونکہ ان کی آواز اپنے والد کلاب جیسی تھی۔

قصی جب مکہ مکرمہ واپس آئے تو اس وقت وہاں پر بنو خزاعہ کی حکومت تھی اور بیت اللہ کی تولیت بھی انہی کے پاس تھی۔ قصی نے بنو خزاعہ کے سردار حُلیل بن حُبیشہ خزاعی کی بیٹی، جس کا نام "حبّی" تھا،

---

(5) سیرۃ ابن ہشام، ج1، ص117۔

(6) الطبری، ابو جعفر، محمد بن جریر بن یزید (متوفی 310)، تاریخ الطبری، ج2، ص254 ومابعد، دار التراث - بیروت، ط2، 1387ھ۔

ہاتھ مانگا۔ حُلیل نے قصی کے قریش کے اعلیٰ نسب سے وابستہ ہونے کی وجہ سے یہ رشتہ منظور کر لیا اور اپنی بیٹی کی شادی اُن کے ساتھ کر دی اور مرنے سے پہلے بیت اللہ کی تولیت کا حق بھی بیٹی کے سپرد کر دیا۔ بیٹوں کو چھوڑ کر اس بیٹی کو یہ ذمہ داری دینے کی وجہ یہ تھی کہ حلیل کی زیادہ نسل اسی بیٹی سے آگے بڑھی تھی، اس لئے انہوں اسے بیٹوں پر بھی ترجیح دی۔[7] بیٹی اس بھاری ذمہ داری کو نہ اٹھا سکی اور اس نے بنو خزاعہ کے ایک شخص ابوغبشان کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ ابوغبشان نشہ کا عادی شخص تھا۔ قصی نے محض شراب کے ایک مشکیزے اور ایک اونٹ کے عوض یہ حق ابوغبشان سے لے لیا۔ ایک اور روایت اس طرح سے مشہور ہے کہ حلیل نے بیٹی کے رشتے کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی تولیت کا حق بھی قصی کو دے دیا، کیونکہ اپنی اولاد میں انہیں کوئی اس قابل نظر نہ آیا۔

بیت اللہ کی تولیت حاصل ہو جانے کے بعد قصی نے اپنی عقلمندی اور سمجھداری سے کام لیتے ہوئے مکہ کے مختلف حصوں میں بکھرے ہوئے قبیلہ قریش کے لوگوں کو بیت اللہ کے گرد بسایا اور بہت کم عرصے میں ایسے غیر معمولی اقدامات کئے کہ وہ قوم قریش کے باقاعدہ حکمران بن گئے۔ قریش کے تمام قبائل نے بھی انہیں باقاعدہ اپنا بڑا اور حکمران تسلیم کیا اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ وہ ان کی سربراہی کو بڑا بابرکت تصور کرتے تھے۔ قصی نے کئی ایسے اقدامات کئے اور کئی ایک دینی مناصب قائم کئے جو رسول اللہ ﷺ کی ولادت اور پھر بعثت تک قائم رہے اور ہمیشہ یادگار رہے۔ اُن اقدامات میں اہم ترین قریش کو منظم کرنا اور ان کیلئے ایسے اجتماعی اقدامات کرنا تھا جن کے ذریعہ سے ان کی جمعیت اور اتحاد برقرار و قائم رہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے دارالندوہ تعمیر کیا اور اس کا دروازہ بیت اللہ کی جانب رکھا۔ اسی دارالندوہ میں قریش کے تمام اہم معاملات طے ہوتے تھے۔ جنگی معاملات ہوں یا کسی کا شادی بیاہ کا معاملہ، تجارتی قافلوں کی روانگی ہو یا تجارت کے دیگر معاملات، سب اسی میں طے ہوتے تھے۔ قصی نے ہی سب سے پہلے باقاعدہ "سِقایہ" اور "رِفادہ" کے مناصب قائم کئے جو خدام حرم کیلئے سب سے زیادہ قابل قدر مناصب تھے۔ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کا بندوبست کرنا اور رفادہ یعنی حاجیوں کی کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا انتظام کرنا۔ رفادہ کیلئے قصی نے باقاعدہ سالانہ ٹیکس مقرر کیا جسے قریش بخوشی ادا کرتے

---

(7) ابن کثیر، ابوالفداء، اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج1، ص233، ہجر للطباعۃ، ط1، 1417ھ، 1997ء۔

تھے اور اسی مال سے حاجیوں کی ضروریات کو پورا کیا جاتا تھا۔[8] اسی کے علاوہ قصی نے "حجابۃ" اور "لواء" کے مستقل مناصب بھی قائم کیے جن کی وضاحت آئندہ آتی ہے۔

قریش کے انہی عظیم سردار قصی کے بڑے بھائی زہرہ تھے۔ حضرت آمنہ کا قبیلہ انہی کی طرف منسوب ہے۔ قصی کے بڑے بھائی ہونے کے ناتے قریش کے تمام قبائل میں ہمیشہ بنوزہرہ کا بڑا مقام رہا، نیز بنوزہرہ ہمیشہ تمام اہم معاملات اور قومی امور میں بنوہاشم کے حلیف رہے، زہرہ کے دو بیٹے تھے: حارث اور عبد مناف۔[9] عبد مناف کے پھر دو بیٹے تھے: وہب اور وہیب۔ وہیب کے بیٹے تھے مالک، جن کی کنیت ابو وقاص تھی؛ انہی کے بیٹے مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص ہوئے ہیں جن کا مختصر تذکرہ ماقبل میں ہوا۔ وہیب کے بھائی وہب کی صاحبزادی حضرت آمنہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ وہب کے ایک بیٹے بھی ہیں جو حضرت آمنہ کے سوتیلے بھائی ہیں: عبد یغوث۔ ان کے بھی دو بیٹے تھے: اَرقم اور اسود۔ ارقم کے بیٹے تھے عبد اللہ، یہ عبد اللہ صحابی رسول ہیں۔ اسی طرح اسود کے بیٹے تھے عبد الرحمٰن، یہ بھی صحابی رسول ہیں۔[10]

عبد مناف بن زہرہ کے بھائی حارث بن زہرہ کے چار بیٹے تھے: وہب ذوالقریہ، اُہیب، عبد اللہ اور عبد۔ وہب اور اُہیب لاولد فوت ہوئے، عبد اللہ بن حارث کے ایک بیٹے تھے شہاب۔ ان کے بیٹے تھے عبد الجان۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبد اللہ رکھا تھا۔ انہوں نے ہجرت حبشہ کی اور ہجرت مدینہ سے پہلے وفات پائی۔ انہی شہاب کے دوسرے بیٹے عبد اللہ الاصغر بھی تھے جو غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف لڑے اور پھر بعد میں مسلمان ہوئے۔ انہی کے بیٹے تھے عبید اللہ؛ اور عبید اللہ کے بیٹے تھے مسلم، انہی مسلم

---

(8) قصی کے حوالے سے مذکورہ تفصیلات کیلئے دیکھئے: بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، انساب الاشراف، ج1، ص45 ومابعد، دارالفکر-بیروت، ط1417، 1ھ، 1996ء۔ اور سیرۃ ابن ہشام، ج1، ص117، مصطفی البابی-مصر، ط2، 1375ھ 1955ء۔

(9) واضح رہے کہ یہ عبد مناف وہ نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں ہاشم کے والد ہیں، بلکہ یہ زہرہ کے بیٹے ہیں، جس طرح بڑے بھائی زہرہ نے اپنے بیٹے کا نام عبد مناف رکھا اسی طرح زہرہ کے چھوٹے بھائی قصی نے بھی اپنے بیٹے کا نام عبد مناف رکھا۔

کے بیٹے تھے مشہور محدث اور فقیہ ابن شہاب الزہری۔[11] بنوزہرہ سے تعلق رکھنے والے بعض صحابہ کرام کا ذکر آئندہ آرہا ہے۔

بنوزہرہ کی شہرت اور مقبولیت کی ایک جہت تو وہ ہے جو ہم نے ماقبل میں ذکر کی، دوسری جہت رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات کی روشنی میں اخذ کی جاسکتی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے سلسلۂ نسب کی ہر کڑی سراپا طہارت، نجابت اور شرافت تھی۔ آپ ﷺ کے تمام آباو اجداد اور آپ کی تمام امہات یعنی والدہ ماجدہ اور نانیاں دادیاں، سب نہایت پاکباز اور باوقار خواتین تھیں۔ اس کی گواہی ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں بھی دی، جب ہرقل کے پاس آپ ﷺ کا خط پہنچا تو اس نے انہی ابوسفیان سے پوچھا: "تمہارے مابین اس کا حسب ونسب کیسا ہے؟" اس پر ابوسفیان نے (جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے) کہا: "وہ ہم میں اعلیٰ حسب ونسب والے ہیں۔" یہ سن کر ہرقل نے کہا: "اسی طرح پیغمبر اپنی قوم کے اعلیٰ خاندان ہی میں مبعوث ہوتے ہیں۔"[12]

ایک اور حدیث، جس سے آپ کی والدہ کے خاندان کا خاص طور پر مقام ومرتبہ ثابت ہوتا ہے، وہ ہے جسے ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک باپوں کے پشتوں سے پاک ماؤں کے رحموں میں منتقل کرتا رہا۔ صاف پاک اور مہذب ارحام، ان میں کوئی شاخ نہیں بنی مگر اللہ نے مجھے بہترین شاخ اور حصے میں رکھا۔[13] جامع ترمذی کی ایک طویل روایت میں ہے: اللہ نے جب قبائل کو منتخب فرمایا تو مجھے بہترین قبائل میں پیدا کیا۔[14] یہ اور اس طرح کی کثیر احادیث

---

(10) ابن حزم، الاندلسی، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، جمہرۃ انساب العرب، ص128 وما بعد، دار الکتب العلمیہ۔ بیروت، ط1، 1403ھ، 1983ء۔

(11) ایضاً، جمہرۃ انساب العرب، ص130۔

(12) صحیح بخاری، حدیث 4553۔

(13) الاصفہانی، ابونعیم، احمد بن عبداللہ بن احمد، دلائل النبوۃ، ج1، ص57، دار النفائس۔ بیروت، ط2، 1406ھ، 1986ء۔

(14) جامع ترمذی، حدیث 3607۔

جو آپ ﷺ کے نسب مبارک کے متعلق کتابوں میں آئی ہیں، ثابت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کے والد اور والدہ دونوں کے قبائل ہمیشہ سے نہایت عزت و شرافت اور عظمت و قار کے مالک رہے ہیں۔

بنو زہرہ کی عظمت کی امین وہ تمام شخصیات بھی ہیں جو ایمان لائیں اور انہوں نے شرف صحابیت پایا۔ ایسی بعض شخصیات کا تذکرہ گزشتہ سطور میں ہوا۔ ان سمیت ذیل میں ایسی بعض مزید شخصیات کی فہرست دی جارہی ہے جسے انتہائی محنت کے ساتھ سیر صحابہ پر لکھی گئی کتابوں سے جمع کیا گیا ہے:

1. عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
2. سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
3. طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
4. مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ
5. عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
6. عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
7. عمر بن سعد رضی اللہ عنہ
8. عائشہ بنت سعد رضی اللہ عنہا
9. عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ
10. عبد الرحمٰن بن اسود رضی اللہ عنہ
11. نافع بن عتبہ رضی اللہ عنہ
12. عبد الرحمٰن بن ازہر بن عوف رضی اللہ عنہ
13. صفوان الزہری رضی اللہ عنہ
14. عبد اللہ بن عدی بن حمراء الزہری رضی اللہ عنہ
15. ازہر بن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ(15)

---

(15) یہ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں، دیکھئے القرطبی، ابن عبد البر، ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، ج 1، ص 74، دار الجیل - بیروت، ط 1، 1412ھ، 1992ء۔

16. اسود بن عوف الزہری رضی اللہ عنہ[16]

17. اسود بن وہب بن عبد مناف بن زہرۃ رضی اللہ عنہ[17]

یہ تھیں بنو زہرہ سے تعلق رکھنے والی بعض وہ شخصیات جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں اور شرفِ صحابیت حاصل کیا۔ یقیناً اس کے علاوہ بھی بنو زہرہ سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرام ہوں گے لیکن مقصود سب کو جمع کرنا نہیں بلکہ بطور نمونہ چند شخصیات کا تذکرہ ہے۔

مذکورہ تمام تفصیلات بنو زہرہ کے مقام و مرتبہ اور عزت و شرف کیلئے بجائے خود درست و ثابت ہیں مگر بنو زہرہ کا اصل شرف حضرت رسالت مآب ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا بنو زہرہ سے ہونا ہے، اور یہ ایسا شرف ہے کہ اس مقابلہ میں تمام شرف ہیچ نظر آتے ہیں۔ کتبِ سیرت میں درج بہت سی روایات سے،[18] باوجود ان کے کمزور ہونے کے، یوں محسوس ہوتا کہ رسولِ مجتبیٰ ﷺ کیلئے بہ مطابق حدیث صحیح[19] جیسے بنی آدمؑ میں سے بہترین گروہوں، قبیلوں اور گھرانوں کو منتخب کیا گیا ایسے ہی بنو زہرہ کو بھی اس مقام شرف کیلئے اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے۔

---

(16) یہ عبد الرحمٰن بن عوف کے بھائی ہیں، ایضاً الاستیعاب، ج 1، ص 87۔

(17) یہ رسول اللہ ﷺ کے ماموں کہلاتے تھے، یہ آپ ﷺ کے سوتیلے ماموں عبد یغوث کے بیٹے تھے، ان کے بیٹے عبد الرحمٰن کا ذکر ما قبل میں ہوا ہے۔ الاصابہ ج 1، ص 229۔

(18) ایسی بعض روایات کا ذکر آئندہ عنوان کے تحت کیا جائے گا۔

(19) یہ حدیث ترمذی کے حوالے سے ما قبل میں درج کی گئی ہے۔

بنوزہرہ اور بنوہاشم کا ملاپ

قریش کے دو عظیم قبائل بنوہاشم اور بنوزہرہ کے باہمی تعلقات قدیم سے چلے آتے تھے اور دونوں قبائل میں ایک دوسرے کا احترام، لحاظ اور پاس رکھنے کی روایت قائم تھی۔ مختلف معاہدات میں بنوزہرہ ہمیشہ بنوہاشم اور ان کے والد عبد مناف کے حلیف رہے۔ بنوہاشم کا شرف واعزاز محض ظہور اسلام سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ ظہور اسلام سے پہلے بھی عرب کا یہ قبیلہ انتہائی معزز و محترم تھا۔ تاہم اس کا اصل مقام و مرتبہ اور عرب دنیا سے باہر بھی اس کی عزت و عظمت اور شہرت دوام اسلام ہی کی مرہون منت ہے۔ ان دونوں قبائل میں پہلے بھی رشتے اور ناتے قائم تھے مگر جس رشتے نے دونوں قبائل کی قسمت ہی بدل ڈالی اور عزت و شرافت کی جن نئی بلندیوں پر انہیں پہنچایا، وہ بنوہاشم کے قابل فخر سپوت اور ذبیح ثانی جناب عبداللہ کا بنو زہرہ کی اس وقت کی سب سے اچھے اور سب سے اعلیٰ حسب و نسب کی مالک اور عزت و شرافت کی تمام جہتوں کو سمیٹنے والی خاتون سیدہ آمنہ سے رشتہ تھا۔ اس رشتے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان دو خاندانوں کو ملایا، اور یہ ایسا خوش قسمت ترین ملاپ ہے کہ اس کی مثال کائنات نے نہ اس سے پہلے کبھی دیکھی نہ آئندہ کبھی دیکھے گی۔

اس ملاپ کے تکوینی اسباب کیا ہوئے؟ وہ کون سے غیر معمولی حالات و واقعات اور عوامل تھے جنہوں نے حضرت عبداللہ کے والد جناب عبدالمطلب کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ خود اپنا اور اپنے بیٹے کا رشتہ بنوزہرہ میں کرائیں؟ پھر جناب عبداللہ ہی کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ کیا یہ ملاپ ایک عام رشتے کے طور پر ہی ہوا جیسا کے اس وقت قبائل میں رواج تھا اور عام انسانی زندگی میں ہوتا ہی ہے، یا خدا کی طرف سے اس کے خاص تکوینی اسباب پیدا کئے گئے اور اس میں غیبی اشارات کی کارفرمائی بھی شامل تھی؟ یہ اور اس طرح کے بعض دیگر امور پر اس عنوان کے تحت بات ہوگی، مگر سب سے پہلے بنوہاشم کا تعارف ضروری ہے۔

بنوہاشم کا تعارف

بنوہاشم اور رسول ہاشمی کے جد امجد جناب ہاشم بن عبد مناف تھے، عبد مناف قصی کے بیٹے تھے، قصی بن کلاب کا تذکرہ ماقبل ہوا۔ قصی کی چھ اولادیں تھیں، چار بیٹے اور دو بیٹیاں۔ بیٹوں میں عبد مناف بن قصی، عبدالدار بن قصی، عبدالعزی بن قصی اور عبد بن قصی شامل تھے۔ سب سے بڑے بیٹے عبدالدار تھے،

قصی نے وفات سے پہلے اپنے تمام مناصب اسی بیٹے کے حوالے کر دیئے تھے، عبد الدار سب بھائیوں میں بڑے ضرور تھے مگر اس قدر قابل نہیں تھے کہ اتنے بڑے مناصب کا بوجھ اٹھا سکتے، اسی لئے بعض سیرت نگاروں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے قصی جیسے عقلمند انسان سے یہ بعید ہے کہ انہوں نے بیٹوں میں سے اُسے اپنا نائب بنایا جو اس کا اہل ہی نہیں تھا اور یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ انہوں نے قبائلی روایات سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہو تا کہ بیٹے متفق رہیں اور جھگڑا فساد نہ ہو۔ (1)

مگر قصی کا یہ انتظام و تدبیر زیادہ عرصہ نہ چل سکا اور قریش میں اختلافات پھوٹنے لگے کچھ کا خیال تھا کہ چونکہ خود قصی نے یہ مناصب عبد الدار کو بخشے تھے اس لئے بنو عبد الدار ہی ان کے زیادہ اہل ہیں، جبکہ دوسرے بعض کا خیال تھا کہ اس کے حقدار بنو عبد مناف ہیں کیونکہ انہیں ہر طرح سے شرف و فضیلت حاصل ہے، چنانچہ عبد مناف بن قصی کے بیٹوں (عبد شمس، ہاشم، مطلب اور نوفل) نے جنہیں بنو عبد مناف کہا جاتا تھا ان مناصب کو لینا چاہا تو بنو عبد الدار نہ مانے اور بات لڑائی تک پہنچ گئی۔

اب کچھ لوگ بنو عبد الدار کے طرف دار ہو گئے اور کچھ بنو عبد مناف کے۔ جو لوگ بنو عبد الدار کے ساتھ تھے انہیں اُن کا حلیف کہا جاتا تھا اور جو عبد مناف کے ساتھ تھے وہ ان کے حلیف کہلاتے تھے، یوں عرب قبائل مختلف احلاف میں تقسیم تھے۔ عبد مناف کی عورتیں خوشبو سے بھرا ہوا پیالہ لائیں اور اسے کعبہ کے پاس اپنے حلیفوں کے سامنے رکھ دیا۔ ان لوگوں نے خوشبو میں ہاتھ ڈبو کر اور کعبہ کی دیواروں سے مل مل کر پختہ عہد اور حلف اٹھایا کہ وہ عبد مناف کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اس حلف کو تاریخ عرب میں

---

(1) ابن کثیر نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ قصی کے تمام بیٹے اپنے باپ کے زمانے میں بڑے بڑے عہدے حاصل کر چکے تھے جبکہ عبد الدار کے پاس کچھ نہیں تھا، اس لئے قصی نے چاہا کہ بیت اللہ اور حج سے متعلقہ مناصب جیسے "سقایہ"، "رفادہ"، "حجابہ" اور "لواء" وغیرہ کو عبد الدار کے سپرد کر دیا جائے تا کہ وہ سرداری کے لحاظ سے باقی بھائیوں کے برابر ہو جائے۔ (البدایہ والنہایہ، ج 1، ص 243)۔

"حِلْفُ الْمُطَيَّبِين" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[2] اس عہد میں بنو زہرہ بنو عبد مناف کے ساتھ تھے۔ ہر دو فریقوں نے دیگر خاندانوں کو بھی ساتھ ملایا۔ بنو زہرہ نے بنو جُمَح کو بھی اپنے ساتھ ملایا۔

بنو زہرہ صرف اس معاہدے میں نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی بڑے بڑے معاہدوں میں ہمیشہ بنو عبد مناف کے ساتھ رہے، چنانچہ بعثت نبوی ﷺ سے تقریباً بیس سال قبل جب قریشی قبائل نے "حِلف الفضول"[3] کی دعوت دی تو بنو زہرہ نے اس میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تاریخ عرب میں یہ ایک عظیم معاہدہ تھا جو مظلوموں کی مدد کیلئے کیا گیا۔ اس عظیم معاہدے میں بھی بنو زہرہ، بنو ہاشم (جو کہ بنو عبد مناف کہلاتے تھے) کے ساتھ تھے۔ بہر حال عبد الدار کے بعد قریش کی ریاست عبد مناف بن قصی نے حاصل کی اور انہی کا خاندان، رسول اللہ ﷺ کا خاص خاندان ہے۔

عبد مناف کے چھ بیٹے تھے۔ ان میں ہاشم نہایت سمجھ دار اور اثر ورسوخ والے تھے۔ قصی نے جو مناصب عبد الدار کو دیئے تھے، وہ انہی کی کوششوں سے دوبارہ عبد مناف کو ملے۔ چنانچہ انہوں نے بھائیوں کو آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبد الدار کو دیئے گئے ہیں، واپس لے لئے جائیں۔ وہ لوگ ان عظیم مناصب کے قابل نہیں۔ عبد الدار کے خاندان نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ بالآخر اس بات پر صلح ہوئی کہ "سقایہ" (حاجیوں کو پانی پلانا) اور "رفادۃ" (حاجیوں کی ضیافت) کو عبد الدار سے لے کر ہاشم کو دے دیا جائے۔

---

(2) اس معاہدے کا تذکرہ کتب سیرت میں تفصیلاً موجود ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا مقام نہیں، اس معاہدے میں بنو زہرہ کے علاوہ بنو اسد، بنو تیم اور بنو حارث بھی بنو عبد مناف کے ساتھ تھے۔ دیکھئے: "سیرۃ ابن ہشام" (ج 1، ص 130 ومابعد)۔

(3) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو السہیلی، ابو القاسم، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن احمد السہیلی (متوفی 581ھ)، "الروض الانف": (ج 2، ص 63)، دار احیاء التراث-بیروت، ط 1، 1421ھ، 2000ء۔ سیرۃ ابن ہشام (ج 1، ص 133)۔

جناب ہاشم

ہاشم کا اصل نام عمرو العلا (بلندی والا عمرو) تھا۔[4] ان کی غیر معمولی صلاحیتوں اور بے پناہ استعداد کی وجہ سے لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ عبد مناف کا یہ بیٹا اپنے دادا قصی بن کلاب کا مقام حاصل کرلے گا۔ اسی وجہ سے انہیں عمرو العلا کہا جاتا تھا، ہاشم لقب کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ مکہ میں قحط پڑ گیا اور ہاشم وہاں موجود نہیں تھے، کسی تجارتی قافلہ کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ اپنی قوم کی حالت زار معلوم ہوئی تو تمام مال تجارت سے آٹا اور روٹیاں خرید کر مکہ لے آئے، اونٹ ذبح کئے اور ان کے گاڑھے شوربے میں روٹیاں چورا کر کے ڈال دیں (جسے ثرید کہتے ہیں) اور اذن عام دے دیا کہ جو چاہے کھالے۔ زمانہ قحط میں پرندے بھی بھوک سے مر رہے تھے تو انہیں بھی کھانے سے نہیں روکا گیا۔ اونٹوں کی ہڈیاں اور گوشت، پہاڑوں پر درندوں کیلئے بھی ڈال دیئے گئے۔ اس واقعے نے تمام اہل مکہ کو بہت متاثر کیا اور سب انہیں ہاشم کے لقب سے پکارنے لگے، عربی میں ہشم کا معنی ہے چُورا کرنا۔[5]

"سقایہ" اور "رفادہ" کا منصب واپس ملنے کے بعد ہاشم نے اپنے فرائض نہایت خوبی سے سرانجام دیئے جس سے حجاج بہت خوش ہوتے اور ان کے ذریعے سے جناب ہاشم کی شہرت اطراف واکناف میں بھی پھیلنے لگی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے عربوں کی تجارت کو بھی بہت ترقی دی۔[6] چنانچہ عربوں کے تجارتی قافلے سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام نہایت امن واطمینان کے ساتھ جاتے۔ ہاشم نے مختلف عرب قبائل میں جاکر ان سے معاہدے کئے کہ وہ قریش کے تجارتی قافلے سے لوٹ مار نہیں کریں گے جس کے بدلے انہیں ضرورت کا سامان خود ان کے قبائل میں پہنچا دیا جائے گا۔ چنانچہ عرب عام لوٹ مار کے عادی ہونے کے باوجود بھی قریش کے قافلوں کو نہ لوٹتے تھے۔ قریش کے قافلوں کو عرب اس لئے بھی نہیں لوٹتے تھے کہ وہ قریش کو خدا کے گھر کا خادم سمجھتے تھے اور اس نسبت سے ان کا احترام کرتے تھے۔ اس

---

(4) الشامی، الصالحی، محمد بن یوسف، (متوفی 942ھ)، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج 1، ص 268، دار الکتب العلمیہ - بیروت، ط 1، 1414ھ، 1993ء۔

(5) ایضاً، ص 269۔

(6) سیرہ ابن ہشام: ج 1، ص 136۔ انساب الاشراف، ج 1، ص 59۔

طرح قریش کی تجارت نہایت ترقی کرنے لگی اور قریش کا قافلۂ تجارت، محفوظ ترین تجارتی قافلہ بن گیا۔ اس پرامن تجارت کو اللہ نے سورہ قریش میں اہل مکہ پر بطور احسان کے ذکر فرمایا ہے۔[7]

ہاشم نے اپنے تین بھائیوں عبد شمس، مطلب اور نوفل کے ساتھ مل کر اس تجارت کو بہت وسعت دی، جزیرۂ عرب کے اردگرد کی سلطنتوں کے ساتھ تجارتی معاہدے کئے اور عرب کے تجارتی قافلوں کیلئے امان حاصل کی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ان چاروں بھائیوں کو "مُجیرون" کہا جاتا تھا، اس لئے کہ انہوں نے مختلف بادشاہوں سے قریش کیلئے تجارتی امان حاصل کی تھی۔ چنانچہ خود ہاشم شام کے امراء وسلاطین سے ملے اور ان سے امان حاصل کی۔ عبد شمس حبشہ کے بادشاہ سے ملے اور ان سے امان حاصل کی اور نوفل نے عراق وفارس کی حکومتوں سے اور مطلب نے یمن کے امراء وسلاطین سے امان حاصل کی۔ یوں قریش کی تجارت بین الاقوامی سطح پر ہونے لگی۔ ان چاروں بھائیوں نے اپنی قوم کیلئے بہت قربانیاں دیں اور ایک باپ کی اولاد ہونے کے باوجود کسی ایک کی وفات بھی اپنے گھر میں نہیں ہوئی بلکہ ہر ایک کی وفات وطن سے دور دراز علاقوں میں ہوئی۔ ابن کثیر نے ان جگہوں کی تفصیل بھی دی ہے۔[8]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد سے اسماعیل کو چنا، اور اسماعیل کی اولاد سے بنو کنانہ کو چنا، اور بنو کنانہ سے قریش کو چنا، اور قریش سے بنو ہاشم کو چنا، اور بنو ہاشم سے مجھے چنا۔"[9]

ایک اور حدیث میں آیا ہے:

> "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل نے (مجھ سے) کہا کہ میں نے مشرق ومغرب کو کھنگالا تو میں نے محمد (ﷺ) سے افضل کسی کو نہیں پایا، اور مشرق ومغرب میں گھوما لیکن میں نے بنو ہاشم سے بہتر

---

(7) سورہ قریش 106، آیت 1 تا 4۔

(8) البدایہ والنہایہ، ج 3، ص 357، باب ذکر نسبہ الشریف۔

(9) صحیح مسلم، حدیث: 2276۔

خاندان نہیں دیکھا"۔[10]

یہ تھے بنوہاشم جنہیں رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے طور پر اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا تھا۔ جب والد کے خاندان کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ والدہ کے خاندان کا انتخاب اللہ کی طرف سے نہ ہو۔

عبدالمطلب

جناب ہاشم تجارتی اسفار کرتے رہتے تھے۔ ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے، راستے میں یثرب (مدینہ منورہ) میں ٹھہرے، وہاں بازار میں ایک خاتون کو دیکھا جس کی حرکات وسکنات سے شرافت و فراست ظاہر ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ خوبصورتی بھی تھی۔ دریافت کرنے پر پتا چلا کہ بنونجار سے تعلق رکھتی ہیں اور سلمٰی نام ہے۔ آپ نے نکاح کا پیغام بھجوایا جو کہ قبول کرلیا گیا اور شادی بھی ہوگئی۔[11] جناب ہاشم کچھ وقت سلمٰی کے ساتھ گزارنے کے بعد شام روانہ ہوگئے۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ شادی کے بعد کچھ دن مرد سسرال میں ہی رکتا تھا اور پھر چلا جاتا، بعد میں آکر بیوی کو ساتھ لے جاتا۔ ہاشم شام پہنچ کر بیمار ہوگئے اور غزہ میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کی عظمت وبزرگی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے وہاں دفن ہونے کی وجہ سے غزہ کو آج تک "غزہ ہاشم" کہا جاتا ہے۔

سلمٰی امید سے ہوگئیں۔ وقت مقررہ پر بیٹا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ پیدائشی طور پر آپ کے سر پر کچھ بال سفید تھے اسی لئے شیبہ نام رکھا گیا یعنی سفید بالوں والا۔ بعد میں آپ کے عظیم کارناموں کے وجہ سے آپ کو "شیبۃُ الحمد" کہا جانے لگا یعنی "تعریف والا شیبہ۔" آپ نے آٹھ سال تک مدینہ ہی میں پرورش پائی۔ جناب ہاشم کے بھائی مطلب کو جب اپنے بھائی کے حالات کا علم ہوا تو آپ مدینہ پہنچے اور اپنے بھتیجے کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ کی بھابھی سلمٰی کو پتا چلا تو آپ کو بلوا بھیجا۔ تین دن تک ان کی ضیافت کی اور پھر بیٹے کو ان کے حوالے کر دیا۔[12]

---

(10) المعجم الاوسط، حدیث:6285۔

(11) سیرۃ ابن ہشام: ج1، ص138۔

(12) سبل الہدیٰ والرشاد، ج1، ص262۔

جناب مطلب بھتیجے شیبہ کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ یہاں آکر آپ کا نام عبد المطلب مشہور ہوا۔ یہ نام کیوں پڑا؟ اس بارے میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ لوگوں نے آپ کو مطلب کا غلام خیال کیا اس لئے یہ نام پڑ گیا،[13] لیکن صحیح یہ ہے کہ چونکہ آپ یتیم تھے اور آپ کی پرورش مطلب نے کی تھی، لہٰذا عربی کے محاورے کے مطابق آپ عبد المطلب (مطلب کا غلام) کے نام سے مشہور ہو گئے اور آج بھی آپ کا یہی نام مشہور ہے۔[14]

عمرو العلا یعنی ہاشم کے مرنے کے بعد اُن کی ذمہ داریاں اُن کے بھائی مُطلب پر آگئی تھیں، پھر مُطلب کے بعد وہ تمام ذمہ داریاں عبد المطلب نے سنبھالیں اور وہ بہت جلد قریش مکہ کے ایک عظیم سردار کے طور معروف ہو گئے۔[15] وہ ایک غیر معمولی سردار تو تھے ہی، اس کے ساتھ ساتھ وہ بہت جلد نبی آخر الزماں ﷺ کے دادا بھی بننے والے تھے۔ ان کی حنیفیت (دین ابراہیمی پر عمل) اور عبادت کی وجہ سے اور (مبینہ طور پر) وقت کے کاہنوں اور قیافہ شناسوں کی بعض باتوں کی وجہ سے بھی اور پھر اس زمانے کے اہل کتاب کی پیش گوئیوں کو وجہ سے انہیں بھی اس بات کا یقین کی حد تک علم ہو گیا تھا کہ خود میرے بیٹوں میں یا پھر میری نسل میں کوئی بڑا اور غیر معمولی بچہ پیدا ہونے والا ہے۔

ابن سعد کے مطابق، عبد المطلب قریش میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔ انتہائی قوی، جسیم، بہت بردبار حد درجہ سخی اور کریم تھے۔ شر اور فتنے سے دور بھاگتے تھے۔ کوئی بادشاہ بھی آپ سے ملتا تو آپ کی سحر آفریں شخصیت کی وجہ سے عزت و احترام سے پیش آتا۔ آپ ہمیشہ قریش مکہ کے متفقہ اور مسلمہ سردار رہے۔[16]

---

(13) سیرۃ ابن ہشام، ج 1، ص 138۔

(14) شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ بحوالہ زرقانی: ج 1، ص 121، الفیصل، ناشران وتاجران کتب۔ لاہور، 2005ء۔

(15) سیرۃ ابن ہشام: 1، ص 142۔

(16) ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الہاشمی، الطبقات الکبری، ج 1، ص 82، دار الکتب العلمیہ۔ بیروت، ط 1، 1410ھ، 1990ء۔

عبد المطلب کے نمایاں اوصاف میں سب سے اہم وصف ان کی جود و سخا تھی۔ وہ جود و کرم میں اپنے والد ہاشم سے کہیں بڑھ گئے تھے۔ انسان تو انسان جانوروں اور پرندوں تک کی مہمان نوازی کرتے تھے۔ اسی وجہ سے عرب انہیں فیاض اور پرندوں کو کھلانے والے کہا کرتے تھے۔ عبد المطلب، زمانۂ جاہلیت کے ان چند افراد میں سے تھے جنہوں نے اپنے لئے شراب کو حرام کر لیا تھا۔

عبد المطلب کے بڑے کارناموں میں سے یہ ہے کہ انہوں نے زمزم کے کنویں کی کھدائی کروائی جو ایک عرصے سے بند پڑا تھا اور اس کے نشانات تک نہیں ملتے تھے۔ اہل مکہ پانی کی معاملے میں شدید پریشانی کا شکار تھے۔ بنو جرہم کو (جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ سے مکہ میں آباد تھے) جب اللہ نے ان کی بداعمالیوں اور حاجیوں پر ظلم کی وجہ سے مکہ سے نکل جانے پر مجبور کیا اور اس کے اسباب پیدا کئے تو انہوں نے وہاں سے جاتے ہوئے کعبہ کے نہایت قیمتی اور نفیس تحائف اور رکن یمانی کا پتھر زمزم کے کنویں میں پھینک کر اسے پاٹ دیا اور اسے بھر کر زمین کے برابر کر دیا اور خود یمن کی طرف بھاگ گئے۔ اس بات کو بھی طویل عرصہ ہو چکا تھا اور لوگوں کے ذہنوں سے زمزم کا محل وقوع بالکل محو ہو چکا تھا۔ اب وہ وقت آ چکا تھا کہ حضرت اسماعیل ہی کی نسل سے کسی ایسے شخص کو یہ سعادت بخشی جائے کہ وہ اس بابرکت کنویں کو پھر سے جاری کرے؛ پھر وہ خود اور اس کی نسل میں آنے والے نبی آخر الزماں ﷺ اور ان کے امتی اس کے حقیقی وارث اور حقدار بن سکیں۔

جناب عبد المطلب کو خواب میں زمزم کے کنویں کے اصل مقام کی طرف رہنمائی کی گئی، انہوں نے اُسی کے مطابق کھودائی کی تو انہیں کنواں مل گیا، خواب کی تفصیل ابن ہشام نے یوں درج کی ہے:

> "عبد المطلب نے بیان کیا: میں حطیم میں سو رہا تھا، خواب میں ایک آنے والا میرے پاس آیا اور مجھے کہا: "برّہ" کو کھودو۔" میں نے پوچھا: "برّۃ" کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا۔ اگلے دن پھر میں اسی جگہ سویا، میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ وہ شخص مجھ سے کہہ رہا ہے: "مضنونہ" کو کھودو، میں نے پوچھا: "مضنونہ" کیا ہے؟ وہ شخص پھر جواب دیئے بغیر ہی چلا گیا۔ تیسرے دن پھر اسی جگہ خواب دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: "طیبۃ" کو کھودو، میں نے پوچھا: "طیبۃ" کیا ہے؟ تو اس شخص نے کہا: "زمزم" کھودو، میں نے کہاں "زمزم" کیا ہے؟ اس نے کہاں وہ ایسا کنواں ہے جو نہ کبھی ختم ہو گا اور وہ حاجیوں کی بہت

۔ بڑی تعداد کو سیراب کرے گا۔"(17)

پھر اس جگہ کی کچھ علامات بتائی گئیں۔ بار بار خواب دیکھنے اور علامات بتلائے جانے پر عبد المطلب کو یقین ہو گیا کہ یہ سچا خواب ہے اور انہوں نے اس پر عمل کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا یہ خواب قریش کو سنا کر اس پر عمل کا ارادہ ظاہر کیا۔ قریش نے مخالفت کی، اس مخالفت کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ مقام جہاں کنویں کیلئے نشاندہی کی گئی تھی وہ قریش کے دو بتوں، اساف اور نائلہ کے درمیان تھا جہاں قریش قربانی کیا کرتے تھے۔ عبد المطلب نے مخالفت کی پرواہ نہ کی اور اپنے اکلوتے بیٹے حارث کو لے کر خواب میں بتائے گئے مقام پر پہنچے اور کھدائی شروع کر دی۔ جب کنویں کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوئے تو حضرت عبد المطلب کی خوشی دیدنی تھی، انہوں نے بلند آواز میں کہا: "اللہ اکبر! یہی اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے۔"

جب قریش کو پتا چلا کہ عبد المطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں تو وہ سب جمع ہو گئے اور عبد المطلب سے مطالبہ کیا کہ یہ ہمارے والد اسماعیل کا کنواں ہے، اس پر ہمارا بھی حق ہے۔ جناب عبد المطلب نے ان کا حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ فضیلت میرے لئے خاص کی گئی ہے، بالآخر ایک غیر معمولی واقعے کے بعد (18) قریش نے زمزم پر عبد المطلب کا حق تسلیم کر لیا۔ عبد المطلب نے زمزم کو بلا تخصیص سب لوگوں کیلئے وقف کر دیا۔

ہاشم کا بیٹا ہونے کے ساتھ ساتھ جناب عبد المطلب کو اپنے مذکورہ ذاتی اوصاف و کمالات اور خصوصیات کی وجہ سے سردارانِ قریش میں ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ انہی وجوہ کی بنا پر وہ اپنے جدِ اعلیٰ قصی کی طرح امیر مکہ اور متولی کعبہ سمجھے جاتے تھے، چنانچہ جب ابرہہ والیٔ یمن نے بیت اللہ پر چڑھائی کا

---

(17) سیرۃ ابن ہشام: ج1، ص146۔

(18) اس واقعے کی تفصیل ابن ہشام اور دیگر سیرت نگاروں نے لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قریش نہیں مانے تو عبد المطلب نے ایک کاہنہ سے فیصلہ کرانے کا کہا جو شام کی طرف کسی سرحدی علاقے میں رہتی تھی۔ راستے میں ان لوگوں کے پاس پانی ختم ہو گیا، یہاں تک کے سب کی جان پر آ بنی، جب سب مرنے کے قریب ہوئے تو عبد المطلب نے کہا کہ ہر ایک اپنی قبر کھود کر اس میں لیٹ جائے اور جو بھی پہلے مرے، دوسرا اس پر مٹی ڈال دے، سب کے جثے یعنی مردہ جسم مٹی سے باہر رہنے سے بہتر ہے کسی ایک کا جثہ باہر رہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اسی موت کے انتظار کے عالم میں عبد المطلب کا اونٹ کھڑا ہوا تو اس کے نیچے سے پانی کا چشمہ اس صحرائے بے آب گیاہ میں بر آمد ہوا۔ اس غیر معمولی واقعے کو دیکھ کر قریش مان گئے کہ زمزم پر واقعی عبد المطلب ہی کا حق ہے۔

ارادہ کیا تو عبد المطلب ہی تھے جو ذمہ دار بن کر ابرہہ سے بات کرنے گئے اور اس کے سامنے وہ تاریخی جملہ کہا جو آج تک کتب سیر و تاریخ میں محفوظ ہے، انہوں فرمایا: "بیت اللہ کا ایک رب اور مالک ہے، وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ مجھے تو بس میرے اونٹ دے دو۔" چنانچہ اللہ نے اس کے پورے لشکر کو چھوٹے چھوٹے پرندوں (ابابیل) کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ اس غیر معمولی واقعے کا ذکر قرآن پاک میں سورہ فیل میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔[19] یہ واقعہ آپ ﷺ کی ولادت سے صرف چالیس یا پچاس دن پہلے پیش آیا تھا۔

حضرت عبد المطلب جب بیت اللہ میں تشریف لے جاتے تو کعبہ شریف کے سائے میں ان کیلئے مخصوص نشست لگائی جاتی تھی۔ کسی بڑے سے بڑے شخص کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس پر بیٹھ سکے، حتیٰ کہ آپ کے صاحبزادوں میں سے بھی کوئی اس پر نہ بیٹھتا تھا۔ آپ ﷺ اس نشست پر بیٹھتے تو آپ کے چچا عبد المطلب کے بیٹے انہیں منع کرتے۔ اس پر عبد المطلب انہیں کہتے: "میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو، اللہ کی قسم اس کا بڑا مقام ہو گا۔"[20] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب عبد المطلب اپنے اس پوتے کے بارے میں غیر معمولی خیالات رکھتے تھے۔ حضرت عبد المطلب کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی اور خود حضرت عبد المطلب کی عمر ایک سو چالیس سال تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق، بوقت وفات عمر ایک سو بیس سال تھی۔ آپ کی قبر مقام حجون میں اپنے جد اعلیٰ قصی کی قبر کے پاس ہے۔ آپ کی وفات پر کئی دنوں تک بازار بند رہے اور کاروبار معطل رہا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، جناب عبد المطلب کے والد ہاشم نے قریش کیلئے اپنی غیر معمولی خدمات کے سلسلے میں بہت بڑے بڑے کارناموں کے ساتھ ساتھ ان کیلئے تجارت کو بھی منظم کیا اور اسے بین الاقوامی سطح تک رسائی بخشی، جس کے نتیجے میں قریش کے تجارتی قافلے سردیوں میں یمن اور حبشہ کے طرف جاتے تھے اور گرمیوں میں شام اور روم کی طرف سفر کرتے تھے۔ ان ہی قافلوں کے ساتھ جناب عبد المطلب بھی مختلف تجارتی اسفار کیا کرتے تھے۔ ان اسفار کے دوران جہاں انہیں دیگر تجربات و مشاہدات حاصل ہوتے ہوں گے، وہاں کتب سیر و تاریخ میں لکھا ہے کہ ان کی ملاقات مختلف یہودی و عیسائی مذہبی پیشواؤں سے بھی ہوتی تھی۔

---

(19) سورہ الفیل (105): 1 تا 5۔ اس سورہ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے اس واقعہ کی تفصیلات دی ہیں۔

(20) سیرۃ ابن ہشام: ج 1، ص 180۔

اس سلسلے کا ایک واقعہ ابن کثیر نے ابو نعیم کی "دلائل النبوۃ" کے حوالے سے نقل کیا ہے:

> "رحلة الشتاء" یعنی سردیوں کے قافلہ تجارت میں جناب عبد المطلب یمن تشریف لے گئے تو ایک یہودی عالم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس نے جناب عبد المطلب سے کہا کہ کیا میں آپ کے جسم کو دیکھ سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، دیکھ سکتے ہو بشرطیکہ کہ وہ حصہ ستر کے علاوہ ہو، چنانچہ اس نے آپ کی ناک کے ایک نتھنے کو پہلے دیکھا پھر دوسرے کو کھولا اور اس کے اندر بھی جھانک کر دیکھا۔ دیکھنے کے بعد اس نے کہا کہ میں گواہی دے سکتا ہوں کہ آپ کے ایک ہاتھ میں نبوت ہے اور دوسرے میں بادشاہت، اور ہم نے یہی بات بنو زہرہ کے لوگوں میں بھی دیکھی ہے یعنی یہی علامات۔ اس یہودی نے حیرت سے حضرت عبد المطلب سے سوال کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ اس پر اس یہودی عالم نے کہا کہ کیا آپ کی کوئی زوجہ ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اس وقت کوئی زوجہ نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ جب آپ اپنے وطن لوٹیں تو بنو زہرہ میں ایک شادی کر لیں"۔ (21)

اس کے ساتھ ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سب سے بڑی نشانی زمزم کے کنویں کا حضرت عبد المطلب کے ہاتھوں از سر نو ظاہر ہونا، پھر ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ کا واقعۂ نذر کے بعد (جس کا ذکر آئندہ سطور میں کیا جائے گا) "ذبیح ثانی" کے لقب سے شہرت پانا ایسے غیر معمولی واقعات ہیں کہ جنہوں نے ضرور حضرت عبد المطلب کو یہ باور کرایا ہو گا کہ ان کی اولاد میں کوئی خاص شخصیت آنے والی ہے؛ اور ہو سکتا ہے کہ پیش گوئیاں کرنے والوں کی پیش گوئیاں درست ہوں کہ اس شخصیت کا ظہور بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے ملاپ سے ہی ہو گا۔

اس کے علاوہ بنو زہرہ کے سردار وہب جو کہ رسول اکرم ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے والد اور حضرت عبد المطلب کے دوست اور شریک سفر تھے، یمن کے ایک سفر کے دوران وہ قریش کے نمائندہ وفد کے ساتھ یمن کے مشہور فرمانروا سیف ذی یزن (جس نے یمن سے حبشیوں کی حکومت کا مکمل خاتمہ

---

(21) البدایہ والنہایہ، ج3، ص352۔

کر دیا تھا) کے دربار میں موجود تھے کہ وہاں بھی نبی آخر الزماں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کے بعد بھی عبد المطلب سیف ذی یزن کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے آپ ﷺ کے بارے میں تفصیلی علامات عبد المطلب کے گوش گزار کیں جن سے عبد المطلب کو اپنے پوتے کے بارے میں یقینی طور پر واضح ہو گیا کہ وہ ہونے والے نبی ہیں۔[22]

یہ تھے وہ حالات واقعات جو بظاہر امکانی درجے میں بنو زہرہ اور بنو ہاشم کے ملاپ کا سبب بنے؛ اور دراصل اس ملاپ کے پیچھے وہ خاندانی تعلق تھا جو کئی نسلوں سے بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے مابین قائم تھا اور تمام نمایاں اور قابل فخر کاموں میں یہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہے۔ آپ ﷺ کے والد جناب عبد اللہ کے پڑدادا عبد مناف بن قصی اور آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کے دادا عبد مناف بن زہرہ، دونوں چچازاد بھائی تھے اور قریش میں ان دونوں کو "منافان" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

یہ ملاپ پہلے حضرت عبد المطلب کے بنو زہرہ کے سردار وہیب کے بیٹی ہالہ کے نکاح کی صورت میں ہوا، پھر حضرت عبد المطلب کے چھوٹے اور سب سے چہیتے اور محبوب ترین بیٹے حضرت عبد اللہ کے حضرت آمنہ کے ساتھ نکاح کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔ ہم نے ان واقعات کو امکانی سبب اس لئے قرار دیا کہ ایسے تمام واقعات روایت کے لحاظ سے زیادہ مستند نہیں اور محقق علماء نے سیرت طیبہ کے باب میں انہیں زیادہ اہمیت نہیں دی ہے۔

---

(22) البدایہ والنہایہ: ج3، ص554۔ اسی واقعہ کو امام سہیلی نے حضرت عبد اللہ سیدہ آمنہ سے شادی کے ضمن میں ذرا مختلف انداز میں نقل کیا ہے جسے آئندہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جائے گا، دیکھئے: الروض الانف، ج1، ص274۔

سیدہ آمنہ کی شادی اور آپ کے شوہر جناب عبد اللہ

ظاہر ہے کہ بنو زہرہ اور بنو ہاشم کا ملاپ، اللہ تعالیٰ نے ازل سے طے کر رکھا تھا کیونکہ وہ اپنے آخری اور محبوب پیغمبر کو ازل سے ہی پاکباز باپوں کی پشتوں سے پاک دامن ماؤں کے رحموں میں منتقل کرتا آیا تھا، اسی لئے اس ملاپ کے تکوینی اور ظاہری اسباب بھی وہی پیدا کرتا رہا۔ انہی اسباب میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ سطور میں ہوا۔ یہ باسعادت ملاپ بالآخر دو ایسی بابرکت شخصیات کے ذریعہ سے اپنے کمال کو پہنچا جن کے مقدر میں نبی آخر الزماں ﷺ کے والدین کریمین بننے کا عظیم شرف مقدر ہو چکا تھا؛ اور وہ تھے بنو ہاشم مشہور سردار عبد المطلب کے بیٹے جناب عبد اللہ اور بنو زہرہ کے عظیم سردار وہب بن عبد مناف کی بیٹی آمنہ بنت وہب۔

عبد اللہ بن عبد المطلب

سیدہ آمنہ اور جناب عبد اللہ کے رشتہ ازدواج کے متعلق تفصیلات درج کرنے سے پہلے جناب عبد اللہ کے حالات زندگی کے بارے میں کچھ تفصیلات یہاں درج کرنا مناسب ہو گا۔ کتب سیرت میں دستیاب معلومات یہاں اختصار کے ساتھ درج کی جارہی ہیں۔ جناب عبد اللہ کے والد حضرت عبد المطلب نے متعدد شادیاں کی تھیں جن سے آپ کے تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ حضرت عبد اللہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم قرشیہ تھا۔ والدہ کی طرف سے آپ کے سگے بھائیوں میں جناب ابو طالب اور زبیر شامل تھے۔[1] عام طور پر سیرت نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ آپ اپنے والد کے سب چھوٹے بیٹے تھے مگر علامہ سہیلی نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے یہ درست نہیں کیونکہ بھائیوں میں دیگر نام ایسے موجود ہیں جو آپ سے بھی چھوٹے تھے اور عام سیرت نگاروں کی طرف سے تاویل یہ پیش کی ہے کہ سب سے چھوٹے ہونے سے مراد یہ لیا جاسکتا ہے کہ آپ اپنی والدہ فاطمہ بنت عمر کی طرف سے سگے بھائیوں میں سب سے کم عمر اور چھوٹے تھے۔[2]

---

(1) سیرۃ ابن ہشام، ج1، ص109۔

(2) الروض الانف، ج2، ص138۔

احقر کے خیال میں یہ تاویل تکلف سے خالی نہیں، کیونکہ عرب کبھی بھی بیٹوں کو ماں کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔ زیادہ قرین قیاس اور دوراز تکلفِ تاویل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ اپنے بھائیوں میں بوقت واقعہ نذر وذبح سب سے چھوٹے تھے۔ کتب سیرت میں جہاں بھی یہ لکھا گیا ہے کہ جناب عبد اللہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، وہ اسی واقعے کے ضمن میں لکھا گیا ہے اور اس واقعے کے سیاق وسباق کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ حضرت عبد المطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں دس بیٹے دیئے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ کر ان کا دست وبازو بنے توان میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ اس واقعے کی تفصیلات آئندہ ذکر کی جائیں گی۔ بہر حال، جب دس بیٹے پورے ہوئے تو حضرت عبد المطلب کو اپنی نذر پوری کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے قرعہ ڈالا کہ کس کو ذبح کریں۔ یہ قرعہ کئی مرتبہ ڈالا گیا اور ہر مرتبہ یہ قرعہ فال سب سے چھوٹے بیٹے جناب عبد اللہ کے نام ہی نکلا۔ ظاہر ہے حضرت عبد المطلب نے دس بیٹے مکمل ہونے پر ہی اپنی نذر کو پورا کیا نہ کہ بارہ یا تیرہ بیٹے ہونے پر، اس لئے یہ واضح ہے کہ اس وقت تک بھائیوں میں حضرت عبد اللہ ہی سب سے چھوٹے تھے۔ اس کے بعد اگر مزید کوئی بھائی بھی ہوئے تو وہ یقیناً حضرت عبد اللہ سے چھوٹے ہوں گے مگر وہ اس کے منافی نہیں کہ حضرت عبد اللہ سب سے چھوٹے تھے۔[3]

اپنی والدہ فاطمہ بنت عمرو سے آپ کی پانچ بہنیں تھیں جن کے نام ام حکیم البیضاء، عاتکہ، امیمہ، اروی اور برّۃ ذکر کئے گئے۔ دیگر بہنوں میں صفیہ بھی شامل ہیں، گویا رسول اللہ ﷺ کی کل چھ (6) پھوپھیاں تھیں۔[4]

اہل عرب عام طور پر اپنے بچوں کے نام بتوں کی طرف منسوب کرتے تھے جیسے عبد العزیٰ، عبد مناف اور عبد الشمس وغیرہ۔ ایسے مشرکانہ ماحول کے باوجود جناب عبد اللہ کا نام دین ابراہیمی کے مطابق رکھا گیا۔ اس سے جہاں جناب عبد اللہ کے والد حضرت عبد المطلب کے شرک سے کنارہ کش ہونے کا اشارہ ملتا ہے، وہیں حضرت عبد اللہ کا بھی شرک جیسی آلائش سے پاک ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

---

(3) اہل علم اس توجیہ وتاویل سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ بندہ جب یہ پیراگراف مکمل لکھ چکا تو اس کی تائید میں خود سہیلی اور دیگر کئی ایک سیرت نگاروں کی آراء بھی مل گئیں۔

(4) سیرۃ ابن ہشام: ج 1، ص 109۔

"اللہ کے پسندیدہ ترین ناموں میں سے عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں۔ سب سے سچے نام حارث (کمانے والا) اور ہمام (باہمت، قصد وارادے کا پختہ) ہیں اور سب سے ناپسندیدہ نام حرب (لڑاکا) اور مرہ (کڑوا) ہیں۔"(5)

گزشتہ صفحات میں ابن سعد کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ جناب عبد اللہ کے والد عبد المطلب قریش میں سب سے زیادہ حسین جمیل تھے، اسی طرح حضرت عبد اللہ کے بارے میں بھی کتب سیرت میں ان کے ظاہری حسن وجمال کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ابو نعیم اصفہانی اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں لکھتے ہیں:

"عبد اللہ بن عبد المطلب جیسا حسین وجمیل شخص کبھی نہیں دیکھا گیا۔"(6)

علامہ حلبی اپنی سیرت میں لکھتے ہیں:

"عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ تمام قریش میں اپنے ظاہری حسن وجمال اور اخلاق کی وجہ سے سب سے بہتر تھے، اور آپ ﷺ کا نور ان کے چہرے سے واضح تھا؛ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ قریش کے تمام لوگوں کے مابین دِکھنے میں خوبصورت ترین تھے اور اپنے بھائیوں میں سب سے کامل، خوبصورت ترین اور سب سے زیادہ پاک دامن اور قریش کے پسندیدہ ترین نوجوان تھے"۔(7)

مذکورہ اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار سے بھی آراستہ تھے۔ اسی وجہ سے وہ تمام بہن بھائیوں میں اپنے والد کی سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ترین اولاد بن گئے تھے۔ پھر حضرت عبد اللہ کی ایک اور خصوصیت بھی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ صرف اپنے والد کے محبوب فرزند تھے بلکہ اپنے بہن بھائیوں، قبیلہ قریش اور اوراس سے باہر بھی جانے جاتے تھے اور نہایت ممتاز ہو گئے تھے۔ اور یہ ایسی خصوصیت ہے جو بعد میں بھی ہمیشہ یاد رکھی گئی اور خود

---

(5) سنن ابی داود، حدیث:4950۔

(6) دلائل النبوۃ: ج 1، ص 133۔

(7) الحلبی، علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج 1، ص 48، دار الکتب العلمیہ - بیروت، ط2، 1427ھ۔

رسول اللہ ﷺ نے اس پر فخر فرمایا۔ اور وہ خصوصیت ہے حضرت عبد اللہ کا نہ صرف قریش بلکہ تمام عرب کے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح "ذبیح" قرار پانا۔

ذبیح ثانی

جناب عبد اللہ کے ذبح کا واقعہ کیوں پیش آیا؟ اس حوالے سے کتب سیرت میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت[8] یہ ہے کہ آپ کے والد عبد المطلب نے جب زمزم کے کنویں کو تلاش کرنے اور اسے پھر سے لوگوں کیلئے قابل استعمال بنانے کا ارادہ اپنے ایک خواب کے نتیجے میں کیا تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر میں اس نیک مقصد میں کامیاب ہو گیا تو اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو اللہ کے راہ میں قربان کروں گا۔ ایک دوسری روایت[9] میں ہے کہ عدی بن نوفل بن عبد مناف نے عبد المطلب کو قلت اولاد کا طعنہ دیا۔ اس پر آپ نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے انہیں دس بیٹے عطا کئے تو وہ ان میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔

تیسری روایت[10] یہ ہے (اور غالباً یہی صحیح بھی ہے) کہ حضرت عبد المطلب نے جب قریش کی مخالفت کے باوجود زمزم کی تلاش شروع کر دی تو قریش نے انہیں بہت ستایا اور بات لڑائی جھگڑے تک پہنچ گئی۔ ان کے اکلوتے اور سب سے بڑے بیٹے حارث نے اس کام میں اپنے والد کا ساتھ دیا اور ان کی حفاظت بھی کی۔ اس وقت جناب عبد المطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے انہیں دس بیٹے دیئے اور وہ جوان ہو کر ان کا دست و بازو بنے تو وہ ان میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

چنانچہ جب اللہ نے انہیں حضرت اسماعیل کی یادگار زمزم کی دریافت کے بعد دس بیٹوں کی نعمت سے نواز دیا اور وہ سب کے سب جوان بھی ہو گئے تو جناب عبد المطلب کو اپنی نذر پورا کرنے اور حضرت ابراہیم کی سنت "ذبح" کو زندہ کرنے کا خیال ہوا۔

---

(8) مستدرک حاکم، حدیث:4036۔

(9) سبل الہدیٰ والرشاد: ج1، ص244۔

(10) سیرۃ ابن ہشام: ج1، ص151۔

یہ بات انہوں نے اپنے بیٹوں کے سامنے رکھی اور اپنے نذر پورا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سب نے والد سے کہا کہ آپ اپنی نذ کو پورا کیجئے، ہم حاضر ہیں۔ کتبِ سیرت میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جناب عبد اللہ نے اس معاملے میں اطاعت ظاہر کی۔ بھائیوں کے جذبے کو دیکھتے ہوئے کسی ایک کو قربانی کیلئے منتخب کرنے کی خاطر قرعہ ڈالا گیا، تو یہ قرعۂ سعادت جناب عبد اللہ کے نام نکلا۔ پھر دوبارہ اور سہ بارہ بھی قرعہ ڈالا گیا مگر تینوں مرتبہ قرعہ آپ کے محبوب ترین بیٹے حضرت عبد اللہ کے نام ہی نکلا۔ چنانچہ عبد المطلب نے انہیں لیا اور چھری لے کر قریش کی قربان گاہ میں لے گئے اور انہیں ذبح کیلئے لٹا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ حضرت عبد اللہ کے ننھیال بنو مخزوم آگے بڑھے اور جناب عبد المطلب کو اس کام سے روکا اور کہا کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے، آپ چاہیں تو ہم عبد اللہ کی جگہ اپنے مالوں سے فدیہ دینے کو تیار ہیں،[11] قریش کے دیگر لوگوں نے کہا کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو آئندہ یہ سنت چل پڑے گی اور قریش اپنی اولادوں کو یوں ہی ذبح کرنے لگیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کے بھائی حضرت عباس نے آپ کو بچایا۔

اس کے بعد قریش کے سرداروں نے جناب عبد المطلب کو مشورہ دیا کہ حجاز میں فلاں مشہور کاہنہ کے پاس چلے جائیں (جسے سب مانتے تھے)۔ پھر وہ جو فیصلہ کرے اور اس نذر کو پورا کرنے کا جو طریقہ بتائے، اس پر عمل کر لیجئے، اور اگر وہ اسی بیٹے کو ذبح کرنے کا کہے تو پھر آپ کو ایسا کرنے کی اجازت ہو گی۔ چنانچہ یہ لوگ کاہنہ کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ کل میرے پاس آؤ تا کہ میں اپنے ہمزاد سے پوچھ کر تمہیں بتا سکوں۔ یہ لوگ چلے آئے اور اگلے دن پھر اس کے پاس حاضر ہوئے۔ اس نے کہا کہ تمہارے بارے میں مجھے بتا دیا گیا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارے مابین ایک آدمی کی دیت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا دس اونٹ۔ اس نے کہا تم دس اونٹوں اور عبد اللہ کے مابین تیروں سے قرعہ نکالو۔ اگر قرعہ عبد اللہ کے نام نکلے تو دس اونٹ مزید بڑھا دو اور پھر قرعہ ڈالو اور ایسے ہی کرتے رہو اور اونٹوں کی تعداد دس دس کے حساب سے بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ قرعہ جناب عبد اللہ کے نام نکلے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہاں تک کہ جب تعداد سو تک پہنچی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ قریش نے عبد المطلب سے کہا کہ آپ یہ سو اونٹ قربان کر دیں تو یقیناً آپ اپنے رب کی رضا حاصل کر لیں گے۔ جناب عبد المطلب بولے کہ اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا، جب تک کہ میں مزید تین مرتبہ قرعہ ڈال کر

---

(11) سیرۃ ابن ہشام: ج 1، ص 154۔

اطمینان نہ حاصل کرلوں۔ چنانچہ تین مرتبہ مزید قرعہ ڈالا گیااور تینوں مرتبہ وہ سواونٹوں کے نام ہی نکلا۔ اب عبد المطلب کو اطمینان ہو گیااور انہوں نے اپنے محبوب بیٹے عبد اللہ کی جگہ سواونٹ خدا کی راہ میں قربان کئے اور انہیں ہر ایک کیلئے عام کر دیا گیا۔

روایات میں ہے کہ انسانوں، جانوروں اور پرندوں میں سے کسی کو بھی ان کا گوشت لے جانے سے نہیں روکا گیا۔ اس کے بعد قریش میں ایک آدمی کی دیت ہمیشہ سواونٹ رہی وگرنہ اس سے قبل عرب میں دس اونٹ دیت کا رواج تھا۔ دین اسلام نے بھی سواونٹ دیت کو برقرار رکھا۔[12]

یہ ہے وہ واقعہ جس نے جناب عبد اللہ کو اپنے بھائیوں میں بالخصوص اور تمام قریش میں بالعموم ایک خاص شہرت عطا کی تھی اور اسی پر خود حضرت رسالت مآب ﷺ نے بھی فخر فرمایا ہے اور خود فرمایا: "میں ذبیحین کا بیٹا ہوں۔"[13] ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ کی مجلس میں لوگ اس پر بحث کر رہے تھے کہ "ذبیح" کون ہے؟ حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے ایک باخبر آدمی کے سامنے یہ بحث چھیڑی ہے۔ فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے آپ ﷺ کو "یاابن الذبیحین" (یعنی اے دو ذبح کئے جانے والوں کے بیٹے)، کہہ کر مخاطب کیا اور پھر اس نے اپنی حاجت بیان کی۔ آپ ﷺ مسکرا دیئے اور اسے کچھ نہیں کہا۔ پھر حضرت معاویہ نے لوگوں کے سوال کرنے پر بتایا کہ پہلے ذبیح حضرت اسماعیل تھے اور دوسرے آپ ﷺ کے والد گرامی حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب۔[14]

جناب عبد اللہ کے چہرے پر نورِ نبوی کے آثار

ظاہری حسن وجمال کے ساتھ ساتھ جناب عبد اللہ کے چہرہ پر نورِ نبوی کے آثار بھی عیاں تھے جو ان کے حسن میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی نظروں میں انہیں بہت زیادہ اہمیت کا حامل بنا دیتا تھا جو یہ جانتے تھے کہ یہ زمانہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا ہے اور یہ کہ وہ نبی قریش میں سے ہی ہو گا اور اس طرح کی

---

(12) الطبقات الکبری، ج1، ص72۔

(13) مستدرک حاکم، حدیث:4048۔

(14) ایضاً، حدیث:4036۔

دیگر معلومات، نورِ نبوی کی روایات کتب سیرت میں کئی طرح سے آئی ہیں اور تقریباً تمام ضعیف ہیں۔ مگر ضعیف روایت جب کئی سندوں کے ساتھ نقل کی جائے تو وہ بہت حد تک قابلِ اعتبار قرار پاتی ہے۔

ایک روایت[15] میں ہے کہ واقعہ نذر و ذبح کے بعد جب جناب عبد المطلب حضرت عبد اللہ کو لے کر جا رہے تھے تو راستے میں اس زمانے کے بہت بڑے عالم و دانا اور کتب سابقہ کا علم رکھنے والے ورقہ بن نوفل کی بہن نے (جس کا نام بعض نے فاطمة بنت مُر الخثعمیّة لکھا ہے) جناب عبد اللہ کے چہرے پر نورِ نبوت کے واضح آثار دیکھے۔ چونکہ وہ اپنے بھائی سے اس بارے میں کافی تفصیلات سن چکی تھیں، لہٰذا اس نے حضرت عبد اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے عبد اللہ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اپنے والد کے ساتھ، تو اس نے کہا کہ میں آپ کو اتنے اونٹ دوں گی جتنے آپ کے فدیہ کے طور پر ذبح کئے گئے ہیں۔ آپ ابھی میرے ساتھ آیئے۔ جناب عبد اللہ نے کہا کہ میں حرام سے بچتا ہوں اور رہا شادی کا معاملہ تو اس کا فیصلہ میرے والد کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "میرے نسب میں آنے والے آباو اجداد میں سے کوئی کبھی زنا پر جمع نہیں ہوا،"[16] یعنی ہمیشہ اس زمانے کے مروج طریقہ پر نکاح کے ساتھ ہی ایک دوسرے سے تعلق قائم کیا۔

حضرت آمنہ سے شادی کے بعد جناب عبد اللہ کی ملاقات دوبارہ ورقہ بن نوفل کی بہن سے ہوئی تو حضرت عبد اللہ نے نکاح کی بات چلادی۔ اس پر اس نے کہا کہ اب میں آپ سے شادی کیلئے تیار نہیں۔ پہلے اس وجہ سے آپ کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی کہ آپ کی آنکھوں کے درمیان ایک خاص قسم کا نور پھوٹتے ہوئے دیکھا تھا جو اب نہیں ہے، اس لئے اب مجھے اس کی آرزو نہیں۔

---

(15) سیرۃ ابن ہشام: ج 1، ص 156-157۔ اس روایت کو ابو نعیم نے "دلائل النبوۃ" میں چار مختلف طریق سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے "دلائل النبوۃ" (ج 1، ص 131 ومابعد)۔ مولانا ادریس کاندھلوی جو ماہر علم حدیث بھی تھے اپنی کتاب "سیرت مصطفیٰ" میں ابو نعیم کے حوالے سے اسی روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "مختلف طریقوں سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، چہ جائیکہ جس روایت کے صرف بعض روای ضعیف ہوں اور وہ روایت مختلف طریقوں سے بھی مروی ہو اس کے مقبول اور معتبر ہونے میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔" (سیرت مصطفیٰ ج 1، ص 52، مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور)۔

اس کے علاوہ بھی کئی خواتین کا ذکر کتب سیرت میں موجود ہے جنہوں نے حضرت آمنہ سے شادی سے قبل جناب عبد اللہ کو شادی کی پیشکش کی مگر سیدہ آمنہ سے شادی کے بعد وہ کہنے لگیں کہ اب آپ کی پیشانی میں وہ نور نظر نہیں آرہا جس کی وجہ سے ہم آپ کے ساتھ شادی کی آرزو کرتی تھیں۔

سیرت کی بعض کمزور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبد اللہ اپنے ظاہری حسن وجمال، خاندانی عظمت وشرافت، ذبیح ثانی ہونے کے ساتھ ساتھ نورِ نبوت کے حامل ہونے کی وجہ سے قریش کی خواتین کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے، ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ عبد اللہ کی زوجہ بنے، یہی وجہ ہے کہ جب جناب عبد اللہ کی شادی حضرت آمنہ سے ہوگئی تو قریش کے تمام قبائل بنو مخزوم، بنو عبد شمس اور بنو مناف وغیرہ میں سے کوئی دوشیزہ ایسی نہ تھی جو اس غم کی وجہ سے بیمار نہ پڑ گئی ہو کہ اس کی شادی جناب عبد اللہ سے کیوں نہ ہو سکی۔(17)

سیدہ آمنہ کی شادی جناب عبد اللہ کے ساتھ

ماقبل میں ذکر کردہ تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب عبد المطلب ایک خاص وجہ سے بنو ہاشم کا تعلق بنو زہرہ سے قائم کرنا چاہتے تھے اور وہ تھا بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے ملاپ سے آنے والے نبی کا مبارک جنم اور وجود۔ اس سلسلے میں یمن کے یہودی عالم کا واقعہ ماقبل میں نقل کیا گیا، اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ امام سہیلی نے بھی ذکر کیا ہے، سہیلی حضرت عبد اللہ کی سیدہ آمنہ سے شادی کے بیان کے بالکل شروع میں اس واقعے کو لائے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "عبد المطلب یمن میں آیا کرتے تھے اور یہاں ایک رئیس کے ہاں قیام کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ یمن آئے تو جس رئیس کے پاس انہوں نے قیام کیا، اس کے پاس ایک آدمی بیٹھا تھا، وہ قدیم آسمانی کتب پڑھتا رہتا تھا، اس نے جناب عبد المطلب سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے ناک کے نتھنوں کو دیکھ

---

(16) القاضی، الیحصبی، عیاض بن موسیٰ بن عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفی، ج1، ص183، دار الفیحاء-عمان، ط2، 1407ھ۔

(17) سیرت حلبیہ، ج1، ص58۔

لوں۔ انہوں نے کہا کہ دیکھ لو۔ دیکھنے کے بعد اس نے کہا کہ مجھے نبوت اور بادشاہت نظر آرہی ہے، اور یہ نبوت اور بادشاہت میں دو منافوں کے درمیان دیکھتا ہوں، عبد مناف بن قصی اور عبد مناف بن زہرہ۔ چنانچہ جب عبد المطلب یمن سے واپس آئے تو اپنے بیٹے عبد اللہ کی شادی سیدہ آمنہ سے کر دی۔"(18)

عبد مناف بن قصی عبد المطلب کے دادا تھے اور ہاشم کے والد تھے، یعنی جناب عبد اللہ کے پڑدادا، اور عبد مناف بن زہرہ سیدہ آمنہ کے والد وہب کے والد کا نام ہے یعنی حضرت آمنہ کے دادا، یہ دونوں مناف باہم چچازاد بھائی ہیں انہیں "منافان" کہا جاتا تھا۔ اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ علامہ حلبی نے ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"وہ بات جس نے عبد المطلب کو اپنے بیٹے عبد اللہ کیلئے بنو زہرہ کی خاتون سیدہ آمنہ کے انتخاب پر آمادہ کیا، یہ تھی کہ سودہ بنت زہرہ حضرت آمنہ کے والد وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی پھوپھی کاہنہ تھیں۔ وہ جب پیدا ہوئیں تو ان کی آنکھیں نیلی تھیں اور رنگ کالا تھا۔ عرب ایسی بچیوں کو دفن کر دیتے تھے، چنانچہ ان کے والد نے انہیں دفن کرنے کا ارادہ کیا۔ جب ان کیلئے قبر کھودنے والے نے قبر کھودنا شروع کی تو اسے غیب سے آواز آئی کہ اس بچی کو دفن مت کرنا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا، وہ پھر کھودنا شروع ہو گیا۔ پھر وہی آواز سنائی دی، اس نے یہ واقعہ بچی کے والد کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ اسے دفن نہ کرو، میرا خیال ہے اس کا کوئی خاص مقام ہو گا۔ چنانچہ وہ قریش کی کاہنہ بنی، اس کی کہانت اور قیافہ شناسی ہمیشہ درست ہوتی تھی۔

اسی سودہ نے ایک دن بنو زہرہ کو کہا کہ تم میں کوئی نذیرہ (خدا سے ڈرانے والی) ہے یا نذیر (خدا سے ڈرانے والے) کو جنم دینے والی ہے۔ لہٰذا تم اپنی بیٹیاں میرے سامنے لاؤ تاکہ میں دیکھ کر فیصلہ کر سکوں کہ وہ کون ہے۔ لوگوں نے اپنی اپنی بیٹیاں پیش کیں۔ اس نے ہر ایک کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہا جو کہ کچھ ہی مدت میں بالکل ویسے ہی ظاہر ہوا جیسا کہ اس نے کہا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس

---

(18) الروض الانف، ج 1، ص 274۔

کے سامنے حضرت آمنہ کو پیش کیا گیا تو اس نے کہا کہ یہی وہ نذیرہ ہے جو ایسے نذیر کو جنم دے گی جو بڑی شان والا اور واضح دلیل والا ہو گا۔"(19)

اسی طرح کے واقعات اگرچہ مضبوط سند کے ساتھ مروی نہیں لیکن ہمارے پاس ان کو رد کرنے کی بھی کوئی وجہ موجود نہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی بات بھی قابل ذکر ہے۔ وہ حضرت آمنہ والدہ ماجدہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے اپنی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں:

"بنو زہرہ میں حضرت عبداللہ کی شادی کوئی سطحی یا وقتی حوادث کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ رشتۂ ازدواج ایک تو ازل سے طے تھا۔ قدرتِ ربانی کا طے شدہ نظام تھا اور اللہ تعالیٰ کے علم و تدبیر اور تحفظ و نگرانی کے مطابق نور مصطفی ﷺ کو اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں تحول و انتقال کے مراحل طے کرنا تھے۔"(20)

جناب عبدالمطلب نے انہی پیش گوئیوں اور مخصوص حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اس فضیلت کو ہر قیمت پر بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے مابین رکھنے کیلئے خود بھی بنو زہرہ میں نکاح کیا اور اپنے سب سے لاڈلے اور چہیتے بیٹے عبداللہ کو بھی بنو زہرہ سے شادی کروائی۔ چنانچہ اپنی نذر کو پورا کرنے کے سلسلے میں سو اونٹوں کی قربانی سے فراغت پاکر آپ اس کام کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے بیٹے عبداللہ کو لے کر بنو زہرہ کے مشہور سردار وہیب کے گھر گئے۔ وہیب کے گھر میں دو بیٹیاں تھیں، ایک ان کی اپنی بیٹی ہالہ اور دوسرے ان کے فوت شدہ بھائی وہب کی بیٹی آمنہ جو انہی کے زیر کفالت و زیر تربیت تھی۔ جناب عبدالمطلب نے عبداللہ کیلئے سیدہ آمنہ کا ہاتھ مانگا اور ساتھ ہی اپنے لئے وہیب کی بیٹی ہالہ کا ہاتھ مانگا، وہیب نے عبدالمطلب کی خاندانی عظمت و وقار اور ان کی ذاتی وجاہت کے پیش نظر ان دونوں رشتوں کو قبول کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں کی اور ہاں کر دی۔

منگنی کی اسی مجلس میں نکاح بھی ہو گیا۔ عرب کے رواج کے مطابق حضرت عبداللہ نکاح کے بعد کچھ دن سسرال میں ہی ٹھہرے۔ ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کیلئے تیار ہو گیا جس

---

(19) سیرت حلبیہ، ج 1، ص 68۔

(20) والدہ ماجدہ سیدنا محمد ﷺ، ص 150، ضیاء القرآن پبلی کیشنز-لاہور، ط 2007ء۔

کے ساتھ جناب عبد اللہ کو بھی جانا تھا، چنانچہ وہ نہایت مختصر وقت ہی اپنی اہلیہ کے ساتھ گزار پائے اور پھر تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہو گئے۔

جناب عبد اللہ کا سفر

شادی کے بعد جناب عبد اللہ عرب کے رواج کے مطابق تین دن اپنے سسرال میں حضرت آمنہ کے گھر ہی ٹھہرے۔ کتب سیرت میں لکھا ہے کہ عربوں میں یہ رواج عام تھا،[21] اس کے بعد حضرت عبد اللہ کو سفر درپیش ہوا اور پھر اسی سفر میں ان کی وفات ہوئی۔ جناب عبد اللہ کی سیدہ آمنہ کے ساتھ رفاقت مختصر تھی جو محض چند دنوں پر محیط تھی۔ یہ کل کتنے دن بنتے ہیں، اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے تین دن، بعض نے سات دن، اور زیادہ سے زیادہ دس دن کا قول ملتا ہے۔[22]

اس کے بعد جناب عبد اللہ سفر پر روانہ ہوئے، یہ سفر عام کتب سیرت کے مطابق قریش کے قافلۂ تجارت کے ساتھ شام کی جانب تھا اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ اسی کی تفصیل آئندہ درج کی جائے گی، لیکن بعض روایات کے مطابق یہ سفر یثرب (مدینہ) کی جانب اپنے اہل عیال کیلئے کھجوریں لانے کی غرض سے تھا، چنانچہ ابن سید الناس اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "ابن وہب نے یونس سے اور انہوں نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ جناب عبد المطلب نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو یثرب سے کھجوریں لانے کی غرض سے بھیجا، پس وہیں پر ان کا انتقال ہو گیا، اس حال میں کہ وہ جوان تھے اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔"[23]

---

(21) ابن سید الناس، محمد بن محمد بن محمد (متوفی 734ھ)، عیون الاثر، ج1، ص30، دار القلم - بیروت، ط1، 1414ھ 1993ء۔

(22) بنت الشاطی، الدکتورۃ، عائشہ عبد الرحمٰن المصریہ، أم النبي، ص88، دار الہلال۔ س-ن۔

(23) عیون الاثر، ج1، ص32۔

اس روایت سے واضح ہے کہ شادی کے بعد جناب عبد اللہ کا سفر مدینہ کے جانب تھا، اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت اپنے والد جناب عبد اللہ کی حیات مبارکہ میں ہو چکی تھی۔ اس حوالے سے مستقل بحث آئندہ صفحات میں آئے گی۔

جناب عبد اللہ کے سفر کے متعلق واقدی وغیرہ ماہرین سیر نے ترجیح اس بات کو دی ہے کہ جناب عبد اللہ کے والد عبد المطلب چونکہ تجارت پیشہ تھے اور اپنے والد ہاشم کے زمانے سے ہی تجارتی قافلوں کے ساتھ جایا کرتے تھے، اس مرتبہ انہوں نے شام کے تجارتی قافلے کے ساتھ جانے کیلئے اپنے ہونہار بیٹے عبد اللہ کا انتخاب کیا۔ اس قافلے کو شام کے شہر غزہ کی طرف جانا تھا جہاں جناب عبد اللہ کے دادا ہاشم بھی تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے اور ان کا انتقال بھی تجارتی سفر کے دوران شام کے اسی شہر میں ہوا تھا۔

جناب عبد اللہ شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے اور شام کے شہر غزہ میں کامیاب تجارتی سرگرمیوں کے بعد مدینہ منورہ کے راستے واپسی فرمائی۔ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی جناب عبد اللہ کی طبیعت ناساز تھی مگر مدینہ میں پہنچ کر بیماری نے شدت اختیار کرلی اور وہ مزید سفر سے قاصر ہو گئے۔ شدتِ مرض کی وجہ سے انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ میں مدینہ میں ہی اپنے والد کے ننھیالی خاندان بنو عدی بن نجار کے پاس ٹھہرتا ہوں، آپ لوگ سفر جاری رکھئے۔ چنانچہ قافلے والے جناب عبد اللہ کو وہیں چھوڑ کر مکہ واپس لوٹ آئے۔

قافلے کے مکہ کیلئے روانہ ہونے کے بعد جناب عبد اللہ ایک ماہ تک شدید بیمار رہے اور پھر اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ ادھر قافلہ مکہ پہنچا اور انہوں نے جناب عبد المطلب، جناب عبد اللہ کے بھائیوں اور خاندان والوں کو ان کی بیماری کے بارے میں اطلاع دی اور بتایا کہ ان کی بیماری کی شدت کی وجہ سے ہم انہیں یثرب ہی میں چھوڑ آئے ہیں۔ جناب عبد المطلب نے فوراً اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو جناب عبد اللہ کی خبر گیری کیلئے روانہ کیا مگر ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی عبد اللہ وفات پا چکے تھے۔ حارث نے مکہ مکرمہ واپس آکر والد، بھائیوں اور خاندان والوں کے عبد اللہ کی وفات کی اطلاع دی۔ تمام خاندان والوں کو اس خبر سے شدید صدمہ لاحق ہوا۔

جناب عبد اللہ کی وفات اور ان کی قبر

جناب عبد اللہ بیماری کی حالت میں اپنے والد کے ننھیال بنو عدی بن نجار میں قیام پذیر رہے مگر جانبر نہ ہو سکے۔ اپنے دادا ہاشم کی طرح حالتِ سفر ہی میں انتقال فرمایا۔ اس مرتبہ ان کا کوئی فدیہ قبول نہ کیا گیا۔ ادھر آپ کی اہلیہ سیدہ آمنہ امید سے تھیں، اس حالت میں جب انہیں اپنے شوہر کے انتقال کی خبر ملی ہو گی تو ان کے غم کی کیا کیفیت ہو گی؟ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر مزید یہ کہ شوہر کے ساتھ آپ محض چند دن ہی گزار پائی تھیں اور پھر اس غم میں مزید اضافے کا سبب یہ بات بھی ہوئی ہو گی کہ اپنے امید سے ہونے کی خوشخبری وہ اپنے محبوب شوہر کو سنا پاتیں۔ اس غم بالائے غم کا اظہار اس مرثیہ سے ہوتا ہے جو سیّدہ آمنہ نے اپنے شوہر کی وفات پر کہا تھا۔

وفات کے وقت جناب عبد اللہ کی عمر کیا تھی؟ اس بارے میں کتب سیرت میں مختلف اقوال موجود ہیں۔ واقدی کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ وفات کے وقت جناب عبد اللہ کی عمر پچیس (25) سال تھی۔[24] ایک قول اٹھارہ (18) سال کا بھی ہے۔ حافظ علائی، حافظ ابن حجر اور امام سیوطی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ اس کے علاوہ، بہ وقت وفات جناب عبد اللہ کی عمر کے بارے میں اٹھائیس (28) اور تیس (30) سال کے اقوال بھی موجود ہیں۔[25]

حضرت آمنہ کا مرثیہ

جناب عبد اللہ کی وفات پر سیدہ آمنہ نے جو مرثیہ کہا وہ اعلیٰ عربی اسلوب بیان میں ہے جس کی ترجمانی اردو میں نہیں کی جا سکتی۔ لیکن زیر نظر کتاب چونکہ صرف اردو قارئین کیلئے لکھی گئی ہے اور اس میں کہیں بھی عربی عبارات درج نہیں کی گئیں، اس لئے ان اشعار کے بھی محض اردو ترجمے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

> "وادی بطحاء کا گوشہ ہاشم کے فرزند (عبد اللہ بن عبد المطلب) سے خالی اور ویران ہو گیا، اس نے وطن سے دور ڈراؤنی جگہوں کی ایک قبر میں بسیرا کر لیا ہے، موت نے انہیں پکارا تو انہوں نے اس کی پکار پر لبیک کہا، موت نے ہاشم کے بیٹے (یعنی

---

(24) سبل الہدیٰ والرشاد، ج 1، ص 331۔

(25) الطبقات الکبریٰ-ابن سعد، ج 1، ص 80۔

عبد اللہ) جیسا اب کوئی نہیں چھوڑا، پچھلے پہر لوگ ان کے جنازے کی چارپائی اٹھا کر چلے جارہے تھے، ان کے دوست انہیں باری باری کندھا دے رہے تھے، سو اگر موت اور اس کی سختی نے انہیں فنا کر دیا تو کیا ہوا؟! وہ تو بہت زیادہ دینے والے اور بہت زیادہ مہربان تھے۔"[26]

یہ کل چار اشعار ہیں جن کا ترجمہ کیا گیا ہے، نہایت اعلیٰ فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہونے کے ساتھ ساتھ سادگی اور حقیقت بیانی کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ بغیر کسی شاعرانہ مبالغہ آمیزی کے، نہایت سادگی کے ساتھ جناب عبد اللہ کے اوصافِ حمیدہ کو بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ کی قبر

وفات کے بعد جناب عبد اللہ کو بنو عدی بن نجار کے ایک شخص نابغہ الجعدی کے گھر کی چار دیوری میں دفن کیا گیا۔ کتب سیرت میں یہ "دارالنابغہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ دارنابغہ میں داخل ہوں تو بائیں جانب جناب عبد اللہ کی قبر ہے۔[27] رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ آپ کو اپنے والد کی قبر کی زیارت کیلئے چھ سال کی عمر میں جب مدینہ لے کر آئیں تو ایک ماہ تک اسی "دارنابغہ" میں قیام کیا تھا۔ سیدہ آمنہ کے سفر یثرب کے عنوان کے تحت اس کا تفصیلی تذکرہ کیا جائے گا۔ اس مقام پر بعد میں ایک مسجد تعمیر کی گئی جسے مسجد دارنابغہ کہا جاتا تھا۔ خود رسول ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی۔[28]

یہ مقام حرم نبوی کی مغربی جانب تھا اور اہل مدینہ کے ہاں مشہور مقام تھا۔ جدید توسیعات حرم نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے دوران (1976ء) اور اس کے بعد کے برسوں میں جب اس مقام کو اکھاڑنا ناگزیر ہو گیا تو داخلی احاطوں میں مدفون دیگر میتوں کے ساتھ ساتھ جناب عبد اللہ کے جسد اطہر کو بھی وہاں سے نکال کر جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ حیرت انگیز طور پر آپ کا جسد اطہر بالکل صحیح سالم اور تروتازہ

---

(26) عیون الاثر، ج1، ص32۔

(27) الطبقات الکبری، ج1، ص79۔

(28) السمہودی، ابو الحسن، علی بن عبد اللہ بن احمد (متوفی 911ھ) وفاء الوفا باخبار دار المصطفی، ج3، ص65، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط1، 1419ھ۔

تھا۔اس حوالے سے روزنامہ نوائے وقت کے پہلے صفحہ پر ایک خبر شائع ہوئی جس کا عنوان تھا "**صحابہ کرام کے اجسام آج بھی اپنی اصلی حالت میں ہیں**" خبر کی تفصیل اخبار میں یوں درج ہے:

> "کراچی 20 جنوری (پ ر): یہاں موصول ہونے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کا جسد مبارک جس کو تقریباً چودہ سو سال سے زیادہ گزرے ہیں، بالکل صحیح سالم حالت میں بر آمد ہوا۔ علاوہ ازیں صحابی رسول اللہ حضرت مالک بن انس کے علاوہ دیگر چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے ہیں، جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت واحترام کے ساتھ دفنایا گیا۔ جن لوگوں نے یہ منظر اپنے آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ اجسام کے چہرے نہایت تروتازہ اپنی اصلی حالت میں تھے۔"(29)

اس طرح کے بہت سے واقعات شام وعراق میں شہادت پاجانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے ماضی میں وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں، لیکن والد ماجد حضرت عبد اللہ کے حوالے سے یہ صورت حال اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کرلیتی ہے۔وجہ اس کی یہ ہے کہ صحابہ کرام کی عظمت بجائے خود ثابت ومسلم ہے۔مزید بر آں، عام طور پر دور دراز علاقوں میں جانے والے صحابہ کرام کی موت شہادت کی صورت میں ہوئی۔ شہداء کی میتوں کا بہت دیر تک اپنے اصلی حالت میں رہنا مسلمانوں کے عام مردوں میں بھی پایا جاتا ہے جس کے واقعات بکثرت پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر جناب عبد اللہ کی حیثیت اس سے مختلف ہے۔ان کے بارے میں تو امت میں آج تک یہ مباحث کی جاتی رہی ہیں کہ آیا وہ حالت شرک میں فوت ہوئے یا دین ابراہیمی پر؟ان کی نجات آخرت میں ہوگی یا نہیں؟

جناب عبد اللہ کے جسم اطہر کا اس حالت میں بر آمد ہونا ان لوگوں کیلئے بہت بڑی چیز ہے جو ان کے حالت شرک پر نہ مرنے اور آخرت میں ان کی نجات کے قائل ہیں اور ان لوگوں کیلئے لمحہ فکریہ ہے جو اس

---

(29) روزنامہ، نوائے وقت، 11 صفر المظفر 1398ھ، بمطابق 21 جنوری 1978ء، جلد 23، شمارہ 175۔

کے برخلاف نظریہ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ پر اپنی کتاب میں مذکورہ خبر ذرا مختلف انداز میں نقل کرنے کے بعد اس واقعے کے بعض عینی شاہدین کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ (30)

واقدی کے بیان کے مطابق سیدہ آمنہ نے جناب عبد اللہ کی وفات کے بعد کوئی شادی نہیں کی۔ (31) عربوں میں بیوہ کی شادی کے عام رواج کے برعکس، سیدہ آمنہ کا شادی نہ کرنا جہاں ان کے جناب عبد اللہ سے گہرے تعلق کو واضح کرتا ہے وہیں اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اپنے ہونے والے عظیم بچے کی محبت اور تعلق نے بھی انہیں اس سے روکے رکھا۔ وہ بچہ جس کے ایک عظیم بچہ ہونے کے آثار اور اس کے برکات ماں نے اس کے پیٹ میں آنے ہی محسوس کرنا شروع کر دیئے تھے۔

حضرت عبد اللہ کا ترکہ

جناب عبد اللہ کی وفات اپنے وطن سے دور مسافرت کی حالت میں ہوئی، اس کا صدمہ جہاں بوڑھے والد اور دیگر خاندان والوں کو ہوا ہو گا، سب سے زیادہ صدمہ آپ کی اہلیہ سیدہ آمنہ کو ہونا واضح ہے، خاص طور پر جبکہ وہ امید سے بھی تھیں۔ جناب عبد اللہ نے اپنی بیوہ اور ہونے والے عظیم بیٹے کیلئے کیا چھوڑا؟ یہ سوال اور اس کا جواب بھی سیرت سیدہ آمنہ ہی کا ایک حصہ ہے۔

مرنے والا جو کچھ پسماندگان کیلئے چھوڑ جاتا ہے اسے "ترکہ" کہتے ہیں۔ جناب عبد اللہ نے اپنے ترکے میں کیا چھوڑا؟ اس حوالے سے کتب سیرت میں عام طور پر تین چیزوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک باندی جن کی کنیت ام ایمن اور نام برکہ تھا۔ غلام اور باندیوں کو اس وقت مال تصور کیا جاتا تھا اور ان میں وراثت بھی جاری ہوتی تھی۔ یہ وہی ام ایمن ہیں جنہوں نے پیدائش سے وفات تک رسول اللہ ﷺ کی بطور ماں خدمت کی۔ خود رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ام ایمن میری ماں کی جگہ ہیں۔ والد ماجد کی وفات کے بعد جب آپ ﷺ کی والدہ سیدہ آمنہ آپ کو مدینہ منورہ لے گئیں اور واپسی پر مکہ کے راستہ میں ان کا انتقال ہو گیا تو یہی ام ایمن آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ (اُمِّ ایمن کا تفصیلی تذکرہ اسی کتاب کے دوسرے باب میں تفصیل کے

---

(30) والدہ ماجدہ محمد ﷺ، ص 165۔

(31) سبل الہدیٰ والرشاد، ج 1، ص 331۔

ساتھ کیا جائے گا۔) دوسری چیز جس کا تذکرہ جناب عبد اللہ کے ترکے میں آیا ہے، وہ پانچ اراک کھانے والے اونٹ (أجمال أوارک) [32] اور ایک بکریوں کا ریوڑ (قطعة غنم) ہے۔ [33]

جناب عبد اللہ ایک تجارت پیشہ خوشحال اور متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس لئے یقیناً ترکے کا مال اس سے کہیں زیادہ رہا ہو گا مگر کتبِ سیرت اور سیرتی روایات میں یہی چیزیں محفوظ ہو سکی ہیں۔ زمانہ قریب کے مشہور محقق اور صاحبِ طرز سیرت نگار پروفیسر یاسین مظہر صدیقی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب "معاشِ نبوی ﷺ" میں کئی کتب سیرت وحدیث کے حوالے دے کر ثابت کیا ہے کہ خاندانی ترکے میں آپ صلی ﷺ وسلم کو مذکورہ تین چیزوں کے علاوہ ایک مکان بھی ملا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "ان تمام بیانات وروایات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہو گا کہ آپ ﷺ کو ایک مکان ترکہ میں ملا تھا جس کے آپ ﷺ مالک تھے اور غالباً تا ہجرت اسی میں قیام فرما رہے۔" [34]

جیسا کہ جناب عبد اللہ کی وفات کے تحت لکھا گیا، وہ تجارتی سفر کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے اور وفات کے وقت ان کی عمر پچیس سال تھی۔ پروفیسر صدیقی اس حوالے سے لکھتے ہیں: "عبد اللہ اپنی وفات کے قریب جب کہ وہ پچیس سال کے تھے، ایک ابھرتے ہوئے تاجر بن چکے تھے۔" اسی لئے مقامی تجارت سے بڑھ کر بیرونی تجارت میں حصہ لینے لگے تھے۔ مزید لکھتے ہیں: "شامی تجارت میں حصہ لینے کی بنا

---

(32) اونٹ یا اونٹنی جب اراک (ایک کانٹے دار صحرائی بوٹی جسے اردو میں پیلو کہا جاتا ہے) کھانے لگتا تھا تو عرب ایسے اونٹ کو "آرک" کہا کرتے تھے اور اس کی جمع "أوارک" ہے، بہترین دودھ اراک کھانے والی اونٹنی کا سمجھا جاتا تھا۔ دیکھئے: ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم بن علی، متوفی (711ھ) "لسان العرب"، ج10، ص389، دار صادر- بیروت، ط3، 1414ھ۔

(33) الطبقات الکبری، ج1، ص80۔ ابن سعد کے ہاں اور دیگر کئی کتب سیرت میں "قطعة غنم" ہی کے الفاظ ہیں مگر ابو نعیم کے ہاں "دلائل النبوة" (ج1، ص164) میں "قطيعة غنم" کے الفاظ آئے ہیں اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

(34) پروفیسر، صدیقی، محمد یاسین مظہر، معاشِ نبوی، ص:25-26، کتب خانہ سیرت- کراچی، ط1، 2015ء۔

پر ان کو ایک خوشحال تاجر کہا جا سکتا ہے۔"[35] اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس آخری مال تجارت کا نفع آپ کی بیوہ اور ہونے والے یتیم بچے کو نہ ملا ہو۔

طبقات ابن سعد کی ایک روایت کے حوالے سے پروفیسر صدیقی نے لکھا ہے: "آپ ﷺ کے پاس ہجرت مدینہ کے وقت ایک تلوار تھی جو آپ ﷺ کو اپنے والد گرامی سے ترکے میں ملی تھی،" یہ اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے والدین سے کچھ اسلحہ، جیسے تیر کمان، ڈھال وغیرہ اور گھریلو ضروری سامان بھی ترکے میں ملا جن کی تفصیلات بہر حال تحقیق طلب ہیں۔

---

(35) معاشِ نبوی، ص28۔

زمانۂ حمل اور اس میں پیش آمدہ غیر معمولی واقعات

جیسا کہ ذکر کیا گیا، جناب عبد اللہ محض چند دن ہی سیدہ آمنہ کے پاس ٹھہرے تھے کہ سفر پر جانا پڑا اور ادھر سیدہ آمنہ امید سے ہو گئیں۔ کتب سیرت میں زمانہ حمل کے بہت سے غیر معمولی واقعات ذکر کئے گئے ہیں جنہیں معجزات یا ارہاصات[1] کہا جاتا ہے، اور انہیں محفوظ کیا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں فطری انسانی حالات، دورانِ حمل شوہر کے بغیر سیدہ آمنہ نے یہ سارا وقت کیسے گزارا، انہیں اس میں کیا مشکلات پیش آئیں، کون لوگ ان کا سہارا بنے؟ یہ اور ایسے بہت سے دوسرے سوالات ہیں جن کے جواب میں کتبِ سیرت خاموش ہیں۔

بہر حال، ہم کوشش کریں گے کہ ایسی تمام روایات میں سے زیادہ قابل اعتماد روایات کو ذکر کریں۔ ابنِ اسحاق، ابنِ سعد اور بیہقی، تینوں کی روایات میں تقریباً ایک ہی جیسے الفاظ اور ایک مضمون کے ساتھ درج ذیل روایت آئی ہے:

> "سیدہ آمنہ خود فرمایا کرتی تھیں کہ جب میں حاملہ ہوئی تو مجھے کچھ پتا نہ چلا، نہ ہی مجھے ایسا کوئی بوجھ یا ایسی کوئی کیفیت لاحق ہوئی جو عام طور سے اس عرصے میں عورتوں کو لاحق ہوتی ہے، مجھے کچھ بھی ایسا محسوس نہیں ہوا، بس میرا حیض رک گیا جو مجھے عجیب لگا۔ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ میں نیند اور بیداری کے بیچ کی حالت میں تھی کہ ایک کہنے والے نے مجھ سے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ تو حاملہ ہو چکی ہے؟ میں نے کہا نہیں، میں نہیں جانتی۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ تو اس امت کے سردار اور اس امت کے نبی کے ساتھ حاملہ ہو چکی ہے، اور اس کی نشانی یہ ہو گی کہ جب یہ پیدا ہو گا تو اس کے ساتھ ایسا نور نکلے گا جو شام کی سرزمین میں بُصریٰ کے محلات کو روشنی سے بھر دے گا۔ پس جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ

---

(1) "ارہاصات" ارہاص کی جمع ہے، دعوائے نبوت کے بعد نبی کے ہاتھ پر امر خرقِ عادت (غیر معمولی) ظاہر ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور جو خوارق نبی کی ولادت کے قریب ظاہر ہوں وہ ارہاص کہلاتے ہیں، ارہاص کے معنی بنیاد کے ہیں، چونکہ اس قسم کے خوارق نبوت کے مبادی اور مقدمات ہوتے ہیں اس لیے ان کو ارہاص کہتے ہیں۔ (سیرت مصطفیٰ، ج 1، ص 55)۔

اس کے بعد مجھے اپنے امید سے ہونے کا یقین آیا"[2]

بعض روایات میں ہے کہ جناب آمنہ کو ابتداء میں حمل کا بوجھ محسوس ہوا۔ بظاہر نظر آنے والے اس تضاد کو اس طرح سے دور کیا گیا ہے کہ ابتداء میں تو بوجھ محسوس ہوا لیکن بعد میں نہیں ہوا[3]، جبکہ عام طور پر عورتوں میں اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ اس پر بھی اعتراض ہوتا ہے کہ ابتداء میں تو آپ کو حمل کا ہی پتا نہ چلا تو ثقل کیسا، اس کا جواب علامہ حلبی نے یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ "فرشتے کے حمل کے بارے میں بتانے کے بعد یہ بوجھ محسوس ہوا ہو۔"[4]

ابن سعد ہی کی روایت میں ہے کہ جناب آمنہ نے مذکورہ خواب کا ذکر جب خواتین سے کیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ اپنے اوپر اور اپنے سر پر اور اپنی گردن میں لوہے کی کوئی چیز لٹکا لو۔ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، مگر کچھ ہی دن گزرے تھے کہ وہ تمام چیزیں از خود میرے جسم سے الگ کر دی گئی تھیں، اس کے بعد میں نے ایسی کوئی چیز نہیں پہنی۔ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ کچھ عرصے بعد جب ولادت کا وقت قریب آیا تو پھر وہی خواب میں آنے والا شخص دوبارہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے ایک دم بتایا جسے میں پڑھتی رہتی تھی اور وہ یہ دم یہ تھا: "أُعِيذُه بِالوَاحِدْ، مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدْ"[5] میں اسے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں ہر حسد کرنے والے کے شر سے۔

دورانِ حمل سیدہ آمنہ کے جسم مبارک سے نور کے نکلنے کی تائید مستدرک حاکم کی ایک صحیح روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتایئے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

> "میں اپنے والد ابراہیم کی دعاؤں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، اور میری والدہ نے دیکھا، جب میں ان کے پیٹ میں تھا، کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا

---

(2) الطبقات الکبریٰ، ج 1، ص 78۔، سیرۃ ابن ہشام، ج 1، ص 158، دلائل النبوۃ للبیہقی، ج 1، ص 82۔

(3) سبل الہدیٰ والرشاد، ج 1، ص 328۔

(4) السیرۃ الحلبیہ، ج 1، ص 73۔

(5) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ۔ بحوالہ بالا۔

ہے جس سے شام کے علاقے بُصریٰ کے محلات روشن ہو گئے ہیں"۔[6]

اس نور کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت بھی کتب سیرت واحادیث میں آیا ہے، جیسا کہ آئندہ ولادت کے عنوان کے تحت ذکر کیا جائے گا۔ بعض کتب سیرت میں لکھا ہے کہ دونوں مواقع پر نور کا ظہور ہوا، اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں۔ بوقتِ حمل نور بصورت خواب سیدہ آمنہ کو دکھایا گیا جبکہ بوقتِ ولادت نور کا مشاہدہ سیدہ آمنہ نے کھلی آنکھوں سے کیا۔[7]

اس کے علاوہ قسطلانی نے "مواہب" میں اور زرقانی نے اس کی شرح میں بہت سے ایسے غیر معمولی واقعات بغیر سند کے ذکر کئے ہیں جنہیں یہاں نقل کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کتب سیرت میں یہ بحث بھی ہے کہ سیدہ آمنہ کے حمل کی ابتداء کس مہینے میں ہوئی؟ اسی بحث کا اثر پھر ولادت کے مہینے پر بھی پڑتا ہے اور اس بحث پر بھی کہ آپ ﷺ ماں کے پیٹ میں کتنے مہینے ٹھہرے؟ ان مباحث کو قصداً ترک کیا جارہا ہے کیونکہ ان کا تعلق سیرت سیدہ آمنہ سے زیادہ سیرت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے ہے۔

---

(6) مستدرک حاکم، حدیث:4174۔

(7) سبل الہدی والرشاد، ج1، ص330۔

سیدہ آمنہ کے ہاں عظیم بچے کی ولادت

بالآخر وہ وقت آن پہنچا جس کا انتظار ہر ماں کو ہوتا ہے۔ ہر ماں چاہتی ہے کہ وہ اس خوشی کو دیکھ پائے جس کا انتظار وہ ایک لمبا عرصہ کرتی ہے، اور پھر سیدہ آمنہ کے ہاں آنے والی خوشی تو بہت غیر معمولی تھی۔ اس کا انتظار صرف انہیں ہی نہیں بلکہ زمانے بھر کو تھا۔ ماں کو تو خواب کے ذریعے ہی بتلا دیا گیا تھا کہ ہونے والا بچہ عام بچہ نہیں۔ اس کے علاوہ خاندان والے جناب عبداللہ کی وفات کی وجہ سے سیدہ آمنہ کی تنہائی کو محسوس کرتے ہوئے یقیناً فکر مند ہوئے ہوں گے، خاص طور پر سیدہ آمنہ کے سسر اور ہونے والے بچے کے دادا کہ جن پر بیٹے کی غیر موجودگی کی وجہ سے ذمہ داری بڑھ گئی تھی، ان کی فکر مندی تو ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا کیونکہ وہ اپنی اس بہو کو بہت سی امیدوں پر خاندان بنو زہرہ سے اپنے سب سے پیارے اور چہیتے بیٹے کیلئے بیاہ کر لائے تھے اور اب شاید ان کی امیدوں کے بر آنے کا وقت آچکا تھا۔ مگر ان تمام خوشیوں کو دیکھنے کیلئے آپ کے لاڈلے بیٹے اور سیدہ آمنہ کے محبوب شوہر اس دنیا میں موجود نہیں تھے۔

ولادتِ مبارکہ کے بیان میں کتب سیرت میں بہت زیادہ تفصیلات اور مباحث موجود ہیں، مثلاً یہ کہ آپ ﷺ کی ولادت کا دن، مہینہ اور سال کیا ہے؟ ولادت کا مقام کون سا تھا؟ ولادت کی رات کیا غیر معمولی واقعات پیش آئے؟ ولادت کے بعد کیا آثار ظاہر ہوئے؟ ولادت کے بعد آپ ﷺ نے پہلا غیر معمولی کام کیا کیا؟ کیا آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے اور آپ کی نال کٹی ہوئی تھی؟ آپ ﷺ نے ماں کی گود میں کیا کلام کیا؟ ولادت مبارکہ پر ابلیس نے کیسے غم و غصے کا اظہار کیا؟ اور غائب سے کیا آوازیں سنی گئیں؟ آپ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کی خوشی میں جشن منانا اور اس کیلئے مخصوص طریقے اختیار کرنا کیسا ہے؟ یہ اور اس طرح کے بیسیوں مباحث سے کتب سیرت کے سینکڑوں صفحات بھرے پڑے ہیں اور ولادتِ باسعادت پر تو علماء نے مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔

ظاہر ہے ان تمام تفصیلات اور مباحث کے ذکر کرنے کا یہ محل نہیں اور نہ ہی ان تمام مباحث کا سیرت سیدہ آمنہ سے براہ راست کوئی تعلق ہے، اس لئے کوشش یہ کی گئی ہے کہ ولادتِ مبارکہ سے متعلق

صرف ایسی باتوں کو ذکر کیا جائے جن کا ایک واضح تعلق سیدہ آمنہ کی سیرت سے ہو اور وہ کسی نہ کسی درجے میں سیدہ آمنہ کی سیرت و کردار کو واضح کرتی ہوں، ماں ہونے کی حیثیت سے ان کی بچے کیلئے خدمات اور بچے کی پرورش کیلئے ان کی فکرمندی اور ایک ماں کے بچے کے ساتھ فطری تعلق کو واضح کرتی ہوں۔ اس سلسلے میں بھی صرف مستند ترین روایات کا ذکر کیا جائے۔

بچے کی ولادت کے وقت سب سے اہم یہ ہوتا ہے کہ ماں کے پاس بوقتِ ولادت کوئی سمجھدار خاتون موجود ہو۔ سیدہ آمنہ کے پاس اس موقعے پر کون موجود تھا؟ اس حوالے سے کتبِ سیرت میں کئی نام آئے ہیں جن میں سے ایک نام مشہور صحابیٔ رسول حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ شفاء بنت عوف رضی اللہ عنہا کا بھی ہے۔ حضرت شفاء بعد میں اسلام بھی لائیں اور ہجرت بھی کی۔ آپ حضرت آمنہ کے خاندان بنو زہرہ سے ہی تھیں۔[1] آپ نے ہی سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو ولادت کے بعد اپنے ہاتھوں میں لیا۔ دوسرا نام اس سلسلے میں حضرت فاطمہ بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا کا ہے جو مشہور صحابی عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔[2] ولادت کے وقت موجود خواتین میں ام ایمن رضی اللہ عنہا اور ثویبہ جو ابولہب کی باندی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ بھی تھیں، کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اپنی والدہ فاطمہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بیان کیا کرتی تھیں:

> "میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ کے پاس موجود تھی۔ میں نے دیکھا کہ گھر میں کوئی چیز ایسی نہیں تھی کہ جس کو میں نے دیکھا وہ نور سے منور تھی۔ میں نے ستاروں کو دیکھا، وہ زمین کے اس قدر قریب آگئے تھے کہ میں نے سمجھا میرے اوپر گرنے والے ہیں۔ پھر جب آمنہ بچے کو جن چکی تو اس کے نور سے پورا کمرہ روشن ہو گیا پھر وہ پورا گھر روشن ہو گیا اور مجھے نور کے علاوہ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔"[3]

---

(1) الاصابہ، ج8، ص203۔

(2) ایضاً، ج8، ص275۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ولادت کے وقت آپ کے موجود ہونے اور نور کے ملاحظہ کرنے اور ستاروں کے زمین کے قریب محسوس کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

(3) المعجم الکبیر، طبرانی، ج25، ص186۔

ابن سعد نے مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سیدہ آمنہ خود بیان فرماتی ہیں:

"جب میں نے اپنے بچے کو جنم دیا تو اس کے ساتھ ایک ایسا نور نکلا جس نے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا، اور اس نور نے شام کے محلات میرے لئے روشن کر دیئے، اور میں نے شام کے شہر بُصریٰ میں اونٹوں کی گردنوں کو اس روشنی میں دیکھا۔"(4)

ولادتِ مبارکہ کے وقت سیدہ آمنہ کے نور کا مشاہدہ کرنے اور اس نور کی وجہ سے شام کے محلات کے روشن ہونے کی روایات کثرت سے آئی ہیں اور اس قدر کثیر اسناد کے ساتھ ہیں کہ سب کو ملا کر دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر ان کا مضمون ثابت اور درست ہے۔(5) اس نور کے ظہور سے درحقیقت اشارہ ہے نورِ ہدایت کی طرف جس کا مقصد انسانیت کو کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور جنت کی روشن راہ پر آئندہ چلانا تھا۔

ولادتِ باسعادت کے وقت ظاہر ہونے والے نور کی بات اس وقت پورے خاندان میں پھیل گئی اور اسے خوب شہرت حاصل ہوئی۔ اس کا اندازہ ان اشعار سے بھی ہوتا ہے جو آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں، جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"آپ جب پیدا ہوئے تو زمین روشن ہو گئی اور تمام افق آپ کے نور سے چمکنے لگے، پس ہم اسی نور اور روشنی میں ہدایت کے راستوں پر دوڑے چلے جاتے ہیں۔"(6)

ایک اور خاص بات جو ولادت کے وقت پیش آئی اور خود حضرت آمنہ کے حوالے سے کتبِ سیرت میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ ولادت کے وقت کسی قسم کی کوئی گندگی جسد اطہر کے ساتھ نہیں تھی۔ چنانچہ ابن سعد ہی کی ایک اور روایت میں ہے جس کے راویوں کو علامہ یوسف شامی نے ثقہ قرار دیا ہے، کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں:

---

(4) الطبقات الکبریٰ، ج 1، ص 81 ومابعد۔

(5) دیکھئے: مسند احمد، حدیث: 17151، صحیح ابن حبان، حدیث: 6404۔ مستدرک حاکم کی روایت بھی ماقبل میں باحوالہ ذکر کی گئی ہے۔

(6) سبل الہدیٰ والرشاد، ج 1، ص 348۔

"میں نے اپنے بچے کو جنا، اس حالت میں کہ وہ بالکل صاف ستھرا تھا (عام بچوں کی طرح) اس پر کوئی گندگی نہیں تھی۔"(7)

یہ فطری اور طبعی امر ہے کہ جب کسی کے ہاں کوئی اولاد ہوتی ہے تو سب سے پہلے پاس موجود خواتین اور خوداں کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وقوع پذیر ہونے والی خوشی کی خبر سب سے پہلے اس کے والد کو دی جائے۔ مگر یہاں تو معاملہ یہ تھا کہ ہونے والے بچے کے والد ہی موجود نہیں تھے کہ انہیں اس کی اطلاع دی جائے۔ شاید والد کی جگہ دادا نے لے لی تھی، اسی لئے اس عظیم بچے کی ماں سیدہ آمنہ نے سب سے پہلے اس کے دادا کو خبر بھجوائی کہ انہیں اللہ نے بیٹا دیا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے ابن اسحاق کا بیان کچھ اس طرح سے ہے:

"جب آمنہ بچے کو جنم دے چکیں تو آپ کے دادا عبد المطلب کو پیغام بھجوایا کہ آپ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے، آپ تشریف لائیے اور اسے دیکھئے۔ چنانچہ وہ آئے اور بچے کو دیکھا، پھر حضرت آمنہ نے ان سے دوران حمل دیکھا گیا اپنا خواب بیان کیا کہ انہیں خواب میں کہا گیا تھا کہ بچے کا نام محمد یا احمد رکھنا۔"(8)

اس کے بعد ابن اسحاق مزید بیان کرتے ہیں کہ عبد المطلب بیٹے کو لے کر بیت اللہ میں چلے گئے اور اس نعمت پر خدا کا شکر ادا کیا اور اللہ سے خوب دعائیں مانگیں۔ آپ ﷺ کا نام والدہ نے رکھا یا دادا نے، اس حوالے سے مزید بحث آئندہ ایک عنوان کے تحت آئے گی۔

خوشخبریوں اور بشارتوں کی عقلی توجیہ

اکثر مسلم سیرت نگار، خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے ظاہر ہونے والے آثار کو ذکر کیا ہے۔ اسی طرح سیدہ آمنہ نے جن چیزوں کا مشاہدہ کیا اور جو چیزیں انہیں خواب میں دکھائی گئیں ان کا ذکر بھی کسی نہ کسی درجے میں سب کے ہاں ملتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں ان میں سے بعض مستند ترین چیزوں کا ذکر بھی کیا گیا مگر بعض جدید مسلم سیرت نگاروں اور اکثر مستشرقین نے ان

---

(7) ایضاً، ص342۔

(8) سیرۃ ابن ہشام، ج1، ص159-160۔

بشارات کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسی کسی قسم کی کوئی بشارات، ولادت سے قبل نہیں دی گئیں کہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہوں گے۔ ان کی والدہ نے نہ فرشتوں کو دیکھا اور نہ ہی کوئی ایسا غیر معمولی خواب دیکھا بلکہ جس طرح ہر عورت حمل کے بعد بچہ جنتی ہے، اسی طرح آپ کی والدہ نے بھی آپ کو جنا۔

اس نظریئے کو ایک تو اس لئے قبول نہیں کیا جاسکتا کہ ان بشارات کے سلسلے میں بہت سی روایات صحیح طور پر بھی ثابت ہیں جنہیں ماننا اور ان پر یقین رکھنا ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے۔ دوسرے ایسے خوابوں اور بشارات کو عقلی طور پر بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح ہر ماں جب وہ امید سے ہوتی ہے تو وہ اپنی فضا اور ماحول اور اپنی حیثیت کے مطابق اپنے بچے کیلئے بہت کچھ اچھا سوچتی ہے اور اسی سوچ و فکر کے نتیجے میں اسے اچھے خواب بھی آتے ہیں اور اس کا مشاہدہ ہم آئے روز اپنی زندگی میں کرتے رہتے ہیں۔ تو سیدہ آمنہ، جو حسب و نسب میں اپنے وقت کی عورتوں میں سب سے افضل و اعلیٰ تھیں، خدا کے عظیم گھر کے قرب و جوار میں پیدا ہوئیں اور پلی بڑھیں تھیں، مکہ کے حکمران اور متمول ترین خاندان سے ان کا تعلق تھا، کیا ان کا حق نہیں تھا کہ وہ اپنے بچے کیلئے بڑے خواب دیکھیں اور اعلیٰ مناصب کی تمنا کریں؟

ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن نے اس حوالے سے بہت عمدہ بحث کی ہے۔ وہ ایسے تمام لوگوں پر جو ولادت سے قبل پیش آنے والے واقعات کو غلط اور محض خرافات قرار دیتے ہیں شدید رد کرتی ہیں۔ سیدہ آمنہ نے ولادت سے قبل جو خواب دیکھے اور جو صحیح روایات میں آئے ہیں، خاص کر ان کے حوالے سے وہ لکھتی ہیں:

> "اگر نفسیات والوں سے پوچھا جائے تو وہ سیدہ آمنہ کے خوابوں کو خرافات قرار دینے کو ناپسند کریں گے، دراصل خرافات تو یہ ہیں کہ ہم سیدہ آمنہ کو ان کی بشریت اور مامتا کی آرزوؤں سے جدا کر رہے ہیں۔"(9)

پھر انہوں نے اس زمانے کے عرب معاشرے کی کئی خواتین کی مثالیں دی ہیں جنہوں نے دوران حمل اس بات کی آرزو کی کہ ان کی اولاد اپنی اپنی قوم کی سردار بنے، اور انہیں غیبی آواز کے ذریعے بتایا گیا کہ ان کا ہونے والا بچہ کیسا ہوگا۔ حاتم طائی کی والدہ کے بارے میں آتا ہے کہ غیب سے ایک آواز آئی اور ان سے پوچھا گیا: "کیا تمہیں ایک ایسا لڑکا پسندہ ہے جو بے حد سخی ہو، جس

---

(9) امّ النبی ﷺ، ص106۔

کانام حاتم ہو گا یا عام لوگوں کی طرح دس لڑکے، تو انہوں نے کہا نہیں مجھے ایک حاتم جیسا پسند ہے۔"
اس طرح کی تفصیلات دینے کے بعد وہ لکھتی ہیں:

> "سیدہ آمنہ بنو زہرہ کے سردار کی بیٹی تھیں، ان کی ولادت بیت اللہ کے پڑوس میں ہوئی تھی۔ اس کی عظمت کے پیش نظر بھی انہیں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ پھر ان کی شادی عبد اللہ بن عبد المطلب سے ہوئی تھی جن کی طرف سے سو اونٹ فدیہ دیئے گئے تھے۔ اسی طرح ان کے جدِّ اعلیٰ کے فدیہ کیلئے جنت سے مینڈھا بھیجا گیا تھا۔ کیا ان حالات میں ان کا یہ حق نہیں بنتا کہ وہ اس قسم کے خواب دیکھتیں اور اپنے ہونے والے بچے کے بارے میں بلند ارمان رکھتیں؟"(10)

---

(10) ایضاً۔ ص109۔

کیا ولادت کے وقت سیدہ آمنہ کے شوہر جناب عبد اللہ حیات تھے؟

سیدہ آمنہ کے شوہر نامدار اور حضرت رسالت مآب ﷺ کے والد گرامی کی وفات کے حوالے سے بحث اس سے قبل گزر چکی ہے۔ اسی بحث کے ضمن میں کتبِ سیرت میں ضمناً یہ بحث بھی آتی ہے کہ جناب عبد اللہ کی وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہو چکی تھی یا آپ ابھی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں تھے؟ اس سے پہلے یہ لکھا جا چکا ہے کہ جناب عبد اللہ شادی کے کچھ عرصے بعد ہی شام کے تجارتی سفر پر روانہ ہو گئے تھے اور اسی سفر سے واپسی پر بیماری کی وجہ سے یثرب میں ہی ٹھہر گئے تھے اور تقریباً ایک ماہ بیمار رہنے کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

شادی کے بعد جناب عبد اللہ کے گھر پر رہنے کی مدت، پھر سفر شام کی کل مدت، شام میں قیام کا دورانیہ، اسی طرح شام سے واپس یثرب تک کے سفر میں کل کتنا وقت لگا؟ ان سب تفصیلات کے متعلق کتب سیرت و تاریخ خاموش ہیں، صرف بیماری کی حالت میں مدینہ منورہ کے ایک ماہ کے قیام کی تصریح کتب سیرت میں آئی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی واضح ہے کہ جناب عبد اللہ شادی کے بعد بہت کم مدت کیلئے گھر پر ٹھہرے اور اسی قلیل مدت میں سیدہ آمنہ امید سے ہو گئیں۔ اس کے بعد جناب عبد اللہ کی وفات تک کے تمام اوقات کی تفصیلات اگر دیکھی جائیں تو یہ کسی طرح بعید نہیں کہ اپنے بیٹے کی ولادت کے وقت جناب عبد اللہ ابھی زندہ ہوں۔ شاید اسی وجہ سے کتب سیرت میں یہ بحث شامل ہو گئی ہے۔

یہاں یہ بات خیال میں رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے یتیم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم، پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی۔"(1) مشہور قول یہی ہے کہ آپ بحالت یتیمی پیدا ہوئے۔ اولین سیرت نگاروں میں ابن اسحاق وغیرہ نے یہی لکھا ہے۔ ابن ہشام نے بھی اس پر کوئی تبصرہ یا اضافہ نہیں کیا۔(2) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اس

---

(1) الضحیٰ (93):6۔ یہ واضح رہے کہ اس آیت کریمہ کی وجہ سے دوسرے قول کی بھی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ والد ماجد کی وفات اگر آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کے بعد بھی ہوئی ہو تو بھی یتیم کہنے سے فرق نہیں پڑتا، کیونکہ اتنے چھوٹے بچے کے والد اگر فوت ہو جائیں تو عربی میں اسے بھی "یتیم" ہی کہا جاتا ہے۔

(2) سیرۃ ابن ہشام، ج1، ص158۔

بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ پھر یہ روایت بھی تواتر کے ساتھ ملتی ہے کہ بنو سعد کی عورتیں جب بچے لینے مکہ آئیں تو انہوں نے آپ ﷺ کو اس وجہ سے نہیں لیا کہ آپ یتیم تھے[3] لیکن ابن اسحاق اور ابن ہشام، دونوں کے شارح علامہ سہیلی نے "الروض الانف" میں لکھا ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ کی وفات اس وقت ہوئی جب آپ ﷺ پنگوڑے میں تھے۔[4] پنگوڑے میں ہونے کی روایت ذکر کرکے سہیلی نے یہ بھی لکھا ہے کہ پھر اختلاف اس میں ہے کہ والد ماجد کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی؟ بعض کے نزدیک دو ماہ، بعض کے ہاں اٹھائیس (28) ماہ، اور نو ماہ کا قول بھی موجود ہے۔

علامہ یوسف حلبی نے سہیلی کے اس بیان پر کہ یہ "اکثر علماء کا قول ہے" تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کسی طرح اکثر علماء کا قول نہیں بلکہ اکثر علما کا قول وہی ہے جو قدیم سیرت نگاروں کا ہے۔ ہاں! یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس طرف بھی کئی علماء گئے ہیں۔[5]

مشہور مصری مصنفہ ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمٰن حضرت رسالت مآب ﷺ کی والدہ ماجدہ کے حوالے سے اپنی مشہور کتاب "أم النبی" میں لکھتی ہیں: "ان اختلافات کے باوجود، تعجب کی بات ہے کہ جب ہم جدید سیرت نگاروں کو دیکھتے ہیں تو وہ اس باب پر مطمئن نظر آتے ہیں کہ جناب عبداللہ کی وفات اس وقت ہوئی جب رسول اللہ ﷺ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔"[6]

اس کے بعد ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمٰن نے بعض جدید سیرت نگاروں کے حوالے دیئے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے والد کی وفات کے بعد ہی پیدا ہوئے اور کسی نے بھی اس اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ پاک وہند کے سیرت نگاروں کے ہاں بھی یہی روش ملتی ہے، چنانچہ شبلی نعمانی نے تو اس کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ مولانا ادریس کاندھلوی،[7] جعفر پھلواری،[8] اور قاضی سلیمان منصور پوری[9]

---

(3) سیرۃ ابن ہشام، ج 1، ص 162۔ عیون الاثر، ج 1، ص 41۔

(4) الروض الانف، ج 2، ص 99۔

(5) سبل الہدیٰ والرشاد، ج 1، ص 331۔

(6) ام النبی، ص 103- 104۔

(7) سیرت مصطفیٰ، ج 1، ص 52۔

(8) پھلواری، شاہ، مولانا، محمد جعفر، پیغمبر انسانیت، ص 17، ادارہ ثقافت اسلامیہ - لاہور، ط 5، 2006ء۔

وغیرہ جیسے مشہور مصنفین نے بھی یہی لکھا ہے کہ والد ماجد کا انتقال ولادت مبارکہ سے قبل ہی ہو گیا تھا، البتہ صفی الرحمٰن مبارکپوری نے مذکورہ اختلاف کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔[10] اپنی بساط کی حد تک جتنی کتب سیرت کی مراجعت کی، کہیں بھی تفصیلاً یہ بحث نہیں ملی۔

بعض جدید مفکرین دوسری قسم کی روایات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی وجہ ان روایات کا زیادہ قابل استناد ہونا نہیں بلکہ اس کی وجہ عقلی ہے، اور وہ نفسیات کے اس مفروضے پر قائم ہے کہ حمل کے وقت ماں کی ذہنی کیفیات کا بچے کے جسم، اخلاق اور اعصاب پر اثر پڑتا ہے اور آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ آپ کے جسم اور اعصاب کے صحت مند اور غیر معمولی توانا ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ آپ کی زندگی میں کئی ایسے معرکے پیش آئے کہ ان میں سے ایک بھی انسان کے جسمانی، اعصابی اور ذہنی امتحان کیلئے کافی تھا۔ آپ ان تمام معرکوں میں نہ صرف کامیاب رہے بلکہ ان میں دوسروں کیلئے نمونہ بنے۔ اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ کی والدہ دوران حمل کسی ایسی اعصاب شکن غم سے دوچار نہیں ہوئیں جس سے ان کا اطمینان اور ذہنی سکون جاتا رہے۔

لیکن اس بات کو تسلیم کرنا اس لئے ضروری نہیں کہ آپ ﷺ کو یہ تمام تر جسمانی واعصابی قوت محض ایک انسان ہونے کے ناتے نہیں ملی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کے نبی تھے۔ ابتدائے آفرینش سے سے لے کر زندگی کے تمام مراحل میں، حتیٰ کہ موت تک آپ کو نصرت و تائید خداوندی حاصل رہی۔ جہاں تک والدہ کے ذہنی سکون واطمینان کا تعلق ہے تو اس کیلئے وہ مبشرات اور غیبی اشارات ہی کافی تھے جن کا دوران حمل خواب میں اور بیداری میں بھی انہیں اللہ کی جانب سے مشاہدہ کرایا جاتا رہا، جن کا تذکرہ ماقبل میں کیا جا چکا ہے۔

کیا سیدہ آمنہ نے بچے کا نام خود تجویز کیا

ولادت کے بعد ایک مرحلہ بچے کا نام تجویز کرنے کا ہوتا ہے۔ شریعت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں یہ حق ماں کو دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا نام مبارک بھی سب سے پہلے والدہ نے رکھا، والدہ نے

---

(9) منصور پوری، قاضی، محمد سلیمان سلمان، رحمۃ للعالمین، ج 1، ص 52، مکتبہ محمدیہ-لاہور، ط 3، مارچ 2017ء۔

(10) مبارکپوری، مولانا، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص 82، مکتبہ سلفیہ-لاہور، 1424ھ، 2003ء۔

"احمد" نام تجویز کیا، اس کے بعد دادا نے "محمد" نام رکھا۔ آپ ﷺ کے یہ دونوں نام قرآن کریم میں بھی آئے ہیں۔ بلکہ قرآن کریم کے مطابق "احمد" نام کا ذکر تو گزشتہ کتابوں میں بھی تھا، جیسا کہ سورہ "الصف"[11] میں ہے۔ جو نام قدیم کتب میں بھی بتلایا گیا ہو اور یہود و نصاریٰ کے علماء بھی اس سے واقف ہوں، ظاہر ہے وہ نام سیدہ آمنہ بغیر کسی کے بتلائے اور بغیر کسی الہام کے از خود نہیں رکھ سکتی تھیں۔ چنانچہ کتب سیرت کی مراجعت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام آپ کو خواب میں بتلایا گیا۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ کو خواب میں کہا گیا کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام "احمد" رکھو۔[12] بعض روایات میں ہے کہ آپ کو کہا گیا کہ "محمد" نام رکھیں مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ ﷺ کا نام محمد آپ کے دادا عبد المطلب نے رکھا۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ جب عبد المطلب نے آپ کا نام محمد رکھا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے یہ نام کیوں رکھا؟ اور خاندان کے ناموں میں سے کوئی نام کیوں نہیں رکھا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں اللہ اس کی تعریف آسمانوں میں کرے اور اللہ کی مخلوق زمین میں اس کی تعریف کرے۔[13]

علامہ سہیلی نے جناب عبد المطلب کا ایک خواب ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس خواب کی وجہ سے عبد المطلب نے آپ ﷺ کا نام "محمد" رکھا۔ سہیلی نے مزید لکھا ہے کہ "محمد" کا معنی ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے۔[14] آپ ﷺ کے نام مبارک کے حوالے سے تفصیلی مباحث کتب سیرت میں موجود ہیں مگر یہاں صرف اس قدر بتلانا مقصود تھا کہ سیدہ آمنہ نے آپ کا نام خود تجویز کیا مگر اس میں ان کی ذاتی رائے سے زیادہ غیبی اشارات کو دخل تھا۔

---

(11) سورۃ الصف (61):6۔

(12) الطبقات الکبری، ج1، ص120۔

(13) سبل الہدیٰ والرشاد، ج1، ص360۔

(14) الروض الانف، ج2، ص95۔

سیدہ آمنہ کا اپنے عظیم بیٹے کو دودھ پلانا

عرب تہذیب وروایات میں بچے کی رضاعت یعنی دودھ پلائی کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو بچوں کی ماؤں کو شوہروں کیلئے فارغ کرنا ہوتا تھا جبکہ دوسری طرف اس میں بچوں کو صحت مند دودھ اور غذا کی فراہمی کے ساتھ ساتھ ایک صحت مند ماحول فراہم کرنا بھی مقصود ہوتا تھا۔ عام طور پر دیہاتی خواتین شہروں میں آتی تھیں اور بچوں کو دودھ پلانے کی غرض سے لے جاتی تھیں جس کے عوض ان کا اعزاز واکرام کیا جاتا تھا۔ دیہات کی صاف ستھری فضا جہاں بچوں کو صحت مند ماحول فراہم کرتی تھی وہیں اس ماحول میں خالص عربی زبان سیکھنے میں بھی بچوں کو مدد ملتی تھی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کیلئے بھی رضاعت کا اہتمام کیا گیا اور آپ ﷺ کے دادا جناب عبد المطلب نے آپ کیلئے دودھ پلائیوں کو تلاش کیا، ابن اسحاق کی روایت میں اس کا تذکرہ ہے۔[1] یہاں رضاعتِ نبوی سے تفصیلی بحث مقصود نہیں کیونکہ کتاب ہٰذا کے دوسرے باب کے شروع میں ان شاء اللہ یہ بحث تفصیل سے آرہی ہے۔ یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ولادت کے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے ہی دودھ پلایا، اس کے بعد دیگر رضاعی ماؤں نے آپ کو دودھ پلایا۔

والدہ ماجدہ نے آپ کو کتنے دن دودھ پلایا؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک روایت کے مطابق سات دن تک،[2] ایک دوسری روایت کے مطابق نو دن جبکہ تیسری[3] روایت کے مطابق والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کو سات ماہ تک دودھ پلایا۔[4]

دراصل اس بحث کو ذکر کرنے سے مقصود دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بہت سے سیرت نگاروں نے رضاعت کے بیان میں سیدہ آمنہ کے دودھ پلانے کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ مذکورہ بیان سے سیدہ آمنہ کا دودھ پلانا واضح ہو گیا۔ دوسرے، بعض سیرت نگاروں نے رضاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ

---

(1) سیرۃ ابن ہشام، ج 1، ص 160۔

(2) سبل الہدیٰ والرشاد، ج 1، ص 275۔

(3) السیرۃ الحلبیہ، ج 1، ص 129۔

(4) ایضاً۔

لکھا ہے کہ سب سے پہلے آپ ﷺ کو ابولہب کی باندی ثویبہ نے دودھ پلایا۔ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا ہی نہیں مگر ایسا نہیں، بلکہ علامہ حلبی نے اپنی سیرت میں اس کی تصریح کی ہے کہ روایات میں جو سب سے پہلے ثویبہ کے دودھ پلانے کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ماں (سیدہ آمنہ) کے دودھ پلانے کے بعد رضاعی ماؤں میں سے سب سے پہلے آپ کو ثویبہ نے دودھ پلایا۔[5] یہ ذہن میں رہے کہ آپ ﷺ کو والدہ ماجدہ کے علاوہ کئی عورتوں نے دودھ پلایا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی رضاعی مائیں کئی ہیں جن کی تفصیل کتاب کے آئندہ ابواب میں آرہی ہے، لہٰذا واضح ہوا کہ اُن تمام رضاعی ماؤں میں سے سب سے پہلے آپ کو حضرت ثویبہ نے دودھ پلایا، نہ یہ کہ والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ سے بھی پہلے انہوں نے دودھ پلایا۔

---

(5) السیرۃ الحلبیہ، ج1، ص129۔

سیدہ آمنہ کا سفر یثرب

سیدہ آمنہ نے اپنے بیٹے کو چند دنوں تک دودھ پلایا اس کے بعد آپ کا دودھ خشک ہو گیا۔ بعض جدید سیرت نگاروں نے اس کی وجہ آپ کا وہ غم اور پریشانی بتائی ہے جو اپنے شوہر کے نہ ہونے کی وجہ سے انہیں لاحق ہوئی تھی۔ بہر حال، والدہ کے بعد حضرت ثویبہ نے آپ کو دودھ پلایا اور اس دودھ پلانے کی مدت بھی بہت مختصر تھی۔ اس عرصے میں مستقل مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی عورت کی تلاش و انتظار جاری رہا، یہاں تک کہ قبیلہ بنو سعد کی عورتیں رضاعت کی غرض سے بچوں کی تلاش میں مکہ آئیں۔

آپ ﷺ کی رضاعت کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت حلیمہ کو منتخب فرمایا اور یہ سعادت ان کو نصیب فرمائی۔ حضرت حلیمہ نے آپ ﷺ کو ساتھ لیا اور اپنے قبیلہ میں لے آئیں۔ دو سال مکمل ہونے پر وہ آپ ﷺ کو واپس ماں کے پاس لائیں مگر بوجوہ پھر واپس اپنے قبیلہ میں لے آئیں اور پھر جب شق صدر کا واقعہ پیش آیا تو حضرت حلیمہ پھر آپ کو اپنی والدہ کے پاس لے آئیں۔ حضرت حلیمہ کے قبیلہ بنو سعد میں آپ ﷺ کتنا عرصہ رہے؟ اس دوران کتنی مرتبہ آپ اپنی والدہ ماجدہ سے ملے؟ حضرت حلیمہ نے آپ ﷺ کی کن کن برکات کا مشاہدہ کیا؟ یہ تمام تفصیلات اسی کتاب کے چوتھے باب میں ذکر کی جائیں گی۔

بہر کیف، جب حضرت حلیمہ آپ ﷺ کو واپس لائیں تو آپ کی عمر مبارک پانچ سال تھی۔ کتب سیرت میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی صحت اتنی اچھی تھی کہ آپ اپنی عمر کے لحاظ سے دگنی عمر کے لگتے تھے۔ مزید ایک سال تک آپ اپنی والدہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رہے۔ مکہ مکرمہ آپ ﷺ کا آبائی وطن تھا۔ آپ کے بزرگ آباو اجداد نے اس عظیم وطن میں اپنی زندگیاں گزاریں تھیں۔ اس عرصے میں سیدہ آمنہ نے ضرور آپ کو ان کے بارے میں بتایا ہو گا۔ سیدہ آمنہ نے آپ پر خوب توجہ دی اور بھرپور طریقے سے آپ کی پرورش کی کیونکہ اب آپ ﷺ ہی اپنی ماں کی آنکھوں کا نور اور تمام تر آرزوں کا مرکز تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی کے اس حصے میں سیدہ آمنہ کے کردار نے جو اثرات مرتب کئے اس کی تفصیلات تو کتب سیرت میں نہیں ملتیں البتہ اس کے غیر معمولی اثرات کا اعتراف سیرت نگاروں کے ہاں ملتا ہے، اور انہوں نے بجا طور پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ ابن اسحاق لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ آمنہ بنت وہب کے ساتھ اللہ کی پناہ اور حفاظت

میں رہے، اللہ نے آپ کو پروان چڑھایا اور خوب پروان چڑھایا۔"(1)

سیدہ آمنہ کی محنت، تربیت و پرورش ثمر بار ہونے لگی جس کے آثار زمانۂ حمل اور اس کے بعد سے مسلسل سیدہ آمنہ دیکھتی آرہی تھیں۔ ابھی آپ ﷺ کی عمر صرف چھ برس ہی تھی کہ آپ کی والدہ کو آپ ﷺ کی ذات میں ایک عظیم آدمی کی صورت ابھرتی نظر آئی جیسا کہ آپ کو خواب میں بتلایا گیا تھا۔ اب سیدہ آمنہ کے ذہن میں خیال آیا کہ اب بیٹا سفر کے قابل ہو گیا ہے، اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں اپنی اس دیرینہ خواہش کو پورا کروں جس کے انتظار میں اتنا لمبا عرصہ گزارا ہے۔ انہوں نے اپنے پیارے بیٹے کو بتایا کہ ہم دونوں آپ کے والد ماجد کی قبر کی زیارت اور ان کے ننھیالی رشتہ داروں سے ملنے یثرب جائیں گے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ والد ماجد جناب عبد اللہ کا ننھیال یثرب میں نہیں تھا بلکہ حضرت عبد اللہ کے والد عبد المطلب کا ننھیال یثرب میں تھا، کیونکہ ان کے والد ہاشم نے یثرب کے قبیلہ بنو نجار کی ایک عورت سلمٰی سے دوران سفر شادی کی تھی پھر ہاشم کا انتقال ہو گیا تھا اور عبد المطلب نے یتیمی کی حالت میں یثرب میں ہی پرورش پائی تھی۔ ماقبل میں ہاشم کے تذکرے میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے؛ جبکہ آپ ﷺ کے والد جناب عبد اللہ کے ننھیال کا تعلق مکہ مکرمہ ہی سے تھا، کیونکہ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم قرشیہ تھا۔ ان کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو مخزوم سے تھا، جیسا کہ حضرت عبد اللہ کے تذکرے میں ماقبل میں لکھا گیا ہے۔

سیرت کی کتابوں میں تقریباً تمام جگہ بنو نجار کو حضرت عبد اللہ کا ننھیال ہی لکھا گیا ہے، چنانچہ جناب عبد اللہ جب شام کے سفر سے واپسی پر بیماری کی وجہ سے بنو نجار کے ہاں ٹھہر گئے تو وہاں پر تقریباً تمام سیرت نگاروں نے "عند أخواله" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس کا ترجمہ اردو سیرت نگاروں نے ننھیالی رشتہ دار کیا ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ بنتا بھی یہی ہے۔ اسی طرح سیدہ آمنہ کے سفر یثرب کے بیان میں بھی سفر کا مقصد بیان کرتے ہوئے بعض سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کے ننھیال سے ملوانے اور بعض نے آپ کے والد کے ننھیال سے ملوانے کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس پر بعض سیرت نگاروں کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ غلطی سے لکھا گیا ہے کیونکہ بنو نجار نہ تو آپ ﷺ کے ننھیال تھے اور نہ ہی آپ کے والد ماجد جناب عبد اللہ کے، بلکہ بنو نجار آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب کے ننھیال تھے۔

---

(1) سیرۃ ابن ہشام، ج 1، ص 168۔

اسی سوال بلکہ اعتراض کو ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے بہت شد و مد کے ساتھ اپنی کتاب میں اٹھایا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے محققین مکھی پر مکھی مارتے ہیں اور یہ کہ آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے کی پیروی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے قدیم وجدید تمام سیرت نگاروں پر یہ سوال اٹھایا ہے اور بار بار اٹھایا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "ہمارے سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی ایک مشترکہ خوبی یہ رہی ہے کہ مکھی پر مکھی مارنا لکیر کی فقیری کو اپنانا ان پر ختم ہے! حضرت عبداللہ شام کے تجارتی سفر سے واپسی پر بیماری کی وجہ سے یثرب میں رک گئے تھے اور فوت ہو کر وہیں دفن ہوئے تھے۔ بعد میں حضرت آمنہ اپنے عظیم و جلیل فرزند کے ساتھ اس آخری سفر یثرب کیلئے وہاں گئیں اور کچھ دن قیام فرمایا۔ ہمارے تمام قدیم اور بعض نئے سیرت نگار اور تذکرہ نویس آنکھیں بند کر کے یہی لکھتے چلے گئے ہیں کہ "حضرت عبداللہ اپنے ننھیال کے ہاں یثرب میں رک گئے تھے اور حضرت آمنہ کے اس سفر کے متعلق بھی یہی فرماتے چلے گئے ہیں کہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے لخت جگر کو ان کے ننھیال سے ملوانے یثرب لے گئی تھیں"۔ (2)

ایک تو ڈاکٹر صاحب کی یہ بات درست نہیں کہ حضرت آمنہ کے سفر سے متعلق تمام سیرت نگار یہی لکھتے چلے گئے کہ حضرت آمنہ اپنے لخت جگر کو اس کے ننھیال سے ملوانے لے گئی تھیں، بلکہ بہت سے سیرت نگاروں نے "أخوال ابیه وجده" یعنی آپ کے والد اور دادا کے ننھیالی رشتہ داروں کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مگر کیا کیجئے کہ ڈاکٹر صاحب کو اس پر بھی اعتراض ہے کیونکہ بنو نجار تو حضرت عبداللہ کے ننھیالی بھی نہیں تھے بلکہ ان کے بھی والد حضرت عبدالمطلب کے ننھیالی تھے۔ دراصل یہاں ان مذکورہ اعتراضات میں سے کوئی بھی اعتراض درست نہیں، اور خود ڈاکٹر صاحب بھی اس سوال کا کوئی جواب تلاش نہیں کر پائے ہیں۔

غلط فہمی کا منشاء دراصل عربی محاورے اور زبان سے عدم واقفیت ہے۔ عربی زبان میں ماں کی طرف سے دور تک کی رشتہ داریوں کو "اخوال" کہہ دیا جاتا ہے، جیسا کہ بنو زہرہ کو رسول اللہ کے "أخوال" کہا

---

(2) والدہ ماجدہ محمد ﷺ، ص189۔

جاتا ہے۔ بنو زہرہ کے تعارف میں ماقبل میں یہ بات لکھی گئی ہے، حالانکہ تمام بنو زہرہ تو آپ کی والدہ کے ایسے قریبی رشتہ دار نہ تھے۔ اسی طرح باپ دادا کے "اخوال" کو بھی کسی شخص کے "اخوال" کہہ دینا عربوں میں عام تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بنو نجار کے ایک شخص کو "خال" (ماموں) کہا، چنانچہ مسند احمد میں حضرت انس بن مالک کی روایت میں ہے:

"آپ ﷺ بنو نجار کے ایک شخص کے پاس اس کی عیادت کیلئے گئے تو اسے مخاطب کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: اے میرے ماموں! اس نے کہاں ماموں یا چچا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں 'ماموں'۔"(3)

حالانکہ یہ واضح ہو چکا کہ آپ ﷺ کی والدہ کا بنو نجار سے کوئی تعلق نہیں، اسی طرح بنو نجار نے آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں (جب وہ غزوۂ بدر میں گرفتار ہو کر آئے اور قیدیوں کے فدیہ کی بات چلی تو) ان کے فدیہ کے متعلق کہا: "ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے کا فدیہ معاف کرتے ہیں۔"(4) حالانکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بنو نجار کے بھانجے نہیں تھے بلکہ حضرت عباس کے والد عبد المطلب بنو نجار کے بھانجے تھے کیونکہ عبد المطلب کی والدہ سلمیٰ کا تعلق بنو نجار سے تھا۔ یہاں خود بنو نجار اپنے حقیقی بھانجے عبد المطلب کے بیٹے عباس کو بھی اپنا بھانجا کہہ رہے ہیں۔

اس پر تفصیلی بحث کی جاسکتی ہے مگر یہ اس کا محل نہیں۔ مذکورہ دو مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ باپ دادا کے "اخوال" کو بھی کسی شخص کے "اخوال" کہنا عربی زبان میں اور خاص طور پر اُس وقت کے عرب معاشرے میں عام تھا۔ ان دونوں مثالوں میں کسی مؤرخ نے غلطی نہیں کی بلکہ یہ صحیح احادیث ہیں اور دونوں کا تعلق زیر بحث مسئلہ سے براہ راست ہے۔

اب ہم اپنے اصل عنوان حضرت آمنہ کے سفر یثرب کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس سفر کا مقصد، جیسا کہ ذکر کیا گیا، جناب عبد اللہ کی قبر کی زیارت اور بنو نجار میں موجود رشتہ داروں سے ملاقات تھا۔ سیدہ آمنہ اپنے بیٹے کو اپنے والد کی قبر دکھانے کے ساتھ ساتھ دراصل اس سے بھی بڑھ کر وہ ازخود وہ جگہ اور لوگ

---

(3) مسند احمد، حدیث 12563۔ مکمل حدیث یوں ہے کہ اُسے مخاطب کر کے فرمایا کہ "لاالہ الااللہ" پڑھ لیجیے، اور مخاطب کرنے کیلئے انہیں رشتے کا لحاظ کرتے ہوئے "ماموں" فرمایا، اس پر اس نے کہاں ماموں یا چچا، آپ نے فرمایا نہیں "ماموں" اس پر اس نے کہا کہ تب تو کلمہ پڑھنا میرے لئے خیر ہی خیر ہے۔

(4) صحیح بخاری، حدیث 3048۔

دیکھنا چاہتی تھیں جہاں ان کے جواں مرگ شوہر نامدار نے اپنی زندگی کے آخری ایام، بیماری اور تنہائی کی حالت میں گزارے۔

کتب سیرت میں اس سفر کی غرض یہی لکھی گئی ہے۔ سیرت سیدہ آمنہ پر لکھنے والوں نے اپنے اپنے تخیل اور ذوق کے مطابق اس سفر کے اس کے علاوہ اور مقاصد بھی لکھے ہیں۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اپنے لخت جگر کی بنو سعد سے واپسی کے بعد عملی زندگی کی بقیہ منازل و مراحل سے وہ انہیں اپنی زندگی میں ہی باخبر کرنا چاہتی تھیں۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کو قبل از وقت ان کا دار الہجرت دکھانا چاہتی تھیں۔"(5)

آگے چل کر مزید لکھا ہے کہ ممکن ہے حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی عظیم ماں "سلمٰی" خاصا عرصہ زندہ رہی ہوں اور بیٹے کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنی دادی سے اور پوتے محمد ﷺ اپنے والد کی قبر کی زیارت کے علاہ اپنی پڑدادی سے بھی ملنے گئے ہوں۔ بہر حال، مقاصد جو بھی ہوں، اس پر بہر حال اتفاق ہے کہ یہ سفر آپ ﷺ کی عمر کے چھٹے سال پیش آیا۔ یہاں بعض حضرات نے یہ نکتہ بھی اٹھایا ہے کہ کیا شوہر کی وفات کے بعد سیدہ آمنہ کا یہ پہلا سفر یثرب تھا؟ کیا گزشتہ چھ سال میں وہ کبھی اپنے محبوب شوہر کی قبر کی زیارت کیلئے نہیں گئیں اور آپ ﷺ کی عمرِ مبارک چھ سال ہونے پر اچانک ہی انہیں یہ خیال آیا؟ کتب سیرت میں اس سوال کا کوئی جواب، باوجود تلاش و تتبع کے نہیں مل سکا۔ البتہ یاقوت حموی نے "معجم البلدان" جہاں مقام "الأبواء" کا تذکرہ کیا ہے، اس کے ضمن میں سیدہ آمنہ کی قبر کا ابواء میں ہونا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

> "سیدہ آمنہ ہر سال اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کیلئے یثرب جایا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ کے ساتھ ہونے والا سفر ان کا آخری سفر ثابت ہوا اور اس میں انہوں نے وفات پائی۔"(6)

---

(5) والدہ ماجدہ محمد ﷺ، ص188۔

(6) الحموی، شہاب الدین، ابو عبد اللہ، یاقوت بن عبد اللہ (متوفی 626ھ) معجم البلدان، ج 1، ص 79، دار صادر۔ بیروت، ط2، 1995ء۔

یاقوت حموی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری کے اواخر اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل کا زمانہ ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ ان کی بات کو بغیر کسی حوالے اور سند کے معتبر نہیں مانا جاسکتا۔[7]

اس سفر میں سیدہ آمنہ کے ہمراہ اور کون لوگ تھے؟ عام طور پر کتب سیرت میں بس یہی لکھا ہے کہ اس سفر میں سیدہ آمنہ کے ہمراہ آپ کے بیٹے محمد ﷺ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے علاوہ کسی شخص کا تذکرہ نہیں۔ یہ نہایت عجیب بات ہے کہ اتنے بڑے خاندان کی خاتون محض ایک باندی کو لے کر ایک عظیم بچے کو، جس کی عظمت سے کم از کم سب خاندان والے ضرور واقف تھے، ان کی اور ان کے والد و دادا کی عظمت کی کئی نشانیاں سب دیکھ چکے تھے، یوں تن تنہا بغیر کسی مرد کے اتنے طویل سفر پر لے کر روانہ ہوگئی ہوں۔ احقر کو تلاش و تتبع کے باوجود اس سوال کا جواب نہیں مل سکا۔

البتہ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے ابن اثیر کی "الکامل" کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس سفر میں جناب عبدالمطلب بھی اس مختصر قافلے کے ہمراہ تھے۔[8] ہم نے جب "الکامل" سے مراجعت کی تو معلوم ہوا کہ یہ قول انتہائی کمزور ہے۔ ابن اثیر نے اسے ایسے الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ وہ الفاظ خود اس کے کمزور ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور پھر آخر میں ابن اثیر نے خود ہی کہا ہے: "پہلے ذکر کردہ بات ہی زیادہ صحیح ہے"[9] اور اس سے پہلے انہوں نے عام سیرت نگاروں کا قول ہی لکھا ہے جبکہ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب میں بغیر کسی حوالے کے لکھا ہے کہ سیدہ آمنہ مکہ سے "رحلة الشتاء" یعنی گرمیوں کے پہلے تجارتی قافلہ کے ہمراہ مکہ سے روانہ ہوئیں جو ہر گرمیوں میں مکہ سے شام تجارت کیلئے جاتا تھا[10] مگر قدیم کتب سیرت میں کہیں بھی ایسی کوئی بات درج نہیں۔

---

(7) کتاب پر نظر ثانی کے وقت مزید تلاش و تتبع کے بعد یاقوت حموی کا یہ قول قدیم ماخذِ سیرت بلاذری کی "انساب الاشراف" کی پہلی جلد میں مل گیا، دیکھئے (ج 1، ص 94)۔ بہر حال یہ مقام پھر بھی مستحق تحقیق ہے۔

(8) والدہ ماجدہ محمد ﷺ، ص 190۔

(9) ابن الاثیر، عزالدین، ابو الحسن، علی بن ابی الکرم محمد بن محمد (متوفی 630ھ)، الکامل فی التاریخ، ج 1، ص 423، دار الکتاب العربی۔ بیروت، ط 1، 1417ھ، 1997ء۔

(10) ام النبی، ص 137۔

اس سفر میں سواری کیلئے اونٹ استعمال کئے گئے۔ ریگستانی علاقوں میں اونٹ سے بہتر کوئی سواری اس زمانے میں نہ تھی۔ کتب سیرت میں لکھا ہے کہ دو اونٹ اس مختصر سے قافلے کے پاس تھے۔[11] دو عورتوں اور ایک بچے کے سفر کیلئے ایک اونٹ بہ سہولت کفایت کر سکتا ہے، اس کے باوجود دوسرا اونٹ یا تو سامان کیلئے ساتھ رکھا گیا یا پھر اس لئے کہ ایک اونٹ کے تھکنے کی صورت میں دوسرا کام آسکے۔

سیدہ آمنہ کا قیام یثرب

قدیم وجدید مصادرِ سیرت اس پر متفق نظر آتے ہیں کہ سیدہ آمنہ ایک ماہ تک یثرب میں بنو نجار کے ہاں مقیم رہیں۔[12] اس قیام کے دوران کیا حالات پیش آئے اور وہاں کیا مشاغل رہے؟ اس کی تفصیلات، کتبِ سیرت میں نہیں ملتیں۔ البتہ بعض چیزوں کا تذکرہ ضرور ہے، مثلاً یہ لکھا ہے کہ اس سارے عرصے میں حضرت آمنہ کا قیام "دار النابغہ" میں رہا جہاں آپ کے شوہر جناب عبد اللہ کی قبر تھی۔[13]

یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس زمانۂ قیام کی بعض باتیں یاد تھیں۔ جب آپ ﷺ نے دار نابغہ کو دیکھا تو فرمایا کہ میری والدہ مجھے یہاں لائی تھیں اور یہیں میرے والد کی قبر تھی؛ اور فرمایا کہ مجھے یاد ہے کہ میں اپنے ماموں کے بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا اور مجھے وہ ٹیلہ بھی یاد ہے جس پر پرندے بیٹھتے تھے اور ہم سب بچے مل کر انہیں وہاں سے اڑاتے تھے۔ اسی طرح مجھے انصار کی اس بچی کا نام بھی یاد ہے جو میرے ساتھ کھیلتی تھی، اس کا نام انیسہ تھا، اور میں نے بنو نجار کے حوض میں تیراکی بھی سیکھی تھی۔[14]

اس زمانے کے بعض واقعات کمزور سندوں کے ساتھ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زبانی بھی بیان ہوئے ہیں۔ ان سب واقعات کا تعلق "ارہاصات" سے ہے یعنی نبوت سے پہلے ایسے اشارات جو آپ ﷺ کے نبی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً ابو نعیم نے "دلائل النبوۃ" میں لکھا ہے:

---

(11) المقریزی، تقی الدین، احمد بن علی بن عبد القادر (متوفی 845ھ) "إمتاع الأسماع بما للنبی من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع"، ج8، ص143، دار الکتب العلمیہ - بیروت، ط1، 1420ھ، 1999ء۔

(12) الطبقات الکبری، ج1، ص93۔

(13) سبل الہدیٰ والرشاد، ج2، ص120۔

(14) الطبقات الکبری، ج1، ص93-94۔

"یہودِ مدینہ کے دو لوگ ایک دن میرے پاس آئے اور مجھ سے کہاں کہ احمد کو باہر بھیجو، میں نے آپ ﷺ کو باہر بھیجا، انہوں نے آپ ﷺ کو خوب غور سے سب طرف سے دیکھا، پھر ایک نے دوسرے کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر اس کا دارالہجرت ہو گا، اور عنقریب اس شہر میں بہت زیادہ قتل غارت ہو گی۔ ام ایمن کہتی ہیں مجھے ان دونوں کی یہ باتیں اچھی طرح یاد ہیں۔"(15)

اس طرح کی بعض باتیں ابن سعد نے بھی نقل کی ہیں۔

سیدہ آمنہ کی یثرب سے واپسی اور وفات

ابن سعد کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی چھیڑ چھاڑ سے پریشان ہو کر صرف ایک مہینے کے قیام کے بعد ہی سیدہ آمنہ نے واپس مکہ کی راہ لی۔ یثرب کی فضا قدیم سے ایسی رہی ہے کہ اس میں باہر سے آنے والوں کو بخار ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے واقعات کثرت کے ساتھ کتب سیرت و تاریخ میں آئے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہاں سے روانگی کے وقت ہی آپ کی طبیعت خراب ہو۔

مدینہ سے مکہ کی جانب آتے ہوئے راستہ میں ایک مشہور مقام "ابواء" آتا ہے جو مدینہ سے زیادہ قریب پڑتا ہے بہ نسبت مکہ کے، اس کو ابواء کہنے کی دو وجوہ بیان کی گئی ہیں: ایک یہ کہ یہ "بو" کی جمع ہے جس کا معنی ہے گھاس پھونس اور تنکے، اس مقام کے نشیب میں ہونے کی وجہ سے بارش کے پانی سے یہ سب چیزیں یہاں جمع ہو جاتی تھیں اس لئے اسے "ابواء" کہا جانے لگا؛ اور دوسری وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ چونکہ یہ جگہ نشیب میں تھی تو بارشوں کے موسم میں سیلابی پانی کثرت سے یہاں جمع ہو جاتا تھا اور جگہ بنا لیتا تھا، اور "التبوء" کا معنی عربی میں جگہ بنانے کے آتا ہے۔(16)

اسی مقام کے متعلق مزید تحقیق آئندہ صفحات میں سیدہ آمنہ کی قبر مبارک کے مقام کی تحقیق کے ضمن میں درج کی جائے گی۔ بہر حال، واپسی کے سفر میں جب یہ مختصر قافلہ اس مقام پر پہنچا تو سیدہ آمنہ بیمار پڑ گئیں اور رفتہ رفتہ بیماری نے شدت اختیار کر لی، حتیٰ کہ مزید سفر کرنا دشوار ہو گیا۔ قافلے نے یہیں پڑاؤ

---

(15) دلائل النبوۃ، ج1، ص163، حدیث99۔

(16) الروض الانف، ج2، ص185۔

کیا، یہاں تک کہ جب بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو آپ نے اپنے لختِ جگر کے چہرے پر نگاہِ واپسیں ڈالی اور اس سے کچھ باتیں کیں۔ ان باتوں کو سیرت کی بعض کتابوں میں ابو نعیم اصفہانی کی "دلائل النبوۃ" کے حوالے سے نقل کیا گیا، ان کی سند اگرچہ کمزور ہے مگر کلام بہت مؤثر ہے، اور عشاق کے دلوں کی تسکین کا ان میں بڑا سامان ہے۔ کوئی عاشق تو کیا ایک ادنیٰ مسلمان بلکہ ایک عام انسان بھی جب اس واقعے پر غور کرتا ہے کہ ایک بیابان میں ایک پانچ یا چھ سالہ معصوم بچے نے جب اپنی ماں کو اس حالت میں دیکھا ہو گا اور ماں نے اپنے یتیم بچے کو، جس کا باپ اس کی پیدائش سے بھی پہلے اس دنیا سے چلا گیا، دیکھا ہو گا تو اس کے احساسات و جذبات کو وہ یقیناً جاننا چاہے گا کہ اس غم کی گھڑی میں اس نے اپنے لختِ جگر کو کن الفاظ سے الوداع کہا۔ اسماء بنت رہم اور بقول سیوطی ام سماعہ بنت ابی رہم نے ان الفاظ کو محفوظ کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں اس بیماری میں سیدہ آمنہ کے ساتھ تھی۔ جب ان کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو انہوں نے اپنے بیٹے کے چہرے پر نظر ڈالی اور درج ذیل الفاظ کہے:

"كل حي ميت وكل جديد بال وكل كبير يفنى وأنا ميتة وذكري باق وقد تركت خيرا وولدت طهرا".

"ہر زندہ کو مرنا ہے، ہر نیا پرانا ہو گا اور ہر بڑے کو فنا ہونا ہے۔ میں تو اب رخصت ہو رہی ہوں مگر میرا ذکر باقی رہے گا، کیونکہ میں ایک ایسے بچے کو جنم دے کر چھوڑ چلی ہوں کہ وہ سراپا طہارت اور سراسر خیر ہے۔"(17)

یہ نثر یہ جملے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اشعار بھی ہیں جن کا مفہوم کچھ یوں ہے:

"میرے بیٹے! اللہ تجھے برکت دے، اے عظیم باپ کے فرزند! جس نے اللہ، جو حقیقی بادشاہ اور تمام کائنات پر انعام کرنے والا ہے، کی عنایت و مہربانی سے موت کے مقام سے نجات حاصل کی، جس دن قرعہ اندازی ہوئی تو ان کی طرف سے سو جوان اونٹ فدیہ دیئے گئے۔"(18)

---

(17) القسطلانی، ابو العباس، شہاب الدین، احمد بن محمد بن أبی بکر (متوفی 923ھ)، المواهب اللدنية، ج 1، ص 102، المكتبة التوفيقية-القاهرة، س ن۔

(18) سبل الہدیٰ والرشاد، ج 2، ص 121۔

وفات کے وقت سیدہ آمنہ کی عمر مبارک

وفات کے وقت سیدہ آمنہ کی عمر مبارک کے بارے میں کتب سیرت میں باوجود تلاش کے کچھ نہ مل سکا البتہ والد ماجد جناب عبد اللہ کی عمر کے ضمن میں کئی اقوال لکھے کہ وفات کے وقت ان کی 18، 25، 28 یا تیس سال تھی۔ ماقبل میں حضرت عبد اللہ کی وفات کے ضمن میں یہ اقوال نقل کئے جا چکے ہیں۔ اسی ضمن میں لکھا ہے کہ وفات کے وقت والدین کریمین میں سے کسی کی عمر بھی تیس برس سے زیادہ نہیں تھی۔

ماں اور باپ دونوں کا سایہ اللہ نے اپنے آخری اور محبوب ترین پیغمبر کے سر سے اتنی جلدی اٹھالیا! عام انسانی زندگی پر غور کرنے سے یہ بات نہایت تعجب خیز معلوم ہوتی ہے کہ والد ماجد شادی کے چند دنوں بعد ہی محض اٹھارہ سال کی عمر میں ہی چل بسے اور والدہ ماجدہ بیٹے کے سمجھدار ہونے سے بھی پہلے کہ بچے کی عمر ابھی صرف چھ سال تھی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

یقیناً اس میں ہزاروں حکمتیں ہوں گی لیکن انسانی زندگی اسباب سے وابستہ ہے۔ کوئی عورت جب امید سے ہوتی ہے تو اس کا سب سے بڑا سہارا اس کا شوہر ہوتا ہے۔ وہ اسی کیلئے بچے کو جنم دیتی ہے اور اس کی خوشیوں کا محور و مرکز بچے سے بھی بڑھ کر اس بچے کا والد بننے والا اس کا شوہر ہی ہوتا ہے۔ دوسری طرف اسباب کی دنیا میں باپ سے بڑھ کر بچے کا خیال کوئی نہیں رکھ سکتا؛ اور اگر والد نہ رہے اور بچہ یتیم ہو جائے تو اس بچے کا سب کچھ اس کی ماں ہوتی ہے جو باپ کی کمی بھی بچے کو محسوس نہیں ہونے دیتی۔ قدرت نے اپنے سب سے محبوب بندے کے حق میں یہ سارے اسباب سلب کر لئے اور اسے بظاہر تنہا و بے سہارا کر دیا!

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں اس کی کیا حکمتیں پنہاں تھیں اور یقیناً اس نے آپ کو بظاہر بے سہارا کرنے کے بعد ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا، چنانچہ خود فرماتا ہے: "کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم، پھر (اپنی آغوشِ رحمت میں) جگہ دی،"[19] محدثین اور سیرت نگاروں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق آپ ﷺ کی یتیمی کی حکمتیں بیان کی ہیں جن میں سے بعض لکھی جاتی ہیں۔ ایک حکمت یہ لکھی ہے کہ اللہ کو پسند نہیں تھا

---

(19) سورہ الضحیٰ (93):6۔

کہ مخلوق میں سے کسی ایک کا بھی حق آپ کے ذمے ہو، حتیٰ کہ والدین کا بھی۔ اس قول کو امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔[20]

جعفر شاہ پھلواری لکھتے ہیں: "باپ کے بعد دوسرا سہارا ماں تھی، قدرت نے اسے بھی اٹھالیا۔ اب دادا عبد المطلب نے پوری توجہ دی مگر دو سال بعد بیاسی سال کا یہ بوڑھا بھی چل بسا اور یہ تیسرا سہارا بھی ختم ہو گیا۔ قدرت نے یہ پسند نہ کیا کہ جسے خود بے سہاروں کا سہارا بننا ہے وہ کسی کا سہارا لے، لہٰذا رفتہ رفتہ سارے بڑے چھوٹے سہارے ہٹا لئے۔"[21] اس سے آگے دیکھیں تو اپنے ہی خاندان کے لوگوں کی شدید مخالفت کے وقت سب سے بڑا سہارا آپ کے شیر دل چچا ابو طالب اور آپ کی ڈھارس بندھانے والی بیوی سیدہ خدیجہ کو یکے بعد دیگر اٹھالیا، اور یہ چوتھا اور پانچواں سہارا بھی آپ سے چھین لیا۔ علامہ محمد بن یوسف شامی نے ابن العماد سے نقل کیا ہے کہ اس یتیمی میں حکمت یہ تھی کہ جب آپ ﷺ عزت و شہرت کے بلند مقامات طے کریں تو آپ کو اپنا یہ ابتدائی زمانہ یاد رہے اور خدا کی ذات پر توکل اور بھروسہ مزید بڑھے اور اس بات کا یقین حاصل ہو کہ عزت و عظمت دراصل اللہ کی طرف سے ہے؛ اس میں خاندان، آباواجداد اور مال کا کوئی دخل نہیں۔[22]

---

(20) سبل الہدیٰ والرشاد، ج1، ص121۔

(21) پیغمبر انسانیت، ص18۔

(22) سبل الہدیٰ والرشاد، ج2، ص122۔

حضرت رسالت مآب ﷺ اپنی ماں کی قبر پر

یہاں پر پہنچ کر سیدہ آمنہ کی زندگی کا ایک باب ختم ہو جاتا ہے۔ تاریخ کچھ عرصے کیلئے آپ سے منہ پھیر لیتی ہے۔ چونتیس سال بعد پھر آپ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور آپ کو ایک بلند مقام دیتی ہے کہ اب آپ اس نبی کی ماں ہیں جسے آپ نے یتیمی کی حالت میں ایک صحرا میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ آپ کے دُرِّ یتیم کی عمر جیسے ہی چالیس سال ہوئی، اللہ نے آپ کو اپنی وحی کے شرف سے نوازا اور نبوت و رسالت کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا۔ اس تمام عرصے میں پیاری ماں سیدہ آمنہ آپ ﷺ کے دل میں ہمیشہ زندہ رہیں اور آپ ﷺ کا دل ہمیشہ ماں کی یاد میں دھڑکتا رہا۔ اس کا ثبوت وہ تمام احادیث ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب بھی ماں کا تذکرہ ہوا، آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی، حتیٰ کہ آپ رو دیئے اور اس قدر روئے کہ اپنے ساتھیوں کو بھی رُلا دیا۔

ماں کے یوں صحرا میں بے بسی اور تنہائی کے عالم میں چلے جانے کا دردناک منظر آپ زندگی بھر نہ بھول پائے۔ ابن سعد طبقات میں روایت کرتے ہیں:

> "حدیبیہ کے عمرہ میں جب نبی کریم ﷺ اپنی والدہ کی قبر کے پاس سے گزرے تو قبر پر تشریف لے گئے اور اسے درست کیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کے رونے کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی رو دیئے۔ آپ ﷺ سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے اپنی والدہ کی شفقت اور محبت یاد آ گئی، اس لئے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔"(1)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> "ایک دن حضرت رسالت مآب ﷺ باہر نکلے تو ہم بھی آپ کے ساتھ چل پڑے، حتیٰ کہ ہم چند قبروں کے پاس پہنچے۔ آپ ﷺ نے ہمیں وہیں بیٹھنے کا حکم دیا اور خود ان قبروں سے گزر کر ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور بہت دیر تک دعا میں مشغول رہے۔ پھر آپ ﷺ کے رونے کی آواز آنے لگی، حتیٰ کہ وہ آواز بلند ہو گئی۔ یہ دیکھ کر ہم بھی رونے لگے۔ پھر حضور ﷺ ہماری طرف واپس تشریف لائے۔ حضرت

---

(1) الطبقات الکبریٰ، ج 1، ص 94۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ کس کی یاد نے آپ کو رُلایا ہے؟ ہمیں بھی آپ نے رلا دیا اور خوفزدہ کر دیا۔ آپ نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑا اور ہماری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کیا تم بھی میرے رونے سے گھبرا گئے تھے۔ ہم نے عرض کی، جی ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ نے دو یا تین مرتبہ پوچھا، پھر فرمایا تم نے مجھے جس قبر کے پاس مناجات کرتے دیکھا وہ میری والدہ آمنہ بنت وہب کی ہے۔ میں نے اپنے رب سے اُن کی زیارت کی اجازت چاہی تھی۔ میرے رب نے مجھے اجازت دے دی۔"(2)

ماں کے بعد ماں کی قبر آپ ﷺ کیلئے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ قبر کو درست کرنا اور اس پر کئی بار حاضر ہونا اور دعا مانگنا اس چیز کو ظاہر کرتا ہے۔ قریش مکہ بھی شاید اس چیز کو جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے قریش مکہ جب احد کیلئے نکلے اور ابواء کے مقام سے گزرے تو انہیں معلوم تھا کہ یہاں محمد ﷺ کی ماں کی قبر ہے، چنانچہ اس حوالے سے ازرقی کا بیان ہے:

"ہند بنت عتبہ نے اپنے شوہر ابوسفیان کو مشورہ دیا کہ محمد ﷺ کی ماں کی قبر ابواء میں ہے کیوں نہ اسے تلاش کر کے کھود کر اس کے جسم کے اعضاء محفوظ کر لئے جائیں تاکہ اگر ہم میں سے کوئی قید ہو جائے تو ہم ہر عضو کے بدلے اپنے قیدیوں کو چھڑا سکیں۔ ابوسفیان نے یہ بات لشکر میں موجود قریش کے سامنے رکھی اور بتایا کہ ہند کا یہ مشورہ ہے اور میری رائے بھی یہی ہے۔ قریش نے کہا کہ ہم پر یہ دروازہ نہ کھولو ورنہ پھر بنو بکر ہمارے مردوں کو تلاش کر کے ایسا ہی کریں گے۔(3)

قریش کا لشکر ابواء سے بغیر کسی ایسی غلط حرکت کے گزر گیا اور اسے قبر کی بے حرمتی کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ قبر جسے خود رسول اللہ ﷺ بھی نہ بھول پائے تھے اور اسی قبر کی وجہ سے "ابواء" جیسے گم نام علاقے نے تاریخ کے صفحات میں جگہ پائی اور ایسی لازوال شہرت پائی کہ رہتی دنیا تک اسے یاد رکھا جائے گا۔ یہ علاقہ

---

(2) مصنف عبدالرزاق، ج3، ص572، حدیث 6714۔

(3) الازرقی، ابو الولید، محمد بن عبد اللہ بن احمد بن محمد (متوفی 250ھ) أخبار مکہ، ج2، ص272، دار الاندلس، بیروت، س ن۔

ہر زمانے میں مسلمانوں کی توجہ حاصل کرتا رہا۔ حج وزیارت کے قافلے ہمیشہ اس پر آتے جاتے رہے، حتیٰ کہ خود رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ آتے جاتے اس مقام پر رکتے رہے، جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

آپ ﷺ کی اپنے والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کے حوالے سے دو احایث اوپر درج کی گئی ہیں، ایک اور حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے جسے علامہ سہیلی نے نقل کیا ہے اور یہ "مستدرک حاکم" کی روایت ہے۔[4] یہ روایت صحیح ہے، حاکم نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے اور ذہبی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

> "حضرت سلمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: نبی ﷺ نے اسلحے سے لیس، سو(100) لوگوں کے ہمراہ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اور رو دیئے، اور اس قدر روئے کہ اس سے زیادہ کبھی آپ کو روتے نہیں دیکھا گیا۔"[5]

بیہقی نے "شعب الایمان"[6] میں اس روایت کو نقل کرتے ہوئے "یوم الفتح" کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ زیارت فتح مکہ کیلئے آتے ہوئے کی گئی تھی۔ مجموعۂ احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ آتے جاتے والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کرنا آپ ﷺ کا معمول تھا۔ حجۃ الوداع کے موقعے پر بھی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کے حوالے سے ایک حدیث سہیلی نے نقل کی ہے۔[7]

---

(4) الروض الانف، ج2، ص119۔

(5) مستدرک حاکم، ج2، ص661، حدیث8850۔

(6) شعب الایمان، ج11، ص469۔

(7) الروض الانف، ج2، ص121۔

سیدہ آمنہ کی قبر کہاں ہے؟

سیرت نگاروں کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ سیدہ آمنہ کی وفات مدینہ منورہ سے واپسی پر مقام ابواء میں ہوئی اور وہیں ان کو دفن کیا گیا۔ اس کے علاوہ جن مقامات پر سیدہ کی قبر کا کسی نے ذکر کیا ہے، خود سیرت نگاروں نے اس کا رد کیا ہے۔ مثال کے طور پر بلاذری "انساب الاشراف" میں کہتے ہیں: "بعض بصریوں کا خیال ہے کہ سیدہ آمنہ کی وفات مکہ میں ہوئی اور انہیں "شعب ابی دب" میں دفن کیا گیا۔"(1) بلاذری نے اس بات کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بات ثابت شدہ نہیں۔

اسی طرح ابن سعد نے "طبقات" میں ان لوگوں پر رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ سیدہ آمنہ کی قبر مکہ مکرمہ میں "الحجون" کے مقام پر ہے اور تصریح کی ہے کہ سیدہ کی قبر ابواء میں ہی ہے۔(2) لہٰذا یہ واضح ہے کہ سیدہ آمنہ کی وفات مدینہ سے واپسی پر ابواء کے مقام پر ہوئی اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا، جیسا کہ اوپر سیدہ آمنہ کی وفات کے ضمن میں تفصیلاً درج کیا گیا ہے۔

ذیل میں علاقہ "ابواء" کے محل وقوع کے حوالے سے قدیم وجدید جغرافیہ دانوں کی آراء کی روشنی میں مختصر تحقیق پیش کی جائے گی۔ اس کے بعد اس علاقے میں واقع امت کی اس عظیم ماں کی آخری آرام گاہ کے محل وقوع کے بارے میں دستیاب معلومات درج کی جائیں گی۔

ابواء کا محل وقوع

اولین سیرت نگار ابن اسحاق اور ابن ہشام کے شارح علامہ سہیلی نے اپنی کتاب میں ابواء کے بارے میں کئی جگہ معلومات درج کی ہیں۔ سیدہ آمنہ کی وفات کے بیان میں لکھتے ہیں: "ابواء، مکہ و مدینہ کے درمیان ایک مشہور جگہ ہے اور یہ مدینہ کے زیادہ قریب ہے۔"(3) اس کے بعد غزوۂ ابواء کے بیان میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ غزوۂ ابواء کا ایک نام غزوۂ ودّان بھی ہے۔ ودّان اور ابواء قریب قریب واقع ہیں اس لئے اس غزوۂ کے دونوں نام کتب میں آئے ہیں۔ یہ غزوۂ ہجرت کے گیارہویں ماہ پیش آیا اور یہ اسلام کی پہلی لڑائی

---

(1) انساب الاشراف، ج1، ص95۔

(2) الطبقات الکبری، ج1، ص94۔

تھی جس کیلئے رسول اللہ ﷺ خود نکلے۔ اس غزوہ میں لڑائی کی نوبت پیش نہیں آئی، مقصد قریش کے قافلۂ تجارت کا تعاقب تھا، جو ہاتھ نہ آسکا۔[4] کتبِ سیرت ومغازی میں تلاش کے باوجود کہیں پر اس بات کی وضاحت نہیں ملی کہ رسول اللہ ﷺ اس غزوہ کے موقعے پر اپنی والدہ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے یا نہیں؟ کیونکہ معمول یہی تھا کہ آتے جاتے قبر پر حاضری دیا کرتے تھے، جیسا کہ ماقبل میں لکھا گیا۔

معروف مسلم جغرافیہ داں یعقوب حموی نے ابواء کے متعلق اس سے زیادہ معلومات درج کی ہیں۔ "أبْوَاء" کے تلفظ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: "شروع میں الف پر زبر پھر باساکن ہے، پھر واو پر زبر کے ساتھ الف کو کھینچ کر پڑھنا ہے۔" اس کے بعد اس مقام کو ابواء کہنے کی وجہ لکھی جسے ہم اس سے پہلے سیدہ آمنہ کی وفات کے بیان میں حموی ہی کے حوالے سے لکھ چکے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ یہ مدینہ کے مشہور علاقے "الفُرع" کے علاقوں میں سے ایک علاقہ ہے۔ ابواء اور "جحفہ" جو کہ اہل شام کا میقات ہے، کے مابین مدینہ کی طرف سے تیئس میل کا فاصلہ ہے۔ یہاں ایک پہاڑی ہے جس کی وجہ سے اس سارے علاقے کا نام ابواء رکھا گیا ہے۔ یہ بنو خزاعہ اور بنو ضمرہ[5] کا علاقہ ہے۔ حموی نے سیدہ آمنہ کی قبر کے اس علاقے میں ہونے کی بھی تصریح کی ہے۔[6]

معروف سعودی مؤرخ وجغرافیہ داں عاتق بلادی سیرت طیبہ کے جغرافیائی مقامات کے حوالے سے اپنے مشہور انسائیکلوپیڈیا میں "ابواء" کے بارے میں کہتے ہیں: "اس مقام کا تذکرہ کتب سیرت میں متعدد جگہ آیا ہے جن میں ایک مقام غزوۂ ابواء کا بھی ہے۔" پھر ابواء کا جغرافیائی محل وقوع یوں بیان کرتے ہیں:

"ابواء 'تہامہ حجاز' یعنی حجاز کے ساحلی علاقوں کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے جس میں کثرت سے پانی اور فصلیں ہوتی ہیں۔ یہاں پانی اس لئے بھی

---

(3) الروض الانف، ج2، ص119۔

(4) الروض الانف، ج5، ص36۔

(5) والدہ ماجدہ محمد ﷺ، ص188۔

(6) انہی بنو ضمرہ سے رسول اللہ ﷺ نے غزوہ ابواء کے موقع پر معاہدہ کیا تھا کہ نہ رسول اللہ ﷺ ان کے خلاف لڑیں گے اور نہ وہ آپ کے خلاف اور نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے، اور یہ معاہدہ باقاعدہ تحریری طور پر کیا گیا۔ مزید دیکھئے "امتاع الاسماع" (ج1، ص73)۔

کثرت سے ہوتا ہے کہ ابواء کی ندی میں "فرع" اور "قاحہ" نامی دو اور ندیوں کا پانی بھی شامل ہو جاتا ہے۔ پھر ابواء ندی کا پانی "وادان" کے علاقہ کو اپنے بائیں جانب چھوڑتے ہوئے آگے بڑھتا ہے اور "ہرشی" کے علاقے کو بھی اسی سے پانی ملتا ہے۔ پھر یہ پانی "مستورہ" شہر سے ہوتا ہوا سمندر (بحیرۂ احمر) میں جا گرتا ہے۔" آج کل اس علاقے کا نام (عام لوگوں کے ہاں) "وادی خُرَیبہ" ہے البتہ اہلِ علم اور دانشوروں کے ہاں اب بھی "ابواء" ہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔[7]

مذکورہ تفصیل سے "ابواء" کا محل وقع یقیناً واضح ہو گیا ہو گا۔ اس میں "تہامہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تہامہ عربی زبان میں ساحل سمندر سے ملی ہوئی زمین کو کہتے ہیں۔ بحیرۂ احمر کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب کے جو علاقے لگتے ہیں انہیں "تہامہ" کہتے ہیں۔ تہامہ کے علاقوں کو جغرافیائی طور پر مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جو علاقے حجاز کے زیادہ قریب ہیں انہیں "تہامہ حجاز" کہا جاتا ہے اور جو یمن کے زیادہ قریب ہیں انہیں "تہامہ یمن" کہا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ سے اگر ابواء کو جانا ہو تو مدینہ سے مکہ مکرمہ جانے والی شاہراہ پر مدینہ سے جنوب کی سمت تقریباً دو سو (200) کلو میٹر اور اہل شام کے میقات "جحفہ" سے تقریباً پینتالیس (45) کلو میٹر کے فاصلہ پر یہ جگہ واقع ہے۔[8]

ابواء میں سیدہ آمنہ کی قبر کے مقام کی تعیین

بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ ابواء کے مقام پر جہاں حضرت رسالت مآب ﷺ کی والدہ ماجدہ آرام فرما رہی ہیں، وہ جگہ اور قبر مبارک کہاں ہے۔ خود ابواء کے علاقے سے بہت کم لوگ واقف ہیں اسی لئے اوپر ہم نے ابواء کا محل وقوع تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ بد قسمتی سے قبر مبارک پر تو آج تک حاضری نہ ہو سکی کہ اپنے مشاہدے کی روشنی میں قبر کے مقام کا تعین یہاں درج کر سکوں، البتہ جن حضرات کو اللہ نے

---

(7) البلادی، الحربی، عاتق بن غیث بن زوید (متوفی 1431ھ)، "معجم المعالم الجغرافیة فی السیرة النبویة": ص14، دار مکہ-مکہ المکرمہ، ط1، 1402ھ، 1982ء۔

(8) سیرت انسائیکلوپیڈیا، دار السلام ریسرچ سنٹر، ج2، ص81، دار السلام-ریاض ولاہور، اشاعت 1433ھ۔

یہ سعادت بخشی ہے ان کے حوالے سے اس کو لکھا جاتا ہے، چنانچہ پیر کرم شاہ الازہری "ضیاء النبی" میں اپنا مشاہدہ درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "قدیم شاہراہ جو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتی ہے، اس پر ایک گاؤں مستورہ کے نام سے آتا ہے جہاں ہوٹل اور قہوہ خانے ہیں۔ آنے جانے والی بسیں اور کاریں یہاں رکتی ہیں، مسافر چائے پیتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں۔ یہاں سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے دائیں طرف چند میل کے فاصلے پر ابواء کی بستی ہے۔ بستی سے باہر ایک اونچا ٹیلہ ہے، ارد گرد جھاڑیاں اور کیکر کے درخت اگے ہوئے ہیں۔ اس ٹیلے پر سیدہ آمنہ کا مزار پر انوار ہے۔ مزار کیا ہے، کالے پتھر توڑ کر ایک جگہ بے ہنگم سا ڈھیر لگا دیا گیا ہے۔ اس کے ارد گرد چار دیواری ہے، وہ بھی کالے پتھروں کو جوڑ کر بنا دی گئی ہے۔"(9)

پیر کرم شاہ صاحب کی یہ زیارت سن (1980ء) میں ہوئی جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے، اس وقت یہ نشانات موجود ہوں گے جو انہوں نے لکھے ہیں، مگر جنوری (1999ء) میں سعودی حکومت نے اپنے سابقہ وتیرے کے مطابق اس مقام کو مسمار کروا دیا تھا۔(10)

---

(9) الازہری، پیر، محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ج2، ص96، ضیاء القرآن پبلی کیشنز-لاہور، اشاعت 2018ء۔

(10) دیکھئے کتابچہ "سیدہ آمنہ اور مملکت سعودیہ کی ستم کاریاں" مرتبہ فاروق احمد علوی، مطبوعہ فیضان طیبہ لائبریری-لاہور، اشاعت اول مارچ (1999ء)۔

سیدہ آمنہ کے اشعار

سیدہ آمنہ کی سیرت وسوانح کا ہی ایک حصہ ان کی طرف منسوب اشعار بھی ہیں۔ کتبِ سیرت میں ایسے اشعار نقل کئے گئے ہیں جو مختلف مواقع پر سیدہ آمنہ نے کہے ہیں۔ ان اشعار کو یہاں نقل کرنا جہاں سیدہ آمنہ کی سیرت کے ایک باب کے طور پر ضروری ہے، وہیں ان اشعار سے سیدہ آمنہ کے خیالات اور بعض اعتقادات پر بھی روشنی پڑتی ہے جن کا جاننا سیدہ آمنہ کی سیرت کے ایک قاری کیلئے اہمیت سے خالی نہیں۔ یہ کتاب چونکہ اردو داں طبقے کیلئے لکھی گئی ہے، اس لئے گزشتہ صفحات میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ عربی عبارات کتاب میں درج نہ کی جائیں کہ اس سے اردو قاری کو کوئی فائدہ نہیں اور کتاب کا حجم خواہ مخواہ بڑھ جاتا ہے، لیکن اشعار کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ شعر کا لطف اس کے ترجمے سے حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ہر شعر کا کماحقہ ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ذیل میں پہلے اصل عربی اشعار نقل کئے جائیں گے اور پھر ان کا آسان اردو ترجمہ یا ترجمانی ذکر کی جائے گی۔ ظاہر ہے عربی سے صرف وہ قارئین مستفید و محظوظ ہو سکیں گے جو اردو کے ساتھ ساتھ عربی سے بھی واقف ہیں۔

سیدہ آمنہ کے جن اشعار کا ذکر کتب سیرت میں آیا ہے، ہماری تلاش وتتبع کے مطابق وہ بہت محدود ہیں، اس لئے اگر ان پر نظر ڈالی جائے تو صرف چند مواقع پر کہے گئے ان کے اشعار محفوظ رہ سکے ہیں۔ ان میں سے دو مواقع کے اشعار ہمیں مل سکے ہیں۔

پہلا موقع جس پر سیدہ آمنہ نے اشعار کہے، وہ ان کے شوہر اور حضرت رسالت مآب ﷺ کے والد ماجد جناب عبد اللہ کی وفات کا موقع تھا۔ ان میں سے بعض اشعار کا ترجمہ گزشتہ صفحات میں حضرت عبد اللہ کی وفات کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔ اصل عربی اشعار ملاحظہ فرمائیے:

عَفَا جَانِبُ الْبَطْحَاءِ مِنِ ابْنِ هَاشِمٍ وَجَاوَرَ لَحْدًا خَارِجًا فِي الْغَمَاغِمِ
دَعَتْهُ الْمَنَايَا دَعْوَةً فَأَجَابَهَا وَمَا تَرَكَتْ فِي النَّاسِ مِثْلَ ابْنِ هَاشِمٍ
عَشِيَّةَ رَاحُوا يَحْمِلُونَ سَرِيرَهُ تَعَاوَرَهُ أَصْحَابُهُ فِي التَّزَاحُمِ
فَإِنْ يَكُ غَالَتْهُ الْمَنَايَا وَرَيْبُهَا فَقَدْ كَانَ مِعْطَاءً كَثِيرَ التَّرَاحُمِ

یہ اشعار ابن سعد نے طبقات میں نقل کئے ہیں۔ اسی طرح بلاذری نے انساب الاشراف[1] میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد کا حوالہ اور ان اشعار کا ترجمہ ماقبل میں حضرت عبداللہ کی وفات کے ذیل میں گزر چکا ہے، علامہ محمد بن یوسف شامی نے "سبل الہدیٰ والرشاد"[2] میں دو اشعار کا اضافہ کیا ہے جو یہ ہیں:

أضحى ابن هاشم في مهماء مظلمةٍ في حفرةٍ بين أحجارٍ لدى الحصر
سقى جوانب قبرٍ أنت ساكنه غيثٌ أحمّ الذّرى ملآن ذو درر

"یعنی ہاشم کے بیٹے لق ودق صحرا میں قبر میں چلے گئے جو مقام حصر کے پاس پتھروں کے درمیان ہے۔ آپ کی قبر اور اس کی اطراف کو ایسا بادل سیراب کرے جو موتیوں کی طرح بہتے آنسوؤں جیسا ہو۔"

ان اشعار میں جہاں قدیم عربی زبان کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے وہیں ترجمے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس خوبصورتی سے سیدہ آمنہ نے اپنے غم کا اظہار کیا ہے۔ غم کے جو پہاڑ اس وقت آپ پر ٹوٹے تھے، اس کے نتیجے میں آنسوؤں کی جو برکھا برسی ہوگی، اس کی کچھ جھلک ان اشعار سے نمایاں ہو رہی ہے۔

دوسرا موقع جس پر سیدہ آمنہ نے اشعار کہے وہ خود ان کی وفات کا وقت تھا۔ مقام ابواء میں جب ان کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے بجائے مایوسی اور غم کے اظہار کے، اپنے عظیم بیٹے اور ہونے والے نبی کیلئے ایسے اشعار کہے جو واقعی ایک نبی کی ماں کے شایان شان ہیں، اشعار ملاحظہ فرمایئے:

بارك الله فيك من غلام يابن الذى من حومة الحمام
نجا بعون الملك المنعام فودى غداة الضرب بالسهام
بمائة من إبل سوام إن صح ما أبصرت فى المنام
فأنت مبعوث إلى الأنام من عند ذى الجلال والإكرام
تبعث فى الحل وفى الحرام تبعث بالتحقيق والإسلام
دين أبيك البر إبراهام تبعث بالتخفيف والإسلام
فالله أنهاك عن الأصنام أن لا توالها مع الأقوام

" میرے بیٹے! اللہ تجھے برکت دے، اے عظیم باپ کے فرزند! جس نے اللہ (جو کہ حقیقی بادشاہ اور تمام کائنات پر انعام کرنے والا ہے) کی عنایت ومہربانی سے موت سے

---

(1) انساب الاشراف، ج 1، ص 92۔

(2) ج 1، ص 332۔

اس دن نجات حاصل کی جس دن (ان کو ذبح کرنے کیلئے) قرعہ اندازی ہوئی، پھر ان کی طرف سے سو جوان اونٹ فدیہ میں دیئے گئے، اگر میرا خواب سچا ہوا تو تُو اللہ ذوالجلال والاکرام کی جانب سے لوگوں کیلئے نبی بنایا جائے گا، تجھے حرم اور اس کے باہر کے تمام علاقوں کیلئے نبی بنایا جائے گا، تو یقیناً نبی بنایا جائے گا، اسلام تیرے نیک والد ابراہیم کا دین ہے، تو سہولت اور نرمی کی صفات کے ساتھ نبی بنایا جائے گا اور اسلام تیرا دین ہوگا، تو بت پرست قوم کو کبھی اپنا دوست نہیں بنائے گا، میں تجھے اللہ کی قسم دے کر اس سے روکتی ہوں۔"(3)

ان اشعار میں جہاں حضرت آمنہ نے اپنے بیٹے کو اپنے والد ماجد کی عظمت یاد دلائی ہے وہیں اللہ کی طرف سے ان کے ایک عظیم نبی ہونے کی پیش گوئی بھی کی ہے جو اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کا امین ہوگا۔ ان اشعار سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سیدہ آمنہ نہ صرف دین حنیف، دین ابراہیم پر قائم تھیں اور شرک سے دور تھیں بلکہ وہ اپنے بیٹے کے نبی ہونے کا یقینی علم رکھتی تھیں۔ اللہ اگر انہیں آپ ﷺ کی نبوت کا زمانہ نصیب فرماتا تو وہ ضرور اہل ایمان میں سے ہوتیں۔ اس پر مزید بحث والدین کریمین کے ایمان کے عنوان کے تحت آئے گی۔

سیدہ آمنہ کے اشعار پر ایک مستقل کتاب مصر کے ایک عیسائی مؤلف عبد الناصر عیسوی نے لکھی ہے، جس کا نام "شعرالسيدة آمنة بنت وهب أم النبی ﷺ" ہے۔ یہ کتاب مصر کے ایک اشاعتی ادارے "الحضارة للنشر" سے (2008ء میں) شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی ابتداء میں مؤلف نے سیدہ آمنہ کے حالات زندگی درج کئے ہیں، اس کے بعد آپ کے اشعار درج کئے ہیں جو انہیں انتہائی تلاش و تتبع کے بعد ملے۔ چار مواقع کے اشعار انہوں نے درج کئے ہیں۔ دو مواقع تو وہی ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کئے، تیسرے حضرت آمنہ نے اپنے والد وہب بن عبد مناف کا مرثیہ بھی کہا تھا، اسے بھی انہوں نے لکھا ہے اور چوتھے آپ ﷺ کو خدا کی پناہ میں دینے سے متعلق

---

(3) سبل الہدی والرشاد، ج2، ص121، صاحب کتاب نے ان اشعار کو ابو نعیم کے حوالے سے نقل کیا ہے، مگر ابو نعیم کی "دلائل النبوة" اور دیگر دستیاب کتب میں کہیں پر بھی بندہ کو یہ اشعار نہیں مل سکے۔

ہیں۔ آخر پر انہوں نے حضرت آمنہ کے والد جناب وہب کے اشعار بھی درج کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب باوجود تلاش کے تاحال دستیاب نہیں ہو سکی، یہ معلومات ایک ویب سائٹ سے لی گئی ہیں جس کا لنک حاشیہ میں ملاحظہ فرمایئے۔[4]

---

(4) https://www.arabicnadwah.com/news/amena-essawi2-12-08.htm

والدین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں اہل السنہ کا راجح موقف

حقیقت یہ ہے کہ اس اس بحث کا تعلق سیرت سیدہ آمنہ سے براہ راست نہیں، یا یوں کہئے کہ اس بحث کو سیرت سیدہ آمنہ کا حصہ بنانا ضروری نہیں۔ اس بحث میں پڑنا ہی مناسب نہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی والدہ ماجدہ یا والد ماجد اس دنیا میں کس عقیدے کے ساتھ زندہ رہے اور کس عقیدے پر ان کی وفات ہوئی۔ حضرت رسالت مآب ﷺ سے پہلے ایک لمبا زمانہ ایسا گزرا ہے جس میں کوئی نبی اللہ کی طرف سے مبعوث نہیں ہوئے۔ اس زمانے میں ہزاروں لاکھوں لوگ ایسے ہوئے ہیں جن کے عقیدے سے متعلق جاننا نہ ہمارے ذمے ہے اور نہ ہی اسے جاننے سے دنیوی یا اخروی کوئی فائدہ ہمیں حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی اسے نہ جاننے سے ہمارا کچھ نقصان ہے۔ اس لئے ہمارا خیال یہ تھا کہ اس موضوع کو اس کتاب کا حصہ نہ بنایا جائے۔ لیکن سیرت سیدہ آمنہ پر مطالعہ کرتے ہوئے یہ بحث تقریباً سیرت کی ہر کتاب میں موجود پائی۔ اس سے بڑھ کر، اس موضوع پر اس کثرت سے لکھا گیا کہ مستقل ضخیم کتابیں اور لاتعداد مختصر رسائل وجود میں آگئے، حالانکہ خود سیرت سیدہ آمنہ پر کوئی کتاب ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ اس طرح یہ بحث سیرت سیدہ آمنہ کا ایک جزو لاینفک بن گئی ہے اور اب اس سے صرفِ نظر کرنا ایک طرح سے سیدہ آمنہ کے تذکرے کو نامکمل چھوڑنے کے مترادف ہو گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ کتاب چونکہ ایک عام قاری کو پیش نظر رکھ کر لکھی جا رہی ہے اس لئے اس بحث کو ٹھیٹھ علمی و تحقیقی انداز میں یہاں لکھنا نہ تو مقصود ہے اور نہ ہی مناسب اور نہ ہی طبیعت اس طرف مائل ہے کہ اس قدر قابل تعظیم و تکریم ہستیوں کے متعلق خامہ فرسائی کی جائے جن کا تذکرہ اور نام سنتے ہی جسم و روح کا رواں رواں ادب و احترام، عزت و تکریم کے جذبات سے جھک جاتا ہے اور ڈر لگتا ہے کہ اپنی رائے تو بہت دور کی بات، اکابر امت کی آراء نقل کرتے ہوئے بھی کہیں بے ادبی یا کم ادبی کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم کوشش کریں گے کہ اس بحث کو انتہائی اختصار کے ساتھ اہل السنہ کے مستند ترین علماء کی آراء کی روشنی میں تحریر کریں اور صرف اس رائے کو نقل کریں جو ان حضرات کے ہاں مستند اور قابل ترجیح ہے اور جس کے مطابق ایک عام مسلمان کو اپنی رائے رکھنی چاہئے۔

پہلے علماء میں سے اس موضوع پر سب سے زیادہ امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے۔ صرف اس موضوع پر ان کے چھ رسائل موجود ہیں جو الگ الگ بھی اور مجموعہ کی شکل میں بھی شائع ہوئے ہیں۔[1] ان رسائل میں ایک رسالہ "مسالک الحنفاء في والدي المصطفى" کے عنوان سے ہے۔ امام سیوطی نویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، اس رسالے میں انہوں نے گزشتہ امت کے علماء کا اس مسئلے میں جو جو مؤقف رہا ہے، اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ امت کے تمام قابل ذکر اور بڑے درجے کے علماء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں رہا کہ آپ ﷺ کے والدین العیاذ باللہ مشرک تھے اور حالت شرک وکفر میں ان کی وفات ہوئی اور اس وجہ سے وہ کبھی بھی جنت میں نہیں جائیں گے؛ بلکہ سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین جنتی ہیں اور پھر اسی مسلک پر انہوں نے تفصیلی دلائل دیئے ہیں۔[2] آخر میں لکھا ہے کہ اگر کسی کو ان دلائل پر اعتماد نہ ہو تو اس کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ اس مسئلے میں خاموش رہے اور رائے زنی نہ کرے کیونکہ کچھ بھی ہو، اگر والدین کریمین کا صاحب ایمان اور صحیح العقیدہ ہونا ثابت نہیں تو ان کا کفر یا شرک پر ہونا بالکل بھی ثابت نہیں۔ اس کے مقابلے میں ان کا شرک سے دور ہونا اور دین ابراہیمی پر ہونا پھر بھی ثابت ہے اگرچہ اس کے ثبوت کے دلائل پر بحث کی جاسکتی ہے؛ اور پھر خاموشی اس لئے بھی بہتر ہے کہ یہ مقام ادب ہے، مخالف رائے رکھنے سے حضرت رسالت مآب ﷺ کی ذات اقدس کو ایذا وتکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے جو ایمان کیلئے خطرے کا باعث ہے نیز اس مسئلے کا تعلق نہ تو عقیدے سے ہے اور نہ آخرت میں ہم سے اس بارے میں سوال ہوگا۔

---

(1) ان رسائل کے نام یہ ہیں: 1-مسالک الحنفاءفي والدي المصطفي.2- التعظيم والمنة في أن أبوي النبي في الجنة. 3- الدرج المنيفة في الآباء الشريفة. 4- نشر العلمين المنيفين في إحياء الأبوين الشريفين.5- المقامة السُندسية في النسبة المصطفوية.6- السُبل الجلية في الآباء العلية. بعض حضرات نے رسائل کی تعداد سات بتائی ہے اور ساتویں رسالے کا نام "الفوائد الكامنة فى ايمان آمنة" لکھا ہے، مگر تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ یہ ساتواں رسالہ اور پانچواں رسالہ ایک ہی ہیں، صرف نام مختلف ہیں۔ ان رسائل کے کئی ایڈیشن مارکیٹ میں موجود ہیں اور ان کے تراجم بھی کثرت سے کئے گئے ہیں، جس کے تفصیل آئندہ والدین کریمین کے ایمان سے متعلق لکھی جانے والی کتب کی فہرست میں دی جائے گی۔

(2) جن چند علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے، اس کی تفصیل مذکورہ رسائل میں موجود ہے، اہل علم رجوع فرماسکتے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس مسئلے میں بحث کرنے والے تمام کے تمام علماء دین متین، دین اسلام ہی کے حامی اور محافظ ہیں اور سب کے سب دین ہی کے احکام ونصوص کے تحفظ کیلئے اس بحث میں پڑے ہیں۔ ان میں سے کوئی کسی بھی رائے کا حامی ہو، اسے گمراہ کہنا یا اس وجہ سے اسے دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینا کبھی بھی علماء کا رویہ نہیں رہا۔ حتیٰ کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ والدین کریمین جنتی نہیں، انہیں بھی کسی نے دائرۂ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا کیونکہ کسی غیر مسلم کو بغیر کسی دلیل کے مسلمان ماننا بھی درست نہیں، اسی طرح کسی مسلمان کو بلاوجہ کافر کہنے پر بھی احادیث میں سخت وعید آئی ہے۔

اہل سنت کا راجح مؤقف

اس مسئلے میں اہل سنت کا راجح مؤقف یہی ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین جنتی ہیں، والعیاذ باللہ وہ جہنمی نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب یہ واضح ہے کہ آپ ﷺ کے والدین نے آپ کی نبوت کا زمانہ نہیں پایا اس لئے وہ آپ پر ایمان نہیں لائے تو پھر کس بنیاد پر انہیں جنتی قرار دیا جارہا ہے؟ اس سوال کے جواب میں علماء ومحدثین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق متعدد باتیں لکھی ہیں اور اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ انہی جوابات کے ضمن میں وہ تمام دلائل آجاتے ہیں جن سے بہت اچھی طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین کس بنیاد پر جنتی ہیں اور انہیں مشرک یا غیر مسلم قرار دے کر اہل جنت سے خارج سمجھنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

پہلی دلیل

آپ ﷺ کے والدین کریمین کے جنتی ہونے کی پہلی دلیل یا بنیاد یہ ہے کہ ان دونوں کا انتقال آپ ﷺ کی بعثت یعنی آپ کو نبی بنائے جانے سے پہلے ہوا، اور والدین کریمین کے زمانے میں کوئی نبی، اللہ کی طرف سے نہیں بھیجا گیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج دیں۔"[3] تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ تمام لوگ جن تک دین کی دعوت نہیں پہنچی، وہ آخرت میں نجات پانے والوں میں سے ہوں گے بشرطیکہ وہ لوگ اپنی اصل فطرت پر رہیں اور شرک میں

---

(3) سورۃ الاسراء (17):15۔

مبتلا نہ ہوں۔ ایسے تمام لوگ جن کی طرف کوئی نبی نہیں بھیجا گیا، یعنی ایک نبی کی وفات کے بعد دوسرے نبی کے آنے تک درمیان کے زمانہ کے لوگوں کو "اہل فترت" کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں ایک رائے تو یہی ہے جو اوپر نقل کی گئی، دوسری رائے یہ ہے کہ ان لوگوں کا آخرت میں امتحان لیا جائے گا، یعنی انہیں بھی دین حق پیش کر کے موقع دیا جائے گا، پھر ان میں سے جو ایمان لے آئیں گے وہ جنتی ہوں گے اور جو اس وقت بھی ایمان نہ لائیں گے انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ امام سیوطی نے اہل فترت کے متعلق آٹھ آیات قرآنیہ اور کئی احادیث نبویہ سے ثابت کیا ہے کہ اہل فترت کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا۔

حافظ ابن حجر نے اپنی بعض کتابوں میں اس طرف میلان ظاہر کیا ہے کہ حضور ﷺ کے وہ آباء جن کا انتقال آپ کی بعثت سے پہلے ہو گیا، انہیں آپ ﷺ کی خاطر قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور بطور امتحان ان پر اسلام پیش کیا جائے گا اور انہیں اطاعت کی توفیق بخشی جائے گی تاکہ آپ ﷺ کو خوشی نصیب ہو۔ الغرض آپ ﷺ کے والدین کریمین اہل فترت میں سے ہیں اور ان کی طرف دعوت بھی نہیں پہنچی اس لئے وہ اہل جنت میں سے ہیں۔

دوسری دلیل

آپ ﷺ کے والدین کریمین کے جنتی ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ کے والدین سے شرک بالکل بھی ثابت نہیں۔ وہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر قائم تھے، جیسا کہ اس زمانے کا ایک پورا گروہ اسی دین ابراہیمی پر قائم تھا جن میں زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہ شامل ہیں۔ امام فخر الدین رازی اسی بات کے قائل ہیں۔ امام رازی نے اس پر زبردست دلائل دیئے ہیں جن کا خلاصہ سیوطی نے اپنے مذکورہ رسالے میں نقل کیا ہے۔

شرک کا ثبوت تو یقیناً نہیں، البتہ اس کے مقابلے میں ان کا صحیح دین ابراہیمی پر ہونا بہت سی روایات سے ثابت ہے۔ ماقبل میں اس حوالے سے کئی اشارات درج کئے جا چکے ہیں مثلاً حضرت عبد المطلب کا اپنے بیٹے کا نام عبد اللہ رکھنا، متعدد خوابوں کی بنیاد پر ان کی شادی حضرت آمنہ سے کروانا، حضرت آمنہ کے اشعار جن سے بہت واضح طور پر ان کا دین ابراہیمی پر قائم ہونا ثابت ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ والدہ ماجدہ کو خاص طور پر اپنے بیٹے کے نبی ہونے کا یقین کی حد تک علم تھا، اگر وہ زندہ ہوتیں تو یقیناً آپ ﷺ پر ایمان لاتیں، جیسا کہ ماقبل میں بھی لکھا گیا ہے۔

تیسری دلیل

آپ ﷺ کے والدین کریمین کے جنتی ہونے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر خصوصی کرم فرماتے ہوئے آپ کے والدین کو آپ کی زندگی میں ہی دوبارہ زندگی بخشی پھر وہ آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے اور یوں وہ اہل ایمان میں داخل ہیں اور آخرت میں ان کا حشر ایمان والوں کے ساتھ ہوگا اور وہ جنتی ہی ہوں گے۔ آپ ﷺ کے والدین کے زندہ کئے جانے کا ثبوت کئی ایک احادیث سے ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ احادیث ضعیف ہیں مگر من گھڑت نہیں، اور متعدد سندوں کے ساتھ نقل ہونے کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ اس مسئلے میں انہیں دلیل بنایا جاسکے۔[4] محدثین کے ایک بہت بڑے گروہ کا خیال یہی ہے کہ ان جیسی احادیث کی بنیاد پر حضرت رسالت مآب ﷺ کے والدین کریمین جنتی ہیں۔ ان محدثین میں ابن شاہین، خطیب بغدادی، امام سہیلی اور امام قرطبی وغیرہ جیسے بڑے بڑے حضرات شامل ہیں۔

بعض صحیح احادیث جو اہل سنت کے راجح مسلک کے خلاف ہیں

اہل سنت کے راجح مؤقف کے مقابلے میں عام طور پر صحیح مسلم کی بعض احادیث کو پیش کیا جاتا ہے جن کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خود اپنے والد ماجد کے بارے میں فرمایا کہ وہ جہنم میں ہیں، یا اپنی والدہ کے بارے میں فرمایا: "میں نے ان کی بخشش کی دعا مانگنے کی اجازت چاہی تو مجھے نہیں ملی۔" ایسی احادیث کی وضاحت ضروری ہے کیونکہ عام طور پر ایسی احادیث کی وجہ سے شکوک وشبہات پیدا ہوتے بھی ہیں اور پیدا کئے بھی جاتے ہیں۔ ان کی وضاحت اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ ایک عام آدمی کو مذکورہ مؤقف کے متعلق کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ ذیل میں پہلے وہ احادیث نقل کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان کی وضاحت کی جائے گی۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

> "ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد کہاں ہیں، فرمایا کہ جہنم میں، پھر جب وہ منہ پھیر کر چل دیا تو اسے بلایا

---

(4) ایسی تمام احادیث کے متعلق بحث کو امام سیوطی نے اپنے رسالے "نشر العلمين المنيفين في إحياء الأبوين الشريفين" میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے، اہل علم اس رسالہ کو ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

اور فرمایا کہ میرے اور تیرے دونوں کے والد جہنم میں ہیں۔"(5)

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اور اس قدر روئے کے اپنے آس پاس والے لوگوں کو بھی رلا دیا، اس کے بعد فرمایا:

"میں نے اپنے پروردگار سے اجازت چاہی کہ میں اپنی والدہ کی بخشش طلب کروں تو مجھے اجازت نہیں ملی، اور میں نے اللہ سے اجازت چاہی کہ مجھے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت عنایت فرمائیں تو مجھے اجازت دی گئی، پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہیں۔"(6)

پہلی حدیث کے مضمون کی اور احادیث بھی کتب حدیث میں آئی ہیں جن میں آپ نے کسی سائل کے جواب میں فرمایا کہ تیری ماں دوزخ میں ہے، کسی سے فرمایا کہ تیرا باپ دوزخ میں ہے، ان کے بارے میں علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ احادیث خود دیگر احادیث کے معارض ہیں جن میں آپ ﷺ نے مردوں کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے کہ اس سے ان کے لواحقین کو تکلیف ہوتی ہے، تو یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ ایسا کام کریں جس سے دوسروں کو منع کرتے ہوں، اور پھر کسی کے باپ یا ماں کو ایسا کہنے سے اس کی دل آزاری ہوتی ہے جو کہ اخلاق نبوی سے بہت بعید چیز ہے۔ کیا یہ بات ماننے کے قابل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی شخص کی دل آزاری کریں گے؟ اس لئے مذکورہ حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث کو محض تشبیہ و تمثیل تک محدود سمجھا جائے گا، یہ کہا جائے گا کہ اس شخص کا دل رکھنے اور اسے تسلی دینے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے والد یا والدہ کا تذکرہ بطور مثال فرما دیا ہے۔

اوپر ذکر کردہ صحیح مسلم کی دوسری حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے والدہ کی بخشش کی دعا مانگنے کی اجازت چاہی تو اجازت نہیں ملی مگر قبر پر جانے کی اجازت مل گئی، بخشش کی دعا کی اجازت نہ ملنے سے عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ایسا سیدہ آمنہ کے کفر اور شرک کی وجہ سے ہوا کیونکہ قرآن پاک میں اللہ نے مشرکین کیلئے دعائے مغفرت کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ سورہ توبہ میں ہے:

---

(5) صحیح مسلم، حدیث 347۔

(6) صحیح مسلم، حدیث 976۔

"نبی اور ایمان والوں کیلئے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کیلئے بخشش کی دعا کریں اگرچہ وہ (مشرکین) ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، بعد اس کے کہ ان کیلئے واضح ہو چکا کہ وہ (مشرکین) جہنمی ہیں۔"(7)

اس اشکال کا جواب ایک تو یہ دیا جاتا ہے کہ حدیث مبارکہ میں جو واقعہ آیا ہے وہ صلح حدیبیہ کے موقعے پر پیش آیا اور سورہ توبہ کا نزول اس کے بعد ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ مشرکین کیلئے جیسے دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں، ایسے ہی ان کی قبر پر جانے کی بھی اجازت نہیں۔ چنانچہ سورہ توبہ ہی میں ان کی قبر پر کھڑے ہونے کی ممانعت آئی ہے۔(8) اگر دعا سے ممانعت العیاذ باللہ سیدہ آمنہ کے کفر اور شرک کی وجہ سے تھی تو ان کی قبر پر کھڑے ہونے کی اجازت بھی نہیں ملنی چاہئے تھی۔ یہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ بخشش کی دعا کی اجازت نہ ملنے کی وجہ کفر و شرک نہیں تھی بلکہ وجہ کچھ اور ہو گی، کیونکہ تین قسم کے لوگوں کیلئے استغفار کی مستقل ممانعت ہے، کافر، مشرک اور کھلا منافق۔ ایک چوتھی قسم بھی ہے جس کیلئے دعا کی ممانعت عارضی ہے اور وہ مدیون و مقروض شخص ہے، اس کیلئے دعا کی ممانعت اس وقت تک ہے جب تک کہ قرض ادا نہ ہو جائے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی دعا فوری جنت کی ضمانت ہے اس لئے مقروض و مدیون کیلئے آپ ﷺ کو اس وقت تک دعا سے روکا گیا جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔

بہر حال مذکورہ نصوص میں تعارض کی وجہ سے اس ممانعت کو پہلی تین قسموں (کفر، شرک اور نفاق) کے بجائے چوتھی اور عارضی قسم کے متعلق سمجھا جائے گا کہ اس ممانعت کی کوئی عارضی وجہ ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اسی روایت کو نقل کیا ہے مگر اس میں استغفار سے ممانعت کا ذکر نہیں، اور آپ ﷺ کے رونے کی وجہ رحمت اور والدہ ماجدہ سے تعلق کو قرار دیا گیا ہے نہ کہ دعائے مغفرت کی اجازت نہ ملنے کو، اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"جب رسول اللہ ﷺ عمرہ حدیبیہ میں ابواء کے مقام سے گزرے تو فرمایا کہ اللہ نے محمد ﷺ کو اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت دے دی ہے، پھر آپ اپنی ماں کی قبر پر تشریف لے گئے اسے درست فرمایا اور قبر کے پاس اس قدر روئے کہ آپ کے

---

(7) سورۃ توبہ (9):113۔

(8) سورۃ توبہ (9):84۔

رونے کی وجہ پاس موجود صحابہ کرام بھی رو دیئے، پس آپ سے رونے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ مجھے اپنی والدہ کے تعلق نے آلیا تھا، اس لئے میں رو دیا"۔ (9)

خلاصہ مبحث

اس مسئلے میں مباحث بہت طویل ہیں اور لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور جانبین سے دلائل اور ان کا رد بھی لکھا گیا ہے، جس کا عام فہم خلاصہ اوپر لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس خلاصے کا بھی اگر خلاصہ لکھا جائے تو وہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں احتیاط یہ ہے کہ چپ رہا جائے اور کسی قسم کی بحث و مباحثے میں نہ پڑا جائے کیونکہ یہ ان مسائل میں سے نہیں جو ایمان کا لازمی جزو ہوں اور آخرت میں ان کے بارے میں پوچھا جائے گا؛ اور اگر کوئی موقف رکھا جائے تو والدین کریمین کے ایمان کا رکھا جائے کیونکہ عدم ایمان کے دلائل کے مقابلے میں ایمان کے دلائل زیادہ قوی اور مضبوط ہیں اور ذات رسول مقبول ﷺ سے تعلق اور محبت کا فطری تقاضا بھی یہی ہے۔

تمام مباحث کو بقدر استطاعت پڑھنے کے بعد بندۂ ناچیز اسی نتیجے پر پہنچا ہے، اگر اس میں کسی قسم کی کوئی غلطی یا بے ادبی کا پہلو نکلتا ہے تو اللہ ہمیں معاف فرمائے اور اگر صحیح لکھا گیا ہے تو یہ اسی کا فضل ہے۔ ایک مرتبہ پھر یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو کچھ لکھا گیا وہ اہل علم کیلئے نہیں، علمی مباحث اس کتاب میں کرنا مناسب بھی نہیں۔ اہل علم کیلئے نیز اگر عوام میں سے کوئی مطالعہ کرنا چاہے تو اس کیلئے بھی اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب و رسائل کی مختصر فہرست اس کے متصل بعد دی جارہی ہے جس میں ہر کتاب کے متعلق ضروری تفصیلات بھی درج کی جائیں گی۔ ان کتب کو حاصل کر کے پڑھا جاسکتا ہے۔

والدین کریمین کے ایمان کے مسئلے پر لکھی جانے والی کتب

سب سے پہلے اس مسئلے پر لکھی جانے والی عربی کتب کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ اہل علم اگر مراجعت کرنا چاہیں تو ان کیلئے سہولت رہے۔

---

(9) الطبقات الکبری، ج 1، ص 94۔

عربی کتب

1. مسالک الحنفاءفي والدي المصطفي.
2. التعظيم والمنة في أن أبوي النبي في الجنة.
3. الدرج المنيفة في الآباء الشريفة.
4. نشر العلمين المنيفين في إحياء الأبوين الشريفين.
5. المقامة السُندسية في النسبة المصطفوية.
6. السُبل الجليّة في الآباء العليّة.

یہ چھ کے چھ رسائل امام سیوطی کے ہیں۔ آپ کا پورا نام عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین سیوطی ہے۔ آپ کی وفات 911ھ میں ہوئی۔ یہ چھ رسائل الگ الگ بھی شائع ہوئے اور مجموعے کی شکل میں دارالکتب العلمیہ بیروت سے حسین محمد علی شکری کی تحقیق کے ساتھ بھی شائع ہوئے ہیں۔ مجموعے کا نام "رسائل الإمام الحافظ جلال الدين السيوطى فى نجاة والدي المصطفى" رکھا گیا ہے۔ یہ مجموعہ سن 2010ء میں شائع ہوا ہے۔

7. أدلة معتقد أبي حنيفة في أبوي الرسول عليه الصلاة والسلام، على بن سلطان محمد، الملا على القارى،(ت1014ھ) تحقيق:مشهور حسن بن سلمان،مكتبة الغرباء الأثرية-السعودية،ط1،1413ھ،1993ء۔

ملا علی قاری ہرات افغانستان میں پیدا ہوئے اور زندگی کے زیادہ ایام مکہ مکرمہ میں گزارے اور وہیں وفات پائی۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، سوانح اور تاریخ کوئی علم ایسا نہیں جس میں آپ نے کوئی تصنیف نہ فرمائی ہو۔ آپ اس مسئلے میں درج بالا کتاب لکھی، اس کی بنیاد امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کتاب "فقہ اکبر" کی ایک عبارت ہے جسے بنیاد بنا کر یہ ثابت کیا ہے کہ والدین کریمین کے مسئلے میں حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ و نظریہ یہ تھا کہ وہ کفر پر فوت ہوئے لہٰذا انہیں جنتی نہیں کہا جاسکتا۔ پھر امام صاحب کے عقیدے کی تائید کیلئے ملا علی قاری نے قرآن و سنت کی نصوص سے بہت سے دلائل جمع کئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ماقبل میں ذکر کردہ امام جلال الدین سیوطی

کے رسائل میں پیش کردہ دلائل کا بھی تفصیل سے رد کیا ہے۔ ملا علی قاری اپنا بلند مقام و مرتبہ کے باوجود اپنی اس کتاب کی وجہ سے ہمیشہ تنقید کی زد میں رہے ہیں۔

ملا علی قاری کی اس کتاب کی وقعت اس وقت کچھ بھی باقی نہیں رہتی جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انہوں نے "فقہ اکبر" کی جس عبارت کی بنیاد پر یہ مسئلہ اٹھایا تھا وہ دراصل اس کی عبارت ہی نہیں بلکہ وہ کاتب کی غلطی ہے[10] نیز اس پر بھی بحث ہے کہ "فقہ اکبر" واقعی امام ابو حنیفہ کی کتاب ہے یا نہیں نیز ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ میں نے جو موقف دیا ہے، یہ امت کا اجماعی موقف ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا۔ ملا علی قاری کے اس رسالے پر بہت لوگوں نے رد لکھا ہے اور خود ملا علی قاری سے اس مسئلے میں اپنے موقف سے رجوع ثابت ہے۔ مزید کتب کے نام ملاحظہ فرمایئے:

8. تحفة الصفا فيما يتعلق بأبوي المصطفي، احمد بن عمر الديربي (ت 1151ھ)۔[11]
9. الدر اليتيم في ايمان آباء النبي الكريم،حافظ شاه على انور الكاكورى،مطبوعه رياست رام پور،انڈيا۔
10. تقديس آباء النبي، القاضى ثناء الله بانى بتى۔

اردو کتب

والدین کریمین کے ایمان کے مسئلے پر ذکر کردہ کئی ایک عربی کتب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے، ان تراجم کے نام، مع نامِ مترجم بھی اردو کتب کے ضمن میں لکھے جائیں گے تاکہ اردو داں طبقے کیلئے سہولت ہو جائے۔ یہ واضح رہے کہ اس فہرست میں اس موضوع کی تمام کتب کا احاطہ مقصود نہیں بلکہ صرف دستیاب کتب کی فہرست دی جا رہی ہے۔

---

(10) یہ بات شیخ زاہد الکوثری نے امام ابو حنیفہ کی کتاب "العالم والمتعلم" کے مقدمہ میں "فقہ اکبر" کے قلمی نسخوں کے حوالے سے ثابت کی ہے۔ دیکھئے "مقدمات الکوثری": ج1، ص169-170، دار الثریا-دمشق، ط1، 1418ھ 1997ء۔

(11) ذکرہ الزرکلی فی الاعلام، ج1، ص188۔

1. حضور ﷺ کے والدین کا بارے میں اسلاف کا مذہب، مفتی محمد خان قادری، حجاز پبلی کیشنز-لاہور، اشاعت 1420ھ، 1999ء۔[12]
2. ایمان والدین مصطفیٰ (مجموعہ رسائل) اس مجموعہ میں نو عربی رسائل کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ مصنف اور پبلشر سابقہ کتاب والے ہیں، 2012ء میں شائع ہوئی ہے۔[13]
3. ابوین مصطفیٰ، شیخ الحدیث محمد فیض احمد اویسی، مکتبہ اویسیہ رضویہ-بہاولپور، طباعت دوم، 1999ء۔
4. ایمان والدین مصطفیٰ اور قرآن، افادات مفتی محمد عنایت اللہ قادری، تحقیق ڈاکٹر محمود احمد ساقی، مرکزی مجلس احناف-لاہور، اشاعت دوم 2002ھ۔
5. تقدیس والدین مصطفیٰ، مترجم ڈاکٹر محمود الحسن عارف، مرکز الادب الاسلامی-لاہور۔
6. قرآن اور وجاہتِ والدین مصطفیٰ، پروفیسر ڈاکٹر محمد صداقت علی فریدی، بینکوئٹ پریس-لاہور اشاعت 1463ھ، 2015ء۔
7. دین آباء النبی، سید حشمت حسین جعفری، مکتبہ افکار اسلامی-حیدرآباد پاکستان، طباعت اول 1967ء۔
8. الدر الیتیم فی آباء النبی الکریم مترجم، ترجمہ از مولوی محمد تقی حیدر، مطبوعہ ریاست رامپور- انڈیا۔

---

(12) یہ دراصل سیوطی کے رسالہ "مسالک الحنفاء" کا اردو ترجمہ ہے۔

(13) اس مجموعے میں اوپر ذکر کئے گئے سیوطی کے چھ رسائل کا اردو ترجمہ ہے، اور اس کے ساتھ تین مزید رسائل کا بھی اردو ترجمہ اس میں شامل کیا گیا ہے۔

9. شفاعة النبي لأبوي النبي یعنی نبی ﷺ کا اپنے والدین کی شفاعت کرنا۔ اردو رسالہ مشمولہ علمی و تحقیقی رسائل، جلد دوازدہم (12)، مصنف مفتی محمد رضوان، ادارہ غفران–روالپنڈی، طباعت اوّل 1441ھ، 2020ء۔

10. شمول الإسلام لأصول الرسول الكرام (رسول کریم ﷺ کے آبا واجداد کرام کا مسلمان ہونا) اردو رسالہ مصنفہ احمد رضا خان صاحب بریلوی، مشمولہ "فتاوی رضویہ" ج30، ص267 تا 306، مطبوعہ رضاء فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ–لاہور، اشاعت 1426ھ، 2005ء۔

عرب شعراء کا نذرانۂ عقیدت بحضور سیدہ آمنہ

شاعری کی اصناف میں سے ایک صنف "نعت" بھی ہے جو نبی اکرم ﷺ کی مدح و تعریف کے ساتھ مخصوص ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مدح میں اشعار کہنے کا سلسلہ آپ کی حیاتِ طیبہ سے ہی شروع ہو گیا تھا پھر ہر زمانے میں شعراء اپنے اپنے ذوق کے مطابق ذات اقدس سے اپنے والہانہ تعلق و محبت کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ نعت کے ضمن میں جہاں آپ ﷺ کے آل و اہلبیت کا ذکر ملتا ہے وہیں آپ کے آباو اجداد اور امہات (ماؤں) کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ آباء اور امہات میں خاص طور پر سیدہ آمنہ کا تذکرہ کئی قدیم عرب شعراء کے ہاں بھی ملتا ہے جس میں انہوں نے سیدہ آمنہ کے فضائل و مناقب اور تعریف و مدح کو اپنے اپنے ذوق کے مطابق اجاگر کیا ہے۔ ان مدحیہ اشعار کو بطور تکملہ یہاں نقل کرنا یقیناً سیرت سیدہ آمنہ نہ صرف مکمل کرے گا بلکہ اس سے مسلمانوں کے ہاں سیدہ آمنہ کے مقام بلند کا بھی بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

زمانۂ نبوت کے شعراء میں حضرت حسان، کعب بن مالک اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نہایت مشہور ہیں اور کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان تینوں نے کفار مکہ کی ہجویہ شاعری کا بہترین جواب مختلف مواقع پر دیا ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار میں سیدہ آمنہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ سب سے پہلے انہی کے اشعار ذکر کئے جائیں گے پھر اس کے بعد بعض اہم عرب شعراء کا کلام ذکر کیا جائے گا۔ سیدہ آمنہ کے متعلق کہے گئے تمام اشعار کو یہاں جمع کرنا ہرگز مقصود نہیں، صرف چنیدہ اشعار پیش کئے جائیں گے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا دیوان نہایت عمدہ تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ اس میں سے چند اشعار سیدہ آمنہ کے متعلق پیش خدمت ہیں:

يَا بِكْرَ آمِنَةَ الْمُبَارَكَ ذِكْرُهُ ... وَلَدَتْكَ مُحْصَنَةً بِسَعْدِ الْأَسْعُدِ

نُوراً أَضَاءَ عَلَى الْبَرِيَّةِ كُلَّهَا ... مَنْ يُهْدَ لِلنُّورِ الْمُبَارَكِ يَهْتَدِ

"اے آمنہ کے سب سے پہلے بیٹے (پہلوٹی کے فرزند)، جس کا تذکرہ نہایت مبارک ہے، آمنہ نے تجھے اس حال میں جنا کہ وہ پاک باز خاتون تھیں، نہایت نیک بخت بچے کو اس نے جنا، ایک ایسے نور کو جنم دیا جس نے تمام مخلوق کو اپنے نور سے روشن کر دیا، جو

بھی اس بابرکت نور سے ہدایت حاصل کرتا ہے ہدایت پاجاتا ہے۔"[1]

سیرت کی بنیادی کتاب سیرت ابن اسحاق میں نضر بن حارث کی بہن قتیلہ بنت حارث کا مرثیہ نقل کیا ہے جو اس نے اپنے بھائی کے غزوۂ بدر میں قتل ہونے پر کہا تھا، اس کے ایک شعر سے آپ ﷺ کی والدہ سیدہ آمنہ اور والد جناب عبد اللہ کی مدح چھلکتی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے جانی دشمن بھی آپ کی خاندانی شرافت و نجابت کے قائل تھے، وہ کہتی ہے:

أمحمد يا خير ضِنْءٍ كريمة في قومها والفحل فحل مُعرَّق

"اے محمد، اے اس عورت کی بہترین نسل جو اپنی قوم میں نہایت باعزت تھی اور اس کا شوہر کم گوشت والا (دبلا، بہادر) شخص تھا۔"[2]

والدین کریمین کی اس مدح کے بعد اس نے اگلے شعر میں اپنے بھائی کو معافی نہ دینے کا گلہ کیا ہے، کتب سیرت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ اشعار پہنچے تو فرمایا اگر اس کے قتل سے پہلے مجھ تک یہ اشعار پہنچ جاتے تو میں اسے معاف کر دیتا۔[3]

ماقبل میں سیدہ آمنہ کی وفات کے بیان میں ام سماعہ بنت ابی رہم کے حوالے سے سیدہ آمنہ کے وہ اشعار نقل کئے گئے جو انہوں نے مقام ابواء میں وفات سے قبل اپنے لخت جگر کیلئے کہے، یہی ام سماعہ کہتی ہیں کہ جب سیدہ کی وفات ہوگئی تو ہم نے جنات کو ان پر نوحہ کناں پایا۔ جنات کے نوحے کے چند اشعار ہمیں یاد رہ گئے، اس کے بعد وہ کئی اشعار بیان کرتی ہیں، جن میں سے چند اشعار ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں، ان اشعار میں سیدہ آمنہ کی شخصیت کے اوصافِ حمیدہ کو اجاگر کیا گیا ہے:

نبكي الفتاة البرة الأمينة ذات الجمال العفة الرزينة
زوجة عبد الله والقرينة أم نبي الله ذي السكينة
وصاحب المنبر بالمدينة صارت لدى حفرتها رهينة

"ہم اس نوجوان خاتون پر روتے ہیں جو امانت دار، ظاہری حسن و جمال والی، اور پاکدامن اور خاموش طبیعت والی تھی، عبداللہ کی زوجہ اور ساتھی، اللہ

---

(1) دیوان حسان بن ثابت، ج1، ص269، تحقیق: ڈاکٹر ولید عرفات، دار صادر-بیروت، ط:2006ء۔

(2) سیرۃ ابن ہشام، ج2، ص42۔

(3) سبل الہدیٰ والرشاد، ج4، ص63۔

کے اس نبی کی ماں جو رحمت والے اور مدینہ میں صاحب منبر ہوں گے، وہ اپنی قبر میں گروی رکھ دی گئی ہے۔"(4)

قصیدہ بردہ جیسے عظیم کلام کے تخلیق کار امام بوصیری نے سیرت طیبہ کے متعلق ایک اور قصیدہ بھی کہا ہے جس کا نام "قصیدہ ہمزیہ" ہے۔ اس قصیدے کے بعض اشعار سے سیدہ آمنہ کی منقبت عیاں ہوتی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

فهنيئا به لآمنة الفـ ـضل الذي شرفت به حواء
من لحواء أنها حملت أحـ ـمد أو أنها به نفساء
يوم نالت بوضعه ابنة وهـ ـب من فخار ما لم تنله النساء
وأتت قومها بأفضل ممّا حملت قبل مريم العذراء

"سو مبارک ہو آمنہ کو وہ فضیلت جس کی وجہ سے حضرت حوّا کو بھی شرف و عزت ملی، بنت حوّا کو کون خوشخبری دے کہ وہ شکم میں احمد ﷺ کو اٹھائے ہوئے ہے یا اسے جنم دینے کا شرف حاصل کر چکی ہے۔ اس دن جب وہب کی بیٹی نے آپ ﷺ کو جنم دے کر ایسا فخر پایا جو عورتوں میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا، وہ اپنی قوم کے پاس ایسے افضل ترین بچے کو لے آئیں جو اس بچے سے بھی افضل ہے جسے کنواری مریم اپنی قوم کے پاس اٹھا لائی تھیں۔"

عربی زبان میں نعت گوئی کا اولین سہرا اگرچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سر بندھتا ہے جنہیں شاعرِ دربارِ نبوی ﷺ بھی کہا جاتا ہے، لیکن عربی نعت گوئی کو بام عروج پر پہنچانے کا شرف صَرصَری (متوفی656ھ)، بوصیری (متوفی696ھ) اور بُرَعی (متوفی803ھ) رحمہم اللہ کو حاصل ہوا ہے۔ (بوصیری رحمہ اللہ کے بعض اشعار ابھی نقل ہوئے۔) ان میں سے ہر شخص نعتِ نبوی میں مستقل صاحب دیوان ہے، ان حضرات کے حالات زندگی کے بیان کا یہ موقع نہیں وگرنہ ان کے تذکرے سے اس کتاب کو معطر و مزین کیا جاتا۔ ان تین حضرات کے بعد عربی نعت گوئی میں اگر کسی کا نام بجا طور پر فخر سے لیا جا سکتا ہے تو وہ نبہانی ہیں، پورا نام یوسف بن اسماعیل النبہانی ہے، آپ کی وفات 1350ھ میں ہوئی۔

---

(4) ابو نعیم "دلائل النبوہ" بحوالہ "شرح الزرقانی علی المواہب"، ج1، ص312۔

نبھانی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ان تین حضرات کے کلام سمیت اپنے زمانے تک کے میسر تمام نعتیہ کلام کو جمع کرنے کی ایک قابل داد کوشش کی ہے، اس مجموعے کا نام انہوں نے "المجموعة النبهانية" رکھا ہے۔ یہ مجموعہ چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ اسی مجموعے میں نبھانی نے اپنا کلام بھی شامل کیا ہے، اس مجموعے کا تعارف ایک مستقل مضمون کا تقاضا کرتا ہے جس کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی۔ البتہ، اس مجموعے سے نبھانی کے بعض اشعار پیش خدمت ہیں۔

بوصیری کے قصائد میں ایک "قصیدہ دالیہ" بھی ہے، نبھانی نے بھی اسی طرز پر ایک قصیدہ دالیہ کہا ہے، تقریباً تین سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے بہت سے اشعار آپ ﷺ کے والدین کریمین کے متعلق ہیں، ان میں سے بعض اشعار ملاحظہ فرمایئے:

أعلى قريشٍ حَسباً ونَسبا وَأجملَ الناسِ بهاءاً ونبا
والنور في جَبينه ذو وقدِ زوّجهُ أبوهُ خير حرّةٍ
آمنةَ الحصانَ أبهي درّةٍ لِعينِ وَهبٍ هيَ خيرُ قرّةٍ
عبدُ منافٍ جدّها اِبنُ زهرةٍ يَجمعهما كلاب جدّ الجدِّ
أكرِم بها عقيلةً ومجّدِ أكرِم بذاك الفحل زاكي المحتدِ
ما مثلُهُ ما مثلها من أحدِ حازَ جميعَ المجد كلّ السؤددِ

"آپ ﷺ کے والد (عبداللہ) قریش میں حسب و نسب میں سب سے بڑھ کر تھے، اور حسن و خوبصورتی کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھے، اور نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا، ان کے والد (عبد المطلب) نے ان کی شادی بہترین عورت سے کرائی جو کہ انتہائی پاکدامن آمنہ ہے جو اپنے والد وہب کا سب سے خوبصورت موتی اور اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، جس کا دادا عبد مناف ہے جو زہرہ (بن کلاب) کا بیٹا ہے، زہرہ اور عبد مناف کا نسب کلاب پر جا کر جمع ہو جاتا ہے، کیا ہی زبردست شرافت و بزرگی والی بیوی ہے اور کیا ہی بزرگی و پاکیزہ نسل والا شوہر ہے، نہ اس جیسا کوئی مرد ہے اور نہ اس جیسی کوئی عورت جس نے تمام عزت و بزرگی اور سرداری اپنے حق میں اکٹھی کر لی ہو۔"

اس کے بعد بھی کئی اشعار تک والدینِ کریمین ہی کا مبارک تذکرہ ہے طوالت کے خوف سے ان تمام اشعار کو یہاں ذکر نہیں کیا جارہا۔ آخر میں مشہور نابینا شاعر صرصری (متوفی 656ھ) کے بعض اشعار کا تذکرہ کرکے ہم اس موضوع کو سمیٹتے ہیں، والدین کریمین کے سلسلے میں وہ کہتے ہیں:

وأحرز النور عبد الله فهو به ناج من الذبح تفديه الشماليل
ثم استقلت به الزهراء آمنة الحصا نُ لم يلقها في الحمل تثقيل

"اور نور (نبوت) کو عبد اللہ نے محفوظ کیا پس وہ اسی نور کی وجہ سے ذبح سے نجات پاگئے، ان کے بدلے تیز رفتار اونٹنیاں فدیہ میں دی گئیں، پھر اس نور کی تنہا مالک بنی نہایت حسین وپاکدامن آمنہ، اسے حمل میں کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوا"۔ (5)

آپ ﷺ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے چہرے پر ایک خاص قسم کے نور کے موجود ہونے کا ذکر، جسے بعض سیرت نگار نورِ نبوت اور بعض نورِ محمدی سے تعبیر کرتے ہیں، مختلف مستند روایات سے ثابت ہے۔ ایسی بعض روایات کا تذکرہ جناب عبد اللہ کے تذکرہ میں ماقبل میں ہو چکا ہے۔ ان اشعار میں اسی نور کی طرف اشارہ ہے۔ مجموعہ نبہانیہ کو اگر کھنگالا جائے تو اس طرح کے بیسیوں اشعار اس میں سے برآمد ہوں گے جن میں والدین کریمین اور خاص طور پر سیدہ آمنہ کی مدح وستائش اور اوصافِ جمیلہ کا تذکرہ ہے۔

---

(5) النبهاني، يوسف بن اسماعيل، المجموعة النبهانية، ج3، ص23، دار الكتب العلمية - بيروت، ط1، 1996ء۔

منظوم خراج عقیدت بزبان اردو

اردو شاعری سے کبھی زیادہ دلچسپی نہیں رہی اور نہ ہی زیادہ شعراء کے کلام سے واقفیت ہے۔ سیدہ آمنہ کے حوالے سے اشعار کے انتخاب کیلئے جب اردو شاعری کا سرسری جائزہ لیا تو کچھ زیادہ مواد نہیں مل سکا، اور جو کچھ ملا ہے وہ آپ ﷺ کی مدح و نعت کے ضمن میں ہے، نعت گو حضرات نے "آمنہ کے لال"، "جگر گوشۂ آمنہ"، "گوہر آمنہ" اور "آمنہ کا جایا" جیسے الفاظ کثرت سے استعمال کئے ہیں۔

حفیظ جالندھری کہتے ہیں:

سلام اے آمنہ کے لال محبوبِ سبحانی
سلام اے فخر موجودات، فخر نوع انسانی

عارف رحمانی کہتے ہیں:

اے جگر گوشۂ آمنہ السلام
حاصل مقصد دوسرا، السلام

مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

وہ کنواری پاک مریم، وہ نفخت فیہ کا دم
ہے عجب نشان اعظم مگر آمنہ کا جایا

نظر لکھنوی کہتے ہیں:

نور چشم آمنہ عظمت نشاں بنتا گیا
جانِ عبد اللہ سردارِ جہاں بنتا گیا

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

آمنہ بی کا پسر، راج کنور، لختِ جگر
ہے شہنشاہِ زمن، ختم رسل، فخر بشر

اسی طرح بہت سے شعرا نے اپنے نعتیہ کلام میں سیدہ "آمنہ کی گود" کے الفاظ کو مختلف انداز میں استعمال کیا ہے، کیونکہ اس گود نے سب اعلیٰ و اولیٰ نبی کے وجود کے ذریعے شرف پایا تھا جس کی طرف کوئی

ادنیٰ چیز بھی نسبت پاکر سب سے اعلیٰ ہو جاتی ہے، پھر اس گود اور گہوارے نے تو برسوں اس ہستی کو اپنے پہلو میں کھلایا تھا:

حالی کہتے ہیں:

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل و نویدِ مسیحا

احمد رضا خان بریلوی سخن طراز ہیں:

مہدِ والا کی قسمت پے صد ہا درود
برجِ ماہِ رسالت پے لاکھوں سلام

غلام نبی فدار قمطراز ہیں:

پیشوائے انبیاء ہے آمنہ کی گود میں
وہ حبیبِ کبریا ہے آمنہ کی گود میں
اس کی تابانی سے چمکے گی یہ ساری کائنات
ایک گوہرِ بے بہا ہے آمنہ کی گود میں

نظر لکھنوی لکھتے ہیں:

صبح دم آمنہ بی کی آغوش میں جب وہ اعلیٰ نسب نیک نام آگیا
دیکھنے والے سب کہہ اٹھے مرحبا بدرِ کامل بہ حسن تمام آگیا

سیدہ آمنہ کی مدح و منقبت میں اردو کے قدیم شعراء کا مستقل کلام نہیں مل سکا۔ بس یوں ہی نعت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے ضمن میں ہی کچھ اشعار میسر ہیں۔ شاید اس میں ہماری جستجو کا بھی قصور ہو۔ بہر حال، ضمنی اشعار بھی جمع کئے جائیں تو ایک مستقل کتابچہ تیار ہو سکتا ہے، جو ایم فل سطح کے ایک مقالے کا کام ہے، مستقل کلام بعض جدید شعراء کا تخلیق کردہ ہمیں میسر آیا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

سالک لکھتے ہیں:

صدقہ تم پہ ہوں دل و جان آمنہ تم نے بخشا ہم کو ایمان آمنہ
جو ملا جس کو ملا تم سے ملا دین و ایمان علم و عرفان آمنہ
کل جہاں کی مائیں ہوں تم پر فدا تم محمد کی بنیں ماں آمنہ

ابن مریم واقعی رب کے رسول پر محمد کی بڑی شان آمنہ
جس شکم میں مصطفی ہوں جاگزیں عرش اعظم سے ہے ذیشان آمنہ
تم سے ایمان وامانت اورامن تم سے فیضاں تم سے عرفاں آمنہ
آمنہ کے تین معنی بالیقین با امانت امن وایمان آمنہ
تم سے اللہ ومحمد ہیں عیاں[1] نور و ہدی تم میں پنہاں آمنہ
ہم ہیں مومن اورتم ایمان بخش چشمہ دیں تم سے رواں آمنہ
تیری تربت کا مجاور میں بنوں پھر نکالوں دل کے ارماں آمنہ
مہبطِ قرآں بنی ہیں اور تم[2] ہونبی کی محترم ماں آمنہ
ہے یہ سالک آپ کے در کا فقیر مانگتا ہے امن وایماں آمنہ

صائم چشتی لکھتے ہیں:

واہ رتبہ ترا سیدہ آمنہ نورہے آپ کا سیدہ آمنہ
کب کس کے مقدر میں ہے،وہ ہوا آپ کو جو ملا سیدہ آمنہ
ساری توحید ہے تیری آغوش میں مومنہ مسلمہ سیدہ آمنہ
کس کوایمان ہے ان سے بڑھ کرملا گھر ہے ایمان کا سیدہ آمنہ
آپ مالک ہیں کوثر کی،فردوس کی نور حق کی ضیا سیدہ آمنہ
سارے نبیوں کاسلطان وسردار ہے آپ کا لاڈلا سیدہ آمنہ
آپ ملکہ ہیں جنت کی فردوس کی آپ پر ہم فدا سیدہ آمنہ
سب فرشتوں کی جھکتی جبیں ہے جہاں وہ ہے حجرہ ترا سیدہ آمنہ
از ازل تا ابد پاک ہی پاک ہے سب گھرانہ ترا سیدہ آمنہ

---

(1) اس شعر کی تشریح میں شاعر خود جو کہ مفسر قرآن بھی تھے لکھتے ہیں: قرآن کا نزول حضور ﷺ پر ہوا، اور حضور ﷺ کی جلوہ گری جناب آمنہ کی گود میں ہوئی، گویا آپ صاحب قرآن کا جائے نزول ہیں۔(دیوانِ سالک، ص33)۔

(2) اس شعر کی وضاحت میں شاعر لکھتے ہیں: جس سیپ میں موتی رہے وہ سیپ بھی قیمتی ہے، جس غلاف میں قرآن مجید رہے وہ غلاف محترم ہے توجس شکم اور جس گود میں جناب مصطفی ﷺ رہیں وہ شکم اوروہ گود کیسی ہے؟ پھل دیکھ کر درخت کا پتا لگاؤ، جنابِ مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ کر جناب آمنہ کی شان پہچانو۔(ایضا)۔

اپنے محتاج صائم پے بہر خدا ہو نگاہ عطا سیدہ آمنہ

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اپنی کتاب "والدہ ماجدہ محمد ﷺ" کے آخر میں سیدہ آمنہ کی ایک طویل منقبت نقل کی ہے جو نعت گو شاعر پروفیسر افضال احمد انور کی ہے، ڈاکٹر صاحب اس منقبت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ اس عاشق رسول کی عقیدت و محبت کا عکس ہے جو وہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کیلئے اپنے دل میں رکھتے ہیں، اس طویل مگر نفیس و خوبصورت منقبت سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اردو کے نعت گو شعراء اپنے نبی محبوب و محتشم ﷺ کی والدہ ماجدہ سے کتنی گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ انور صاحب نے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی سیرت و شخصیت کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا۔ اس لحاظ سے یہ ایک جامع و کامل منقبت قرار دی جاسکتی ہے۔"(3)

ذیل میں اس منقبت کو نقل کیا جاتا ہے، اس وضاحت کے ساتھ کہ نہ تو نقل کرنے والا اس منقبت کے الفاظ پر پورے طور سے مطمئن ہے اور نہ ہی اس میں بیان کردہ معانی و مطالب سے نقل کرنے والے کا متفق ہونا ضروری ہے، یقیناً اس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے اور کیا جائے گا، لیکن شاعر کو داد دینا بہر حال بنتا ہے۔

منقبت حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا(4)

ام شہ کون و مکاں ہیں سیدہ بی آمنہ معیار جملہ ماداراں ہیں سیدہ بی آمنہ
ممدوحہ کون و مکاں مخدومہ پیغمبراں فخر زمین و آسماں نور یقین مومناں
مشکل کشائے امتاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

ان کا وجود احسان اماں ان کا ہے در کعبے کی جاں
گھر ہے مطاف قدسیاں مرقد عقیدت کا نشاں
بحر سخائے بیکراں، ہیں سیدہ بی آمنہ

---

(3) والدہ ماجدہ مصطفی ﷺ، ص 237۔

(4) از قلم: پروفیسر افضال احمد انور، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد۔

پاکیزہ و تسبیح خواں ایقان کی روح رواں
ایمان کی تاب و تواں تقدیس کی جائے اماں

عفت مآب و پاک جاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

عظمیٰ، ذکیہ، ذاکرہ کرمی، کریمہ، صابرہ
کبریٰ، جلیلہ، طاہرہ رشدی، رشیدہ، شاکرہ

غم خوار، تاباں، قدر داں، ہیں سیدہ بی آمنہ

حسنی، ظہیرہ، زاہدہ سلمیٰ، سلیمہ، عائذہ
علیا، عقیلہ، حامدہ شرفی، رئیسہ، راشدہ

دانا، توانا، مہرباں ہیں، سیدہ بی آمنہ

ایمان پرور، نکتہ داں الحاد کش، توحید داں
مسند نشین، گوہر فشاں فریاد رس، راحت رساں

تقدیر و دیں کی رازداں ہیں، سیدہ بی آمنہ

ان کا خدا معمار کل شوہ ہے، مایہ دار کل
لخت جگر، سردار کل دانندہ اسرار کل

صدق و صفا کی ترجماں، ہیں سیدہ بی آمنہ

دامن ہے ان کا بالیقیں گہوارۂ ایمان و دیں
ان کے حرم کے زائریں جنت مکیں سدرہ نشیں

زیب مکان و لامکاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

پاکیزہ تر ان کا نسب اور افضل و اشرف حسب
ان کا پسر، محبوب رب ہر نسبت ان کی منتخب

نقد متاع دو جہاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

اللہ اکبر، مرحبا از لطف و فضل کبریا
جن کا ہے جسم باصفا فانوس نورِ مصطفیٰ

زیب نسائے دو جہاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

حد نظر افزوں زحد بالاتر از وہم و حد
ان کا ادب، دیں کی سند ان پر تحیات ابد

جن پر سلام جاوداں، ہیں سیدہ بی آمنہ

وہ دانش ہر کیف وکم وہ بارش لطف و کرم
وہ تابش لوح وقلم وہ نازش جاہ وحشم

گلزار دیں کی باغباں، ہیں سیدہ بی آمنہ

اللہ کا ان پر کرم کروبیاں ان کے خدم
بالائے سر ظل نعم سب رفعتیں زیر قدم

جن کیلئے ہر عزوشاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

چھ سال کے تھے شاہ دیں ابوا میں جب راحت گزیں
سرکار کی ماں جی ہوئیں تب روئے خیر المرسلیں

جن کا مکاں، جنت نشاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

تکریم ان کے رب نے کی وہ یوں کہ جو عمر ان کو دی
اس عمر کی ہوں گی سبھی جملہ خواتین خلد کی

فردوس آراء، کامراں، ہیں سیدہ بی آمنہ

وہ پاک دامن، پاک ہیں گوشہ نشین، خلوت گزیں
وہ انتخاب بہتریں نور نبوت کی امیں

پردہ نشیں، عرش آشیاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

یہ ارمغان شاعری انور کی یہ مدحت گری
ہے نذر امّ پاک کی پیش ان کو کیجیے یا نبی

کونین جن کے مدح خواں، ہیں سیدہ بی آمنہ

ام شہ کون ومکاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

معیار جملہ مادراں، ہیں سیدہ بی آمنہ

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

1. ابن الاثیر، عزالدین، ابو الحسن، علی بن أبی الکرم محمد بن محمد (متوفی 630ھ)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی-بیروت، ط1، 1417ھ، 1997ء۔
2. ابن حبان، البستی، محمد بن حبان بن احمد بن حبان (متوفی354ھ)، صحیح ابن حبان، مؤسسة الرسالة، ط1، 1408ھ، 1988ء۔
3. ابن حزم، الاندلسی، ابو محمد علی بن احمد بن سعید (متوفی456ھ)، جمهرة أنساب العرب، دار الکتب العلمیہ-بیروت، ط1، 1403ھ، 1983ء۔
4. ابن حنبل، ابوعبد اللہ، احمد بن محمد بن حنبل (متوفی241ھ)، مسند أحمد، مؤسسة الرسالة، ط1، 1421ھ، 2001ء۔
5. ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الهاشمی (متوفی230ھ)، الطبقات الکبری، دار الکتب العلمیہ-بیروت، ط1، 1410ھ، 1990ء۔
6. ابن سید الناس، محمد بن محمد بن محمد (متوفی 734ھ)، عیون الاثر، دار القلم-بیروت، ط1، 1414ھ 1993ء۔
7. ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل بن عمر بن کثیر، (متوفی774ھ)، البدایة والنهایة، ہجر للطباعة، ط1 1417ء، 1997ء۔
8. ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم بن علی، متوفی (711ھ) لسان العرب، دار صادر-بیروت، ط3، 1414ھ۔
9. ابن ہشام، ابو محمد، جمال الدین، عبد الملک بن ہشام بن ایوب الحمیری (متوفی 213ھ)، سیرة ابن ہشام، مصطفی البابی-مصر، ط2، 1375ھ 1955ء۔
10. الازرقی، ابو الولید، محمد بن عبد اللہ بن احمد بن محمد (متوفی250ھ) أخبار مکة، دار الاندلس-بیروت، س ن۔

11. الازہری، پیر، محمد کرم شاہ، ضیاء النبی (متوفی 1998ء)، ضیاء القرآن پبلی کیشنز-لاہور، اشاعت 2018ء۔

12. الاصفہانی، ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ بن احمد (متوفی 430ھ) دلائل النبوۃ، دار النفائس-بیروت، ط2، 1406ھ، 1986ء۔

13. البخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل (متوفی 256ھ)، الجامع المسند المختصر من أمور رسول اللہ ﷺ وسننه وأيامه، دار طوق النجاۃ-بیروت، ط1، 1422ھ۔

14. البلادی، الحربی، عاتق بن غیث بن زویر (متوفی 1431ھ)، "معجم المعالم الجغرافية فی السيرة النبوية" دار مکۃ-مکۃ المکرمۃ، ط1، 1402ھ، 1982ء۔

15. بلاذری، احمد بن یحی بن جابر، (متوفی 279ھ)، أنساب الأشراف، ج1، ص45 وما بعد، دار الفکر-بیروت، ط1، 1417ھ، 1996ء۔

16. بنت الشاطی، الدکتورۃ، عائشہ عبد الرحمٰن المصریہ، أم النبي، دار الہلال، س-ن۔

17. البیہقی، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علی بن موسی (متوفی 458ھ) شعب الایمان، مکتبۃ الرشد-الریاض، ط1، 1423ھ، 2003ء۔

18. البیہقی، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علی بن موسی (متوفی 458ھ) دلائل النبوۃ، دار الکتب العلمیہ-بیروت، ط1، 1405ھ۔

19. پھلواری، شاہ، مولانا، محمد جعفر، پیغمبر انسانیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ-لاہور، ط5، 2006ء۔

20. الترمذی، ابو عیسی، محمد بن عیسی بن سورۃ، (متوفی 279ھ) سنن الترمذي، شركة مكتبة مصطفى البابى الحلبى-مصر، ط2، 1395ھ 1975ء۔

21. الحلبی، علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی (متوفی 1044ھ)، السيرة الحلبية، دار الکتب العلمیہ-بیروت ط2، 1427ھ۔

22. الحموی، شہاب الدین، ابو عبد اللہ، یاقوت بن عبد اللہ (متوفی 626ھ) معجم البلدان، دار صادر-بیروت، ط2، 1995ء۔

23. دیوان حسان بن ثابت، تحقیق: ڈاکٹر ولید عرفات، دار صادر-بیروت، ط: 2006ء۔

24. ڈاکٹر، اظہر، ظہور احمد، والدہ ماجدہ سیدنا محمد مصطفی ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز – لاہور، 2007ء۔

25. روزنامہ، نوائے وقت، 11 صفر المظفر 1398ھ، بمطابق 21 جنوری 1978ء، جلد 23، شمارہ 175۔

26. الزرقاني، شهاب الدين، ابو عبد الله محمد بن عبد الباقي بن يوسف (متوفى 1122ھ)، شرح الزرقاني على المواهب، دار الكتب العلمية، ط1، 1417ھ، 1996ء۔

27. السجستانی، ابو داود، سلیمان بن الأشعث بن اسحاق (متوفی 275ھ)، المكتبة العصرية، صیدا-بیروت، س ن۔

28. السمهودی، ابو الحسن، علی بن عبد اللہ بن احمد (متوفی 911ھ) وفاء الوفا باخبار دار المصطفی، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط1، 1419ھ۔

29. السہیلی، ابو القاسم، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن احمد السہیلی (متوفی 581ھ)، الروض الأنف، دار احیاء التراث-بیروت، ط1، 1421ھ، 2000ء۔

30. سیدہ آمنہ اور مملکت سعودیہ کی ستم کاریاں، مرتب: فاروق احمد علوی، مطبوعہ فیضان طیبہ لائبریری-لاہور، اشاعت اول مارچ (1999ء)۔

31. سیرت انسائیکلوپیڈیا، دار السلام ریسرچ سنٹر، ج2، ص81، دار السلام-ریاض ولاہور، اشاعت 1433ھ۔

32. الشامی، الصالحي، محمد بن یوسف، (متوفی 942ھ)، سبل الهدى والرشاد فی سیرة خیر العباد، ج1، ص268، دار الکتب العلمیہ-بیروت، ط1، 1414ھ، 1993ء۔

33. شبلی نعمانی، محمد (متوفی 1914ء) سیرت النبی، الفیصل ناشران وتاجران کتب-لاہو، 2005ء۔

34. صدیقی، پروفیسر، محمد یسین مظہر (متوفی 2020ء)، معاش نبوی، کتب خانہ سیرت-کراچی، ط1، 2015ء۔

35. الصنعاني، أبو بكر، عبد الرزاق بن همام بن نافع (متوفى 211ھ)،مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي-الهند، المكتب الاسلامي-بيروت، ط2، 1403ھ۔

36. الطبرانی، ابو القاسم، سلیمان بن احد بن أیوب (متوفی 360ھ)، المعجم الأوسط، دار الحرمین-القاہرۃ، س ن۔

37. الطبری، ابو جعفر، محمد بن جریر بن یزید (متوفی 310)،تاریخ الطبری، دار التراث-بیروت، ط2، 1387ھ۔

38. العسقلانی، ابن حجر، الحافظ، احمد بن علی بن حجر (متوفی 852ھ)،الاصابة فی تمییز الصحابة، دار الکتب العلمیہ-بیروت، ط1، 1415ھ، 1995ء۔

39. القاضی، الیحصبی، عیاض بن موسی بن عیاض (متوفی 544ھ)،الشفا بتعریف حقوق المصطفی دار الفیحاء-عمان، ط2، 1407ھ۔

40. القرطبی، ابن عبد البر، ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد (متوفی 463ھ)،الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ج1، ص74، دار الجیل-بیروت، ط1، 1412ھ، 1992ء۔

41. القطلاني، ابو العباس، شہاب الدین، احمد بن محمد بن أبی بکر (متوفی 923ھ)،المواهب اللدنية، ج1، ص102، المكتبة التوقيفية-القاهرة، س ن۔

42. کاندہلوی، مولانا، محمد ادریس (متوفی 1974ء)، سیرت مصطفی، مکتبہ مدنیہ-لاہور، س ن۔

43. الکوثری، محمد زاہد بن حسن الحلمی، (متوفی 1371ھ) مقدمات الکوثری، دار الثریا-دمشق، ط1، 1418ھ 1997ء۔

44. مبارکپوری، مولانا، صفی الرحمٰن (متوفی 2006ء)، الرحیق المختوم، مکتبہ سلفیہ-لاہور، 1424ھ، 2003ء۔

45. المقریزی، تقی الدین، احمد بن علی بن عبد القادر (متوفی 845ھ) "إمتاع الأسماع بما للنبی من الأحوال والأموال والحفدةوالمتاع"، دار الکتب العلمیہ- بیروت، ط1، 1420ھ، 1999ء۔

46. منصور پوری، قاضی، محمد سلیمان سلمان(متوفی1930ء)،رحمۃ للعالمین، مکتبہ محمدیہ – لاہور،ط3،مارچ2017ء۔

47. النبهاني،یوسف بن اسماعیل(متوفی1350)،المجموعة النبهانية، دارالکتب العلمیہ- بیروت،ط1،1996ء۔

48. نعیمی،مفتی ،احمد یار خان(متوفی1971ء)،دیوان سالک، مکتبہ المدینہ-کراچی، نومبر 2020ء۔

49. نیشا پوری، ابو عبد اللہ، الحاکم، محمد بن عبد اللہ بن محمد (متوفی 405ھ)،المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ–بیروت،ط1،1411ھ،1990ء۔

50. نیشاپوری، آبو الحسن، مسلم بن الحجاج القشیری، (متوفی 261ھ)،صحیح مسلم دار احیاء التراث–بیروت، س ن۔

51. https://www.arabicnadwah.com/news/amena-essawi2-12-08.htm

باب دوم: حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

تمہید

کتاب "اُمہات الرسول" کا یہ دوسرا باب ہے۔ عنوان سے ظاہر ہے کہ یہ باب حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کیلئے مختص ہے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی خصوصیت یہ ہے کہ انہیں ولادت سے وفات تک حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت حاصل رہی۔ کتب سیرت میں آپ کے حوالے سے خاصا مواد ملتا ہے جو خاندانِ رسالت سے آپ کے گہرے تعلق، خدمت نبوی اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ سے گہرے اور ماں جیسے تعلق کو واضح کرتا ہے۔ زمانۂ قریب میں اس بکھرے ہوئے مواد کو یکجا کر کے بعض کتابچے اور مقالات بھی تیار کئے گئے ہیں جو سیرت کے اس اہم عنوان پر بہترین کاوشیں ہیں۔

عربی زبان میں اس موضوع پر ایک مصری مؤلف محمد حسن بریغش نے چھوٹی تختی کے سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب تیار کی ہے جو تاحال میسر نہیں ہو سکی۔[1] اس کتاب کا فارسی ترجمہ بھی ہو چکا ہے جو کہ انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔[2]

---

(1) ام ایمن رضی اللہ عنہا سے متعلق اس باب کی تکمیل کے بعد معلوم ہوا کہ یہ کتاب شاہ فہد نیشنل لائبریری، ریاض سعودی عرب میں دستیاب ہے۔ اس سے قبل بندہ مصر، بیروت، لبنان وغیرہ میں کئی دوستوں سے رابطہ کر کے کتاب کو تلاش کر چکا تھا مگر کہیں سے بھی کامیابی نہ ملی، حتیٰ کہ جناب عبد اللہ قریشی صاحب، جنہوں ام ایمن پر مستقل کتاب لکھی ہے اور اپنی کتاب میں اس کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے، لندن میں ان سے بھی رابطہ ہوا مگر انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس یہ کتاب اُس وقت تو موجود تھی جب میں اس موضوع پر کام کر رہا تھا مگر اب موجود نہیں۔

سعودی عرب میں مقیم کئی دوستوں سے رابطہ کیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر ریاض میں مقیم نہایت مخلص دوست جناب محمد عبید اللہ صاحب سے رابطہ ہوا تو انہوں نے غیر متوقع طور پر بتایا کہ وہ لائبریری سے کچھ فاصلے پر ہی ہوتے ہیں اور آئے دن لائبریری جانا ہوتا رہتا ہے، وہ اس کتاب کو حاصل کر کے ضرور بھجوا دیں گے۔ انہوں نے حسبِ وعدہ توقع سے بھی زیادہ جلدی کتاب موبائل کے ذریعے اسکین کرے کے بھجوا دی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطاء فرمائے۔

اردو زبان میں عصر حاضر کے عظیم سیرت نگار پروفیسر یاسین مظہر صدیقی نے، جن کی سیرت شناسی، ماخذ سیرت سے گہری واقفیت اور غیر معمولی بصیرت اُن کے تمام مقالات وکتب سے واضح ہے اور تمام اہل علم سیرت نگاری میں اُنہیں ایک معتبر نام کے طور پر جانتے ہیں، اڑتالیس صفحات پر مشتمل ایک نہایت وقیع اور معلومات افزا مقالہ تحریر فرمایا ہے جو پاکستان میں زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی سے دسمبر 2013ء میں "**حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سول اکرم ﷺ کی انّا**" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

اردو زبان میں ایک اہم کام ہمارے علاقے میرپور آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے جناب عبداللہ قریشی صاحب نے کیا ہے، کتاب کے پہلے ایڈیشن کا عنوان "**ام ایمن رضی اللہ عنہا سیرت نبوی کا ایک گمشدہ باب**" تھا جبکہ دوسرے ایڈیشن مطبوعہ "النور پبلی کیشنز، میرپور" کا عنوان "**آنحضرت ﷺ کی والدہ کے بعد والدہ حضرت ام ایمن (سیرت النبی کا ایک گمشدہ باب)**" ہے، یہ کتاب اگرچہ مروجہ تحقیقی معیارات کے مطابق نہیں لکھی گئی مگر مصنف نے جس جذبہ محبت وعقیدت میں ڈوب کر اس کام کو کیا ہے وہ بہر حال قابل داد و تعریف ہے، مصنف کو چونکہ عربی زبان سے واقفیت نہیں جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں مصنف نے خود اعتراف کیا ہے، اس لئے اصل مصادر سے براہ راست استفادہ نہیں کیا گیا جس کی کمی کتاب پڑھتے ہوئے جابجا محسوس ہوتی ہے اور کتاب میں غیر ضروری طور پر ایسی چیزیں بھی شامل کر دی گئی ہیں جن کا سیرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے تعلق نہیں۔

پروفیسر یاسین مظہر صدیقی رحمہ اللہ کا مقالہ انتہائی علمی و تجزیاتی اسلوب میں لکھا گیا ہے جیسا کہ ان کا اپنی تمام تحریرات میں مزاج ہے، مگر مواد کا استقصاء اور احاطہ ان کے ہاں نہیں ملتا جبکہ عبداللہ قریشی صاحب کی کتاب بہت زیادہ عام اور غیر علمی انداز میں لکھی گئی ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان حضرات کے

کتاب کا مکمل نام "حاضنة رسول الله ﷺ بركة بنت ثعلبة-أم أيمن" ہے۔ بیروت کے مشہور طباعتی ادارے "مؤسسة الرسالة" سے پہلی مرتبہ 1418ھ / 1998ء میں شائع ہوئی ہے۔ چونکہ ہم اس کتاب کے حصول سے پہلے اپنا کام مکمل کر چکے تھے اس لئے زیادہ تفصیل سے اس کتاب کو نہیں پڑھا، مگر فہرست اور چیدہ چیدہ مباحث کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ اس میں الحمد للہ ایسا کوئی مواد نہیں جس سے کئے گئے کام میں کوئی قابل ذکر اضافہ کیا جا سکے۔

کام کو سامنے رکھنے کے ساتھ ساتھ اصل مصادر سیرت سے مراجعت واستفادہ کے بعد مواد کو مزید بہتر، جامع اور عام فہم انداز میں اضافوں کے ساتھ پیش کریں۔ اس اعتراف کے ساتھ کہ اس موضوع پر ذکر کردہ حضرات کی کاوشیں اولیت کے درجے میں ہونے کی وجہ سے نہایت قابل داد و تحسین ہیں، اور تمہید میں ان کے ذکر سے مقصود دراصل یہی اعتراف ہے نہ کہ ان پر نقد و تبصرہ۔

جیسا کہ کتاب کے آغاز میں ذکر کیا گیا، یہ کتاب اس سلسلہ کے ایک کڑی ہے جس میں سیرت طیبہ کے ایک ایسے تشنہ پہلوؤں پر مواد جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے جن کا تعلق اُن قابل قدر خواتین سے ہے جن کا تعلق حضرت رسالت مآب ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ انتہائی قربت کا رہا ہے۔ ایسی خواتین میں سب سے پہلا نام آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا ہے جن کا ذکر پہلے باب میں کیا گیا۔ اب دوسرے باب میں ایک ایسی خاتون کا ذکر کیا جائے گا جو آپ ﷺ کی والدہ کی وفات کے بعد آپ کی والدہ کہلائیں اور آپ ﷺ نے متعدد مواقع پر انہیں "ماں کے بعد ماں" اور "میری ماں" ارشاد فرمایا اور ہمیشہ ان کے ساتھ ماں جیسا حسن سلوک فرماتے رہے۔ حضرت "ام ایمن رضی اللہ عنہا" اسی سنہری سلسلے کی ایک خوبصورت اور عظیم کڑی ہیں۔ ان کے ذکرِ خیر سے سیرت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا ایک نیا باب آپ سے محبت و عقیدت رکھنے والوں کے سامنے آئے گا۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا۔ ابتدائی تعارف

نام ونسب

تمام روایات کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ام ایمن کا اصل نام "بَرَکۃ" تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں آپ کے تذکرہ کا عنوان ہی یہی قائم کیا ہے "أم أيمن واسمها بركة" یعنی ام ایمن کا ذکر اوران کا نام برکہ تھا۔[1]

لیکن آپ کے نام پر کنیت غالب آگئی اوراس نے نام کی جگہ لے لی اوروہ ابتداء سے ہی "ام ایمن" کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ "ایمن" دراصل آپ کے بیٹے کا نام ہے جو آپ کے پہلے شوہر عبید خزرجی سے تھے۔ ایمن بعد میں اسلام لائے اور صحابیٔ رسول بنے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے اگرچہ بعد میں مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ سے شادی کی اوران سے آپ کے بیٹے مشہور صحابی وخادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے (تفصیلات آئندہ ذکر کی جائیں گی)۔ اس کے باوجود آپ نے ان کے نام سے کنیت اختیار نہیں کی اوراپنے پہلے شوہر کے بیٹے "ایمن" کے نام سے ہی کنیت اختیار کی اور یہ اس قدر قسمت خیز ثابت ہوئی کہ آپ کے نام پر بھی غالب آگئی اور ہمیشہ یہی کنیت رہی، علامہ قرطبی اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

> "آپ کے نام پر آپ کی کنیت غالب آگئی تھی جو آپ کے پہلے فرزند ایمن بن عبید کے نام پر تھی۔"[2]

ابن عبد البر اور پھر ابن حجر نے آپ کا مکمل نسب اس طرح سے بیان کیا ہے:

"بركة بنت ثعلبة بن عَمْرو بن حصن[3] بن مالك بن سلمة بن عمرو بن النعمان"[4]

---

(1) الطبقات الکبری، ج8، ص128۔

(2) الاستیعاب، ج4، ص1793۔

(3) ابن کثیر کے ہاں "البدایہ" میں "حصن" کے بجائے لفظ "حصین" ہے، دیکھئے: ج8، ص284۔ الاستیعاب کے حاشیہ میں بھی دوسرے نسخوں کی مدد سے "حصین" کا لفظ تحریر کیا گیا ہے، حوالہ بالا۔

ابن عبد البر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ام ایمن کا نسب ذکر کیا ہے۔ ان سے پہلے ابن سعد نے طبقات میں یا بلاذری نے "انساب الاشراف" میں کہیں بھی اس نسب کا ذکر نہیں کیا، باوجود یکہ انہوں نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے حوالے سے کثیر معلومات بعد میں آنے والوں کیلئے محفوظ کی ہیں اور بلاذری تو انساب کے بھی ماہر مانے جاتے ہیں۔ ابن عبد البر نے بھی نسب کے حوالے سے اپنی ذکر کردہ معلومات کا ماخذ ذکر نہیں کیا۔ ان کے ذکر کردہ نسب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا اصلاً عربی تھیں نہ کہ عجمی اور حبشہ کی رہنے والی۔ ابن عبد البر عربی نسب ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کے بھی قائل نظر آتے ہیں کہ آپ حبشی النسل تھیں۔ یہی روش ابن کثیر [5] اور حافظ ابن حجر [6] رحمہا اللہ کے ہاں بھی نظر آتی ہے کہ وہ آپ کے عربی نسب کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے حبشیہ ہونے کے بھی قائل ہیں؛ اور یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ قابل غور بات یہ بھی ہے کہ نسب میں ذکر کردہ نام بھی عربی ہیں، حبشی لوگ ایسے نام نہیں رکھا کرتے تھے تو یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ذکر کردہ نسب بالکل درست ہے اور اس پر کوئی اشکال نہیں کیا جا سکتا؟ یہ کہنا مشکل ہے کہ حبشہ کے لوگ اس وقت عربوں جیسے نام رکھنے لگے تھے۔

ڈاکٹر محمد بن فارس الجمیل نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے نسب کے حوالے سے مذکورہ بحث اٹھانے کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ یا تو خود ابن عبد البر کو اس معاملے میں غلط فہمی ہوئی ہے یا پھر ان کی کتاب "الاستیعاب" کے کاتبوں نے غلطی سے کتاب میں اس نسب کو شامل کر دیا ہے۔ [7] کتاب کے نُسّاخ اور کاتبین کی طرف اس غلطی کی نسبت مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ ایک تو اس لئے کہ یہ ایسی غلطیوں میں سے ہی نہیں جنہیں کسی کاتب کی طرف منسوب کیا جا سکے اور یہ کہہ کر جان چھڑا لی جائے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ دوسرے اس لئے بھی کہ بعد کے بڑے بڑے لوگوں نے اسی نسب کو الاستیعاب سے نقل کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر اور حافظ ابن کثیر کے حوالہ جات اوپر دیئے گئے، تو کیا وہ بھی ایسی فاش غلطی پر مطلع نہیں ہو سکے؟ اور کیا سبھی نسخوں میں یہ نسب غلطی سے ہی داخل ہو گیا؟ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے ابن عبد البر

---

(4) الاستیعاب حوالہ بالا، الاصابہ، ج8، ص359۔

(5) البدایہ والنہایہ، ج8، ص284۔

(6) الاصابہ، ج8، ص358۔

(7) الجمیل، محمد بن فارس، مشاہیر موالی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص10، المجلہ العربیہ رقم286، 1441ھ۔

کے پاس کسی ذریعے سے یہ معلومات پہنچی ہوں اور انہوں نے ان پر اعتماد کر کے انہیں نقل کر دیا اور اصل مصدر کا ذکر نہیں کیا، یا کسی اور "برکۃ" نامی خاتون کا نسب ام ایمن کے ساتھ غلطی سے ذکر کر دیا ہے۔

ابن عبد البر نے آپ کے صاحب زادے ایمن کا تذکرہ کرتے ہوئے ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ایک اور لقب بھی ذکر کیا ہے جو کہ "أمّ الظِّباء" ہے۔[8] یہ لقب بالعموم کتب سیرت وتراجم میں ذکر نہیں کیا جاتا۔ الغرض ام ایمن کا اصل نام برکہ تھا اور کنیت ام ایمن یا ام الظباء تھی لیکن شہرت "ام ایمن" ہی کے نام سے تھی۔ عبد اللہ قریشی صاحب لکھتے ہیں کہ "ام الظباء" کا معنی ہے ہرن کی ماں، اس کنیت میں ام ایمن رضی اللہ عنہا کی مدح واقع ہوئی ہے۔[9]

حبشہ سے مکہ تک

کتب سیرت وتراجم میں جہاں بھی آپ کا تذکرہ آیا ہے، سب نے آپ کی نسبت "حبشہ" کی طرف کی ہے یعنی آپ وطن کے لحاظ سے حبشہ کی رہنے والی تھیں؛ لیکن یہ وضاحت کہیں پر بھی موجود نہیں کہ حبشہ سے مکہ مکرمہ تک کا سفر کیسے طے ہوا اور آپ بنو ہاشم جیسے عظیم خاندان کی خادمہ کیسے بنیں؟ البتہ یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ آپ بطور باندی اور غلام مکہ مکرمہ میں رہیں۔ ان کی غلامی کا سبب بھی معلوم نہیں، البتہ محمد بن سلاّم نے محض اتنا لکھا ہے:

> "حبشہ کے جو لوگ کعبہ کو گرانے آئے تھے، ان میں ام ایمن بھی تھیں اور قریش نے انہیں بطور مال غنیمت حاصل کیا تھا۔"[10]

اس سے زیادہ کچھ وضاحت نہیں کہ وہ کون لوگ تھے اور کب آئے تھے اور لڑائی وغیرہ کا کیا واقعہ پیش آیا تھا؟ تاریخ میں محفوظ واقعات میں بیت اللہ کو گرانے حبشہ سے ابرہہ اور اس کا لشکر آیا تھا اور یہ واقعہ

---

(8) الاستیعاب، ج1، ص128۔

(9) عبد اللہ قریشی، حضرت ام ایمن-سیرت النبی کا ایک گمشدہ باب، ص94، النور پبلی کیشنز-میر پور آزاد کشمیر، اشاعت جون 2012ء۔

(10) ابو عبد اللہ، محمد بن سلام بن عبید اللہ (متوفی 232ھ)، طبقات فحول الشعراء، ج1، ص246، دار المدنی-جدۃ، س ن۔

آپ ﷺ کی ولادت سے محض چالیس یا پچاس دن قبل پیش آیا تھا۔ ابرہہ کا تمام لشکر اللہ کے عذاب سے ہلاک ہو گیا تھا، اس میں مال غنیمت کے حصول کی بظاہر کوئی صورت ممکن نہیں۔ بہر حال، محمد بن سلاّم کی یہ روایت قابل تحقیق ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ بنوہاشم اپنے کسی تجارتی سفر میں انہیں حبشہ سے خرید کر مکہ لے آئے ہوں، کیونکہ بنوہاشم نے قریش کی تجارت کو نہ صرف مکہ سے باہر بلکہ جزیرہ نمائے عرب سے بھی باہر قرب وجوار کے ممالک، مثلاً حبشہ و یمن اور شام و فلسطین تک پہنچا دیا تھا، جیسا کہ اس سے پہلے باب میں مختصراً ذکر کیا گیا، یا یہ کہ آپ حبشہ سے بطور باندی فروخت ہوتے ہوتے مکہ کے بازار تک پہنچیں، پھر وہاں سے خاندانِ نبوت میں پہنچیں اور پھر وہیں کی ہو کر رہ گئیں اور پھر اسلام نے اُنہیں نہ صرف غلامی سے نجات دی بلکہ عظمت و شہرت کی ایسی بلندیوں تک پہنچایا کہ تا قیامت اُن کا نام زندۂ جاوید کر دیا۔

روایات میں اس پر بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں آپ کس کی باندی تھیں۔ بعض نے کہا کہ وہ آپ ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کی باندی تھیں، اُن کی وفات کے بعد آپ ﷺ بطور وارث ان کے مالک بنے اور آپ ﷺ نے انہیں آزاد کیا، اور یہی روایت راجح ہے۔[11] بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ ان کی وارث بنیں اور انہوں نے ہی آپ کو آزاد کیا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ آپ ﷺ کے والد گرامی کے زمانے سے ہی آزاد تھیں اور آپ ﷺ صرف ان کی "ولاء" کے وارث بنے تھے، اور بعض نے کہا کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن کی باندی تھیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کیا تھا۔ مگر صحیح روایت وہی ہے جو ابتداء میں ذکر کی گئی ہے۔[12]

ام ایمن رضی اللہ عنہا کا حلیہ مبارکہ

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے حلیے کے حوالے سے کوئی تفصیلی روایات تو نہیں مل سکیں، البتہ بعض روایات سے جو مفہوم ضمناً مترشح ہوتا ہے ان سے آپ کے ظاہری حلیے، خدو خال اور شکل و صورت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ حبشہ سے تعلق کی وجہ سے آپ کی رنگت سیاہ تھی، اسی وجہ سے آپ کے صاحبزادے

---

(11) انساب الاشراف، ج1، ص96۔

(12) الاصابہ، ج8، ص359۔

حضرت اسامہ بن زید کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بھی نہایت سیاہ رنگت کے حامل تھے باوجودیکہ ان کے والد حضرت زید بہت زیادہ سرخ وسفید رنگت والے تھے۔ آئندہ حضرت اسامہ کے حالات کے ضمن میں یہ بات باحوالہ لکھی جائے گی۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نہایت ہلکے جسم والی اور دبلی پتلی خاتون تھیں۔ اس کا اندازہ آپ کے صاحبزادے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے اس واقعے سے ہوتا ہے جسے ابنِ عساکر نے نقل کیا ہے۔ پھر ان سے سبط ابن الجوزی اور علامہ ذہبی نے بھی نقل کیا۔ ابن عساکر کے مطابق، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بہت تعلق تھا، کیونکہ وہ ان سے اور ان کی ماں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کو خوب جانتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے اور وہیں رہائش اختیار کرنا چاہی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے ایک قطعہ زمین مختص کر دیا۔

ایک مرتبہ حضرت اسامہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے ملنے تشریف لے گئے تو انہوں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھایا اور ان کے ساتھ بہت شفقت و مہربانی والا معاملہ فرمایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بھی بے تکلفی سے تخت کے اوپر اپنے پاؤں پھیلا دیئے۔ حضرت معاویہ کی نظر ان کی پنڈلیوں پر پڑی تو آپ کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی پنڈلیاں یاد آگئیں، فرمانے لگے:

> "اللہ ام ایمن پر رحم فرمائے گویا میں ان کی پنڈلیوں کی اوپر والی ہڈی کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایسی باریک اور پتلی ہے گویا وہ شتر مرغ کی ٹانگ ہے۔"(13)

اس پر حضرت اسامہ نے فرمایا اے معاویہ اللہ آپ سے اچھا معاملہ کرے، خدا کی قسم وہ اللہ کے ہاں آپ سے اور آپ کے باپ سے اور آپ کی ماں سے بہت بہتر اور بہت معزز تھیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "زیادہ بہتر" ہونے کا دعوی تو پی گئے مگر "زیادہ معزز" ہونے کے دعوے پر سوال کئے بغیر نہ رہ سکے اور فرمایا کہ "زیادہ معزز" کیسے؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس پر قرآن کی آیت ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ

---

(13) ابن عساکر، ابو القاسم، علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ (571ھ)، تاریخ دمشق، ج8، ص82، دار الفکر - بیروت، 1415ھ، 1995ء۔

أَتْقَاكُم﴾[14] کا حوالہ دیا، یعنی اللہ کے ہاں زیادہ معزز وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

اس روایت سے جہاں ام ایمن رضی اللہ عنہا کی منقبت و فضیلت ظاہر ہوتی ہے، وہیں ان کی دبلی پتلی جسامت اور ان کے خدوخال پر بھی اس سے روشنی پڑتی ہے۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا بطور "حاضنہ" نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی شہرت بطور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ، انّا اور کھلائی کے تھی۔ تمام کتبِ سیرت و تراجم میں آپ کی اس خصوصی نسبت کا ذکر بطور خاص کیا گیا ہے۔ "حاضنہ" عربی زبان کا لفظ ہے جس کا اردو ترجمہ دایہ کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی بچے کی ماں کی وفات کے بعد اس کی پرورش کرنے والی۔ اسے اردو میں "انّا" یا "آیا" بھی کہا جاتا ہے۔[15] امام بخاری نے حضرت ام ایمن کے بیٹے ایمن اور پھر ان کے بیٹے حجاج کے بارے میں صحیح بخاری میں ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے مسجد میں نماز ادا کی تو رکوع اور سجدہ ٹھیک سے ادا نہیں کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے تو بتایا گیا کہ یہ ام ایمن کے بیٹے "ایمن" کے بیٹے حجاج ہیں، تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھتے تو اس سے بھی محبت فرماتے۔ پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ام ایمن کے دوسرے بیٹے حضرت اسامہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے محبت کا تذکرہ فرمایا۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام بخاری حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتے ہیں: "وكانت حاضنة النبي ﷺ"[16] یعنی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا تھیں۔

تقریباً تمام کتب میں آپ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ الفاظ مل جائیں گے: "مولاة رسول الله ﷺ وحاضنته" یعنی ام ایمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ اور آزاد کردہ باندی تھیں۔ بعض کتابوں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اور دیکھ بھال آپ کی والدہ کی وفات کے بعد کی۔ یہ تاثر درست

---

(14) سورہ الحجرات (49):13۔

(15) کیرانوی، قاسمی، مولانا، وحید الزماں، القاموس الوحید، ص 351، ادارہ اسلامیات-لاہور، ط 1، 1422ھ، 2001ء۔

(16) صحیح البخاری، ج 5، ص 24، باب ذکر اسامہ بن زید۔

نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ام ایمن آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ سے پہلے ہی آپ کے والدین کی خدمت کیا کرتی تھیں، پھر آپ کی ولادت کے بعد آپ کی بھی دیکھ بھال کرنے لگیں۔ بعض کتب سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا ولادت کے وقت حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ شفاء رضی اللہ عنہا کے ساتھ موجود تھیں۔ ان کے بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ہی آپ ﷺ کو اٹھایا اور یوں ولادت سے وفات تک وہ آپ کی خادمہ رہیں۔ یہ خدمت آپ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے حضرت حلیمہ کے قبیلے بنو سعد میں بغرض رضاعت جانے سے پہلے بھی کی اور اس کے بعد بھی۔ پانچ سال کی عمر میں حضرت حلیمہ کے گھر سے آنے کے بعد آپ نے مستقل یہ ذمہ داری سنبھالی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت حلیمہ کے ہاں سے واپسی کے بعد چھ سال کی عمر میں جب آپ ﷺ کی والدہ نے یثرب کی طرف حضرت عبد اللہ کی قبر کی زیارت کی غرض سے سفر کیا تو حضرت ام ایمن بطور آیا شریکِ سفر تھیں۔ پھر یثرب سے واپسی پر مقام ابواء میں حضرت آمنہ کی وفات ہو گئی تو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ہی رسول اللہ ﷺ کا خیال رکھا اور انہیں مکہ مکرمہ واپس پہنچایا۔ پروفیسر یاسین مظہر صدیقی نے اس مقام پر مختصراً اس بحث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس سفر میں حضرت ام ایمن اور حضرت آمنہ کے ساتھ عبد المطلب بھی تھے، اور حضرت آمنہ کی وفات کے بعد ام ایمن تنہا نہیں تھیں بلکہ عبد المطلب بھی آپ کے ساتھ تھے؛ اور بلاذری کے حوالے سے اسی موقف کو ترجیح دی ہے اور عام سیرت نگاروں کی ابن اسحاق کی روایت کی پیروی کو غلط قرار دیتے ہوئے اسے حقائق کے منافی قرار دیا ہے۔[17]

والدہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ اپنے شفیق دادا حضرت عبد المطلب کی زیر کفالت ان کے گھر میں رہے۔ اس دوران بھی حضرت ام ایمن ہی آپ کا خیال رکھتی رہیں۔ اس زمانے کے بعض واقعات کتبِ سیرت میں آئے ہیں۔ حضرت عبد المطلب آپ کو اپنے اس پوتے کے بارے میں خاص خیال رکھنے کا کہتے رہتے تھے اور یہاں تک فرماتے تھے کہ اس بچے کا خاص خیال رکھو اور اسے کبھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دینا۔ ایک مرتبہ عبد المطلب نے آپ ﷺ کو تنہا بچوں کے ساتھ گھر سے دور ایک بیری کے درخت

---

(17) صدیقی، پروفیسر، محمد یاسین مظہر، حضرت ام ایمن-رسول اکرم ﷺ کی انا، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز-کراچی، ط1، 2013ء۔

کے پاس کھیلتے ہوئے پایا تو ام ایمن کو سخت تاکید و تنبیہ کی۔ اس واقعے کو خود ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زبانی علامہ حلبی نے یوں بیان کیا ہے:

"میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کیا کرتی تھی (یعنی آپ کی تربیت و حفاظت کیا کرتی تھی)۔ ایک دن میں آپ سے غافل ہو گئی اور مجھے آپ کا خیال نہ رہا۔ اچانک کیا دیکھتی ہوں کہ آپ کے دادا عبد المطلب میرے سر پر آن پہنچے اور گویا ہوئے کہ میرے اس بچے سے ہرگز غفلت نہ برتا کرو۔"(18)

آٹھ سال کی عمر مبارک میں دادا کا بھی انتقال ہو گیا اور دادا کی وصیت کے مطابق جب آپ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آ گئے تو اس زمانے میں بھی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں اور مسلسل اپنا فریضہ سرانجام دیتی رہیں کیونکہ آپ کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بہت گہرا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی عمر میں بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی شفقت و محبت اور مہربانی والا اور ماں جیسا معاملہ فرماتی تھیں جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ سے احترام و محبت کا گہرا تعلق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو دیکھتے تو فرماتے میرے اہل بیت میں سے اب یہی باقی رہ گئی ہیں(19) اور متعدد مرتبہ آپ کیلئے فرمایا کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔(20) بعثت و نبوت کے بعد تک یہ تعلق قائم رہا، حتیٰ کہ قیام مدینہ کے زمانے میں آپ باوجود اپنی تمام تر مصروفیات کے خاص طور پر ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ملنے کیلئے تشریف لے جاتے۔ یہ تعلق اس قدر تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسے جانتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی رسول اللہ کے اس تعلق کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ آئندہ قیام مدینہ کے واقعات کے ضمن میں یہ تفصیلات باحوالہ درج کی جائیں گی۔

چچاؤں کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی گھر منتقل ہوئے تو حضرت ام ایمن بھی آپ کے ساتھ ہی رہیں، حتیٰ کہ پچیس سال کی عمر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے شادی کی تبھی ام ایمن

---

(18) السیرۃ الحلبیۃ، ج1، ص161۔

(19) الطبقات الکبریٰ، ج8، ص179۔

(20) الاستیعاب، ج4، ص1794۔

رضی اللہ عنہا کی بھی شادی کروائی اور یوں وہ اپنے گھر میں بسنے لگیں۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی شادی یثرب سے تعلق رکھنے والے مشہور قبیلے بنو خزرج کے ایک شخص عبید بن زید سے ہوئی تھی، پھر وہ انہی کے ساتھ یثرب یعنی مدینہ منورہ تشریف لے گئی تھیں اور پھر شوہر کی وفات کے بعد دوبارہ مکہ مکرمہ تشریف لے آئی تھیں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا اسلام لانا

ابن اثیر کے مطابق، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا آغازِ اسلام میں ہی مسلمان ہو گئی تھیں اور قدیم مسلمان خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔ وہ ہجرت سے پہلے ہی اسلام لائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی کی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں ہجرتِ حبشہ بھی کی[21] اور یوں وہ ان عظیم مسلمانوں میں شامل ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ان کی ہجرت کے حوالے سے بحث ذرا بعد میں آتی ہے۔ ابن اثیر نے اپنی روایت کا حوالہ تو نہیں دیا مگر قدیم کتابوں میں ماہر انساب عرب ابن الحبیب کی کتاب "المحبر" میں اس کا ذکر موجود ہے کہ وہ ابتداء میں اسلام لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں شامل تھیں۔[22]

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ہجرتِ حبشہ

قدیم مصادرِ سیرت میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ہجرت حبشہ کا تذکر نہیں ملتا۔ کتب سیرت میں جن لوگوں نے ہجرتِ حبشہ کرنے والے مسلمانوں کے نام جمع کئے ہیں انہوں نے ایک ایک شخص، مرد ہو یا عورت، اس کی تفصیل دی ہے کہ اس میں کون کون لوگ شامل تھے۔ ہجرتِ حبشہ دو مرتبہ ہوئی۔ ہجرتِ حبشہ اولیٰ اور ثانیہ، ہر دو میں شامل صحابہ کرام کے ناموں کی تفصیل ابن اسحاق (متوفی 151ھ) اور بلاذری (متوفی 279ھ) نے دی ہے لیکن کسی نے بھی ام ایمن رضی اللہ عنہا کو ان میں شامل نہیں کیا۔ ابن اثیر (متوفی 630)، ابن کثیر (متوفی 744ھ)، اور ابن حجر (متوفی 852ھ) وغیرہ جن حضرات نے بھی آپ کی ہجرتِ حبشہ کا ذکر کیا ہے بظاہر انہوں نے ابن عبد البر (متوفی 463ھ) کی پیروی کی ہے، اور ابن عبد البر نے

---

(21) ابن الاثیر، عزالدین، ابوالحسن، علی بن أبی الکرم محمد بن محمد (متوفی 630ھ)، اسد الغابۃ، ج7، ص290، دار الکتب العلمیہ - بیروت، ط1، 1415ھ، 1994ء۔

(22) ابن الحبیب، ابو جعفر البغدادی، محمد بن حبیب بن أمیۃ بن عمرو (متوفی 245ھ) المحبر، ص406، دار الآفاق الجدیدۃ - بیروت، س ن۔

حسب عادت اپنی معلومات کا حوالہ درج نہیں کیا۔ جب سیرت کے بنیادی اوراساسی مصادر میں ایسی کوئی معلومات درج نہیں تو ثانوی مآخذ پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

اگر ابن عبد البر کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو سیرت کا ادنیٰ طالب علم بھی یہ سوال کر سکتا ہے کہ انہوں نے ہجرت کب کی؟ کوئی اور بھی ساتھ تھا یا تنہا تھیں؟ کیا ہجرت حبشہ میں ان کے ساتھ ان کے شوہر عبید بن زید تھے یا نہیں؟ پھر ہجرتِ حبشہ اولیٰ کی یا ثانیہ؟ اور پھر حبشہ سے کب واپسی ہوئی؟ ظاہر ہے ان سارے سوالوں کے جوابات نہیں دیئے جاسکتے، اس لئے صحیح یہی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ہجرت حبشہ نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ہجرت حبشہ کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے "وفي كون أم أيمن هاجرت الى الحبشة نظر" یعنی ام ایمن کے ہجرت حبشہ کرنے میں تردّد ہے اور اس تردد کی وجہ حافظ صاحب نے یہ لکھی ہے:

> "حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی اپنے خادم حضرت زید بن حارثہ سے کروادی تھی؟ اور زید بن حارثہ نے ہجرت حبشہ نہیں کی، اور نہ کسی بھی ایسے شخص نے ہجرت حبشہ کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور تھا۔"(23)

ابن عبد البر رحمہ اللہ کو شاید نام سے دھوکہ ہوا ہے، کیونکہ برکہ نام کی ایک اور خاتون بھی ہیں اور ان کی کنیت بھی ام ایمن ہی ہے۔ ان کا اصل نام برکہ بنت یسار ہے جو کہ ابوسفیان کی باندی تھیں اور ہجرتِ حبشہ کرنے والی خواتین میں شامل تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

اوپر لکھا گیا کہ ابن عبد البر سے قدیم ترین مصادر میں ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ہجرت حبشہ کا ذکر نہیں ملتا، البتہ ابنِ سعد کے ہاں ام ایمن کی ایک ہجرت کا ذکر موجود ہے جس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ ہجرت مدینہ کی طرف تھی یا حبشہ کی طرف؟ ابنِ سعد کی روایت درج ذیل ہے:

> "ام ایمن رضی اللہ عنہا نے جب ہجرت کی تو وادی روحاء سے پہلے وادی منصرف میں انہیں شام ہوگئی۔ وہ روزے سے تھیں اور پیاس شدید لگ رہی تھی اور ان کے پاس پانی

---

(23) الاصابہ، ج8، ص47۔

موجود نہیں تھا۔ جب پیاس نے انہیں بہت زیادہ تھکا دیا تو اوپر سے سفید رسی سے لٹکا ہوا ایک ڈول نمودار ہوا جس میں پانی تھا۔ آپ نے اس ڈول سے خوب سیر اب ہو کر پانی پیا۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ اس کے بعد مجھے کبھی پیاس نہیں لگی اور میں سخت گرمیوں کی دوپہروں میں قصداً پیاس لگانے والے کام کرتی تھی پھر بھی مجھے پیاس نہ لگتی تھی، میں شدید گرمی میں روزے رکھتی تھی پھر بھی پیاس نہ لگتی تھی۔"(24)

اس روایت میں غور کیجئے کہ ہجرت کا تو ذکر ہے لیکن یہ تذکرہ نہیں کہ یہ ہجرت کس جانب تھی۔ تاہم اس میں جن مقامات "منصرف" اور "روحاء" کا ذکر ہے، ان سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ ہجرت مدینہ کی جانب تھی کیونکہ یہ مقامات مدینے کے راستے کے مشہور مقامات ہیں، اس لئے اس سے ہجرتِ حبشہ مراد لینا مشکل ہے۔ اور پھر اس روایت پر کئی ایک سوالات جنم لیتے ہیں جو اس کی صحت کو مشکوک بناتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت ام ایمن تنہا کیوں ہجرت کر رہی تھیں؟ اور آپ روزے سے کیوں تھیں حالانکہ روزہ ہجرت کے بعد فرض ہوا؟ اور سفر میں روزے کی رخصت بھی موجود ہے، اور آپ پیدل کیوں تھیں؟ پھر یہ کہ آپ اپنی منزل تک پہنچیں یا نہیں؟ پھر وہاں سے واپسی کب ہوئی؟ بہر حال، اس روایت سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ہجرت حبشہ ثابت نہیں کی جاسکتی اور اس روایت کے علاوہ کسی قدیم کتاب میں آپ کی ہجرت حبشہ کا ذکر نہیں، اس لئے راجح یہی ہے کہ آپ نے ہجرت حبشہ نہیں کی۔ رہی آپ کی ہجرتِ مدینہ تو وہ ثابت ہے اور اس کی تفصیلات بھی کتابوں میں آئی ہیں کہ وہ کب اور کیسے ہوئی، جیسا کہ آئندہ آتا ہے۔

---

(24) الطبقات الکبری، ج8، ص179۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ذاتی خانگی زندگی

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی

جیسا کہ لکھا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد ام ایمن کی بھی شادی کروادی تھی اور یہ شادی ایک یثربی شخص عبید بن زید سے ہوئی تھی جس کا تعلق بنو خزرج کی شاخ بنو نجار سے تھا۔ اسی قبیلے کی ایک دوسری شاخ بنو عدی بن نجار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے والد ہاشم نے شادی کی تھی۔ بقول یاسین مظہر صدیقی رحمہ اللہ، بہت ممکن ہے کہ یہ رشتہ اسی نسبت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کروایا ہو۔ عبید بن زید خزرجی آزاد تھے یا غلام، کیونکہ عرب معاشرے میں غلاموں کی شادی بالعموم غلاموں میں ہوتی تھی۔ اس حوالے سے ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ عبید بن زید بنو خزرج کے موالی میں سے تھے یعنی ان کے غلام تھے اور دراصل حبشی تھے، جبکہ پروفیسر یاسین مظہر صدیقی نے اس مقام پر یہ ثابت کیا ہے کہ عبید بن زید ایک آزاد شخص تھے اور ان کا تعلق مدینہ منورہ ہی سے تھا اور وہ کسی طور بھی حبشی نہیں تھے۔[1]

شادی کے بعد عبید بن زید، ام ایمن رضی اللہ عنہا کو اپنے علاقے یثرب لے گئے اور وہاں ان کے ہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی جس کا نام "ایمن" رکھا گیا اور اسی کی نسبت سے آپ "ام ایمن" کہلاتی ہیں، اور آپ کے بیٹے "ابنِ ایمن" یعنی ایمن کے بیٹے کہلاتے تھے، باپ کی طرف نسبت نہ کرتے تھے۔ اس کی وجہ آئندہ حضرت "ایمن رضی اللہ عنہا" کے تذکرے میں آئے گی۔ یثرب میں بیٹے کی ولادت کے کچھ عرصے بعد ہی ام ایمن رضی اللہ عنہا کے شوہر عبید بن زید کا انتقال ہو گیا جس کے بعد آپ پھر مکہ مکرمہ واپس تشریف لے آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر ہی رہنے لگیں، کیونکہ آپ کے شوہر یثرب سے تھے اور مکہ مکرمہ میں ان کا کوئی گھر نہیں تھا۔[2] اس کے بعد ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کوئی شادی نہیں کی، حتیٰ کہ ہجرت کے بعد رسول

---

(1) حضرت ام ایمن، ص 13۔

(2) امتاع الاسماع، ج 6، ص 340۔

اللہ ﷺ نے اپنے نہایت ہی محبوب خادم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی کروائی جن سے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔[3] اس دوسری شادی کے احوال آئندہ ذکر کئے جائیں گے۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کے شوہر عبید بن زید

تمام مصادر اس بات پر تو متفق ہیں کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی عبید نامی شخص سے ہوئی جن کا تعلق یثرب سے تھا، لیکن عبید کے بارے میں دیگر تفصیلات میں مصادر باہم مختلف ہیں۔ مثلاً ان کے نسب کے بارے میں مصادر میں شدید اختلاف ہے، اسی طرح اس میں بھی اختلاف نظر آتا ہے کہ ان کا تعلق یثرب کے قبائل میں سے کس قبیلے سے تھا اور کس حیثیت سے تھا؟ آیا وہ آزاد حیثیت سے کسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے یا بطور ولاء (غلامی) کے کسی قبیلہ کی طرف منسوب تھے اور اصلاً عربوں میں سے نہیں تھے؟

نسب کے حوالے سے قدیم ترین مصدر ابنِ سعد کے یہاں درج ہے:

> "جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو ام ایمن رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا، پس ان سے شادی کی عبید بن زید نے جن کا تعلق بنو حارث بن خزرج سے تھا، پھر ان سے بیٹے "ایمن" پیدا ہوئے۔"[4]

جبکہ ماہر انساب عرب بلاذری کے ہاں عبید کے نسب کے حوالے سے لکھا ہے:

> "عبید بن عمرو بن بلال بن آبی الحرباء بن قیس بن مالک بن ثعلبہ بن جشم بن مالک بن سالم بن عوف بن خزرج، زمانہ جاہلیت میں مکہ آئے، پھر برکہ (یعنی ام ایمن) سے شادی کی اور ایک بیٹے "ایمن" پیدا ہوئے، برکہ نے انہی کے نام سے "ام ایمن" کنیت اختیار کی اور آپ کے بیٹے ایمن غزوۂ حنین میں شہید ہوئے۔"[5]

بلاذری کی اس روایت سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ عبید کا تعلق اصلاً عرب کے مشہور قبیلے بنو خزرج سے تھا، وہیں نسب کا اختلاف بھی واضح ہے۔ ابنِ سعد نے "عبید بن زید" لکھا ہے جبکہ یہاں "عبید بن عمرو"

---

(3) انساب الاشراف، ج1، ص471۔

(4) الطبقات الکبری، ج8، ص179۔

(5) امتاع الاسماع، ج6، ص340۔

درج ہے، جبکہ ابن عبد البر نے آپ کا نام نہایت اختصار کے ساتھ "عبید الحبشی"[6] درج کیا ہے۔ اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق اصلاً عرب سے نہیں بلکہ حبشہ سے تھا۔ اسی طرح ابنِ کثیر نے بھی آپ کی نسبت حبشہ کی طرف کرتے ہوئے کہا ہے: "عبید بن زید الحبشی۔"[7]

راجح یہی ہے کہ آپ کے شوہر کا نام عبید بن زید ہو یا عبید بن عمرو، اس اختلاف کے باوجود ان کا تعلق عرب سے تھا اور یثرب کے مشہور قبیلے خزرج سے آپ کا نسب ثابت ہے۔ ابن سعد نے آپ کی نسبت بنو حارث بن خزرج کی طرف کی ہے جو کہ قدیم ترین ماخذ ہے۔ ابن سعد کی تائید آپ کے استاد اور ماہر سیرت و مغازی علامہ واقدی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ واقدی نے بھی آپ کو بنو خزرج کی طرف منسوب کیا ہے، چنانچہ واقدی نے غزوۂ حنین کے بیان میں جہاں عبید بن زید کے بیٹے "ایمن" کا ذکر کیا ہے جو کہ غزوۂ حنین میں شہید ہوئے تھے، وہیں ایمن اور ان کے والد، دونوں کی نسبت بنو خزرج ہی کی طرف کی ہے۔[8] اس سے زیادہ معلومات ام ایمن رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے بارے میں نہیں ملتیں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی دوسری شادی

پہلے شوہر عبید بن زید خزرجی کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اپنے کمسن بیٹے "ایمن رضی اللہ عنہ" کے ساتھ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مکہ مکرمہ لوٹ آئیں تھیں اور، جیسا کہ اوپر بتایا گیا، پھر انہوں نے شادی نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی شادی کی فکر رہتی تھی۔ روایات میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

> "جسے یہ پسند ہو کہ وہ جنتی عورت سے شادی کرے تو اسے چاہئے کہ ام ایمن سے شادی کر لے۔"[9]

---

(6) الاستیعاب، ج4، ص1793۔

(7) البدایہ والنہایہ، ج8، ص284۔

(8) الواقدی، ابو عبداللہ، محمد بن عمر بن واقد السہمی (متوفی 207ھ)، المغازي، ج2، ص922، دار الاعلمی۔ بیروت، ط3، 1409ھ، 1989ء۔

(9) الطبقات الکبری، ج8، 179۔

شاید اسی ترغیب کی بناپر آپ کے خادم خاص حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ نے آپ سے شادی کرلی۔ ابن سعد ہی کی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو آزاد کرکے ان کی شادی ام ایمن سے کردی تھی۔ حضرت زید بن شراحبیل کلبی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ انہوں نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کردیا تھا جس کی وجہ سے اب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ ابنِ سعد ہی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شادی بعثت نبوی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کے بعد ہوئی۔[10]

ہجرت کے بعد کے واقعات کی تاریخوں کو ملایا جائے تو اس شادی کی تاریخ بعثتِ نبوی کے فوراً بعد بنتی ہے، چنانچہ اس حوالے سے یاسین مظہر صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

> "حضرت زید بن حارثہ کلبی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دس سال چھوٹے تھے۔ حضرت ام ایمن سے شادی کے وقت ان کی عمر تیس پینتیس سال رہی تھی اور حضرت ام ایمن کی عمر یقیناً زیادہ تھی۔ اس شادی سے حضرت زید کے فرزند حضرت اسامہ پیدا ہوئے تھے اور وہ ہجرت مدینہ کے وقت چھوٹے تھے۔ روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر کے ہم عمر تھے اور اسی بنا پر دونوں کو غزوۂ بدر میں نابالغ سمجھ کر نظر انداز کردیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے نوجوان صحابہ کرام کے مسترد کئے جانے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ غزوۂ احد میں بھی ان دونوں کو دوسرے کم سن بچوں کی مانند شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی۔ بلاذری نے وضاحت کی ہے کہ حضرت اسامہ، وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اکیس سال کے تھے لہٰذا وہ ہجرت مدینہ کے وقت دس گیارہ سال کے تھے اور ان کی تاریخ و سن ولادت 611ء تا 612ء تھا۔ حضرت زید کی شادی حضرت ام ایمن سے اس لحاظ سے نبوت و بعثت کے فوراً بعد ہی ٹھہرتی ہے، اور یہی روایات میں بیان بھی ملتا ہے۔"[11]

---

(10) ایضاً۔

(11) حضرت ام ایمن، ص16۔

اس شادی کے بعد آپ زید بن حارثہ کے ساتھ ان کے گھر میں رہائش پذیر ہو گئیں۔ اگرچہ زید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا تھا مگر وہ برابر آپ کی خدمت کرتے رہے اور آپ ہی کے زیر کفالت رہے، اس لئے بظاہر الگ گھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عطا فرمایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہی تھی کہ شادی شدہ بچوں اور بچیوں کو الگ مکان دیا کرتے تھے چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جب مدینہ منورہ میں شادی ہوئی تو انہیں الگ رہائش دی گئی۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے اپنے دوسرے شوہر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تقریباً بیس سال کا عرصہ گزارا، کیونکہ اگر بعثت نبوی کے فوراً بعد شادی کو تسلیم کیا جائے، جیسا کہ ابھی لکھا گیا، تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی وفات آٹھ ہجری میں غزوۂ موتہ میں ہوئی ہے جس کی تفصیل آئندہ حضرت زید کے تذکرے میں باحوالہ آرہی ہے۔ اس لحاظ سے یہ بیس سال کا زمانہ بنتا ہے، تقریباً بارہ سال مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل اور آٹھ سال ہجرت مدینہ کے بعد۔ حضرت زید نے اس دوران اور شادیاں بھی کیں مگر مصادر میں حضرت زید کے حالات دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے ام ایمن کے علاوہ جس سے بھی نکاح کیا اسے طلاق دے دی اور وہ شادی زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی۔ انہی میں سے ایک شادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کرائی تھی۔ حضرت زید نے انہیں طلاق دے دی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی۔ اس طلاق اور شادی کا ذکر قرآن کریم کی سورہ احزاب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔[12] اس کے علاوہ حضرت زید نے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط سے بھی شادی کی، انہیں بھی طلاق دے دی،[13] پھر ابولہب کی بیٹی "درۃ" سے بھی نکاح کیا اور انہیں بھی طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی بہن ہند بنت العوام سے نکاح کیا، یہ نکاح بھی نہ چل سکا۔[14] الغرض حضرت ام ایمن کے علاوہ کسی کے ساتھ بھی حضرت زید کا نکاح زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکا، جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ رشتہ کتنا خوشگوار اور مضبوط تھا کہ دیگر رشتوں میں دراڑ آنے کے باوجود یہ رشتہ آخر تک قائم رہا۔

---

(12) سورۃ الاحزاب (33): 37 تا 41۔

(13) انساب الاشراف، ج 1، ص 467۔

(14) الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 33۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے شادی کی وقت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک

ام ایمن رضی اللہ عنہا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس طویل اور خوشگوار رفاقت پر اس وقت حیرت زیادہ بڑھ جاتی ہے جب ام ایمن رضی اللہ عنہا اور حضرت زید کی عمروں کا باہم فرق دیکھا جائے۔ مصادر سیرت میں درج واقعات کو دیکھنے اور انہیں باہم ملانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بوقت شادی حضرت زید اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کی عمروں میں بہت فرق تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً اٹھارہ سے بیس سال کے درمیان تھی جبکہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔

جیسا کہ لکھا گیا، حضرت ام ایمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد یا والدہ کی باندی تھیں اور بطور وراثت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مالک بنے تھے، پھر ام ایمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت بھی موجود تھیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنو سعد میں حضرت حلیمہ کے ہاں سے رضاعت سے واپسی پر ہی ام ایمن پوری طرح آپ کی دایہ اور پرورش کرنے والی بنیں۔ پھر ام ایمن، حضرت آمنہ کے سفر یثرب میں بھی ہمراہ تھیں۔ اس سارے عرصے میں یقیناً حضرت ام ایمن پندرہ سے بیس سال کی تو رہی ہوں گی۔ یہ بھی لکھا گیا کہ ام ایمن کی پہلی شادی عبید بن زید سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد ہوئی، اور یہ بات مسلم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی پچیس سال کی عمر میں کی، یوں پہلی شادی کے وقت حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی عمر بہت کم بھی شمار کی جائے تو چالیس سال تو بنتی ہے۔ اس شادی سے ایک بیٹے ایمن پیدا ہوئے، پھر ام ایمن کے یہ شوہر فوت ہو گئے اور آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ دوسری شادی بعثت نبوی کے پہلے سال میں ہوئی جیسا کہ اوپر لکھا گیا، اور بعثت نبوی بالاتفاق عمر مبارک کے چالیسویں سال میں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے پچیسویں برس جب ام ایمن کی عمر چالیس سال تھی تو چالیسویں برس میں ان کی عمر کم از کم پچپن سال ہوئی اور اسی وقت میں آپ کی شادی حضرت زید بن حارثہ سے ہوئی۔

دوسری طرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عمر ام ایمن رضی اللہ عنہا سے شادی کے وقت بہت کم تھی کیونکہ زید بن حارثہ، حضرت خدیجہ کے غلام تھے۔ انہوں نے شادی کے بعد بطور ہدیہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا تھا۔ اس وقت حضرت زید کی عمر پانچ یا آٹھ سال تھی[15] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید سے دس سال بڑے

---

(15) الاستیعاب، ج2، ص542۔

تھے جیسا کہ اوپر لکھا گیا، مگر زیادہ صحیح یہی ہے کہ آپ ﷺ حضرت زید سے بیس سال بڑے تھے کیونکہ مصادر میں ہے کہ حضرت زید کو سیدہ خدیجہ نے جب شادی کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو ان کی عمر پانچ یا آٹھ سال تھی اور بوقت شادی آپ ﷺ کی عمر مبارک بالاتفاق پچیس سال تھی۔ تو یوں آپ ﷺ حضرت زید سے بیس سال بڑے ٹھہرے نہ کہ دس سال۔ الغرض آپ ﷺ کی شادی کے وقت اگر حضرت زید کو پانچ سال کا بچہ قرار دیا جائے تو آپ ﷺ کی عمر کے چالیسویں سال میں بوقتِ بعثت، حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عمر پندرہ سال ٹھہرتی ہے اور اگر بوقت شادی آٹھ سال کا بچہ قرار دیا جائے تو بوقتِ بعثتِ نبوی، زید رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ سال قرار پاتی ہے، جبکہ بعثت کے پہلے سال ہی آپ کی شادی ام ایمن سے ہوئی جو اس وقت تقریباً ساٹھ سال کی تھیں۔

حضرت زید اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کی عمروں میں اس واضح فرق کے باوجود حضرت زید کا ام ایمن کے ساتھ ایک طویل عرصہ گزارنا اور انہیں طلاق نہ دینا جبکہ ان کے علاوہ کم از کم تین بیویوں کو طلاق دینا نہایت تعجب خیز ہے۔ اس کی وجہ جہاں میاں بیوی کا باہمی تعلق اور لگاؤ ہو سکتا ہے وہیں اس میں شاید اس کو بھی دخل ہو کہ یہ شادی رسول اللہ ﷺ نے خود کرائی تھی نیز ام ایمن رضی اللہ عنہا سے حضرت زید کے جو بیٹے پیدا ہوئے (حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ) ان سے بھی رسول اللہ ﷺ کو بہت غیر معمولی تعلق تھا، جیسا کہ آئندہ ان کے حالات میں آئے گا۔ شاید یہ تعلق و محبت بھی طلاق سے مانع رہا ہو اور پھر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کو جو ماں جیسا تعلق تھا خود وہ بھی اس کا ایک قوی سبب ہو سکتا ہے۔ بہر حال، یہ ایک خوشگوار حیرت تھی جسے ہم نے اپنے قارئین کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے۔ پھر ساٹھ سال کی عمر میں شادی کے بعد اولاد کا ہونا بھی ایک غیر معمولی بات ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بیس سالہ طویل رفاقت کے باوجود ایک بیٹے اسامہ کے علاوہ آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ مگر تعجب ہے کہ اس پہلو پر مصادر سیرت میں کہیں کوئی ایسی بات اشارتاً بھی نہیں ملتی جس سے یہ تاثر ملتا ہو کہ یہ کوئی غیر معمولی واقعہ تھا۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کے شوہر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

آپ کو "حِبُّ الرسول" یعنی رسول اللہ ﷺ کے محبوب اور دوست اور پسندیدہ ترین شخصیت کہا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا، اس لئے انہیں "زید بن محمد" بھی کہا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ قرآن پاک میں منہ بولے بیٹوں کیلئے یہ حکم نازل ہوا کہ ان کی نسبت ان کے اصل باپ کی طرف کی

جائے۔[16] آپ، رسول اللہ ﷺ کے سب سے مشہور خادم اور غلام تھے اور آپ ﷺ کو بھی ان سے بہت زیادہ تعلق خاطر تھا۔

آپ کا مکمل نام ونسب اس طرح سے ذکر کیا گیا ہے:

زید بن حارثة بن شراحیل بن عبد العزی بن امرئ القیس بن عامر بن النعمان بن عامر بن عبد ود،[17] آپ کی کنیت ابو اسامہ تھی۔

آپ کی والدہ کا نام سُعدَی بنت ثعلبہ تھا جن کا تعلق قبیلہ بنو طی کی شاخ بنو معن سے تھا۔ زید ابھی بہت چھوٹے تھے کہ آپ کی والدہ اپنے قبیلے میں رشتہ داروں سے ملنے انہیں ساتھ لے کر جارہی تھیں کہ راستے میں ایک قبیلے کے لوگوں نے لوٹ مار کی اور حضرت زید کو اپنے ساتھ لے گئے اور بازار میں فروخت کر دیا۔ بازار میں انہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے خرید لیا اور اپنے پھوپھی کو پیش کیا۔ حضرت خدیجہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیا اور یوں وہ رسول اللہ ﷺ کے غلاموں میں شمار ہونے لگے۔ حضرت زید کے رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں پہنچنے کے واقعات مصادر میں بہت مختلف طریقوں سے آئے ہیں لیکن سب سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے جسے تحریر کیا گیا ہے اور اکثر مصادر نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔[18]

حضرت زید کے گم ہو جانے پر آپ کے والد حارثہ بن شراحبیل بہت زیادہ غمگین تھے اور انہیں تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے تھے اور ان کے غم میں اشعار بھی کہا کرتے تھے۔ ان کے اشعار کتب سیرت میں تفصیل کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں۔ قبیلہ بنو کلب کے لوگ حج کیلئے آئے، حضرت زید کو دیکھ کر پہچان لیا۔ حضرت زید نے کچھ اشعار کہے جن میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاندان کی تعریف تھی اور بنو کلب کے لوگوں سے کہا کہ یہ اشعار میرے گھر والوں تک پہنچا دینا اور انہیں کہنا کہ میری تلاش میں خود کو نہ تھکائیں میں بہت اچھی جگہ پر ہوں۔ بنو کلب کے لوگوں نے وہ اشعار آپ کے والد تک

---

(16) سورۃ الاحزاب(33):5۔

(17) الطبقات الکبری، ج40،3۔ انساب الاشراف، ج1، ص467۔

(18) دیکھئے حوالۂ بالا، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں "الاستیعاب" ج2، ص542، "اسد الغابہ" ج350،2، "الاصابہ" ج2، ص494۔

پہنچا دیئے۔ آپ کے والد اپنے بیٹے کی خبر سن کر بے تاب ہو گئے اور اپنے بھائی کعب بن شراحبیل کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے خبر پا کر انہیں بلوا بھیجا اور حضرت زید کو بھی بلا لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں یہ میرے والد اور چچا ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید کو اختیار دیا کہ آپ جسے چاہیں پسند کریں اور آپ کے والد سے کہا کہ اگر یہ آپ کے ساتھ جانے کو پسند کریں تو یہ آپ کے ہیں، آپ بغیر کسی معاوضے کے انہیں لے جا سکتے ہیں؛ اور اگر یہ مجھے پسند کرے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں کہ جو مجھے پسند کرے اور میں اسے کسی اور کے حوالے کر دوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کو پسند کیا، اس پر آپ کے والد اور چچا نے انہیں سمجھایا کہ تم آزادی پر غلامی کو اور اپنے والد اور چچا پر کسی اور کو کیسے ترجیح دے سکتے ہو۔ مگر زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ میں نے ایسی اعلیٰ صفات دیکھی ہیں کہ اب میں آپ پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا۔

حضرت زید کے اس اظہارِ محبت پر رسول اللہ ﷺ انہیں ساتھ لے گئے اور حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اے لوگو! گواہ رہنا زید میرا بیٹا ہے، یہ میرا وارث ہو گا اور میں اس کا وارث۔ حضرت زید کے والد اور چچا نے یہ ماجرا دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور انہیں بخوشی رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد لوگ آپ کو زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد ہی کہا کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ احزاب کی آیت نازل ہوئی جس کہا گیا کہ "محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں"[19] تو اس کے بعد لوگوں نے آپ کو اپنے حقیقی والد حضرت حارثہ کی نسبت سے ہی بلانے لگے۔[20]

حضرت زید کے حلئے کے بارے میں آتا ہے کہ آپ میانہ قد تھے، جلد گہرے گندمی رنگ کی تھی اور ناک چپٹی تھی۔[21] ابن سعد نے آپ کا رنگ گندمی بتایا ہے[22] لیکن ذہبی نے اس کے برعکس لکھا

---

(19) سورہ الاحزاب (33):40۔

(20) ابن سعد نے طبقات میں اور بلاذری نے انساب میں اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے، اور حضرت زید کے حالات میں تقریباً سب نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

(21) الطبقات الکبری، ج3، ص40۔

(22) حوالہ بالا۔

ہے کہ آپ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا جبکہ آپ کے بیٹے اسامہ کا رنگ گہرا گندمی تھا[23] جبکہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت زید کا رنگ بہت زیادہ سفید تھا اور آپ کے بیٹے اسامہ کا رنگ کالی رات کی طرح سیاہ تھا۔[24] روایات کے اس اختلاف میں سب سے مناسب بات ذہبی کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپ کی اہلیہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا رنگ نہایت سیاہ تھا کیونکہ وہ حبشہ کی رہنے والی تھیں جبکہ حضرت زید خالص عربی تھے، ان کا رنگ عربی کی طرح سفید ہی ہو گا جبکہ ان دونوں کے ملاپ سے جو بیٹا پیدا ہوا یعنی اسامہ رضی اللہ عنہ، ان کا رنگ گندمی ہونا طبعی ہے جیسا کہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بچے پر ماں باپ، دونوں کے رنگ میں سے کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہی ہے۔

حضرت زید بن حارثہ اولین اسلام لانے والوں میں سے ہیں، حتیٰ کہ بعض نے آپ کو مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں شامل کیا ہے۔ لیکن مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہوئے محققین نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ غلاموں میں سب سے پہلے آپ ہی اسلام لائے۔ رسول اللہ ﷺ کو آپ سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ اُن ارشادات سے بھی ہوتا ہے جو صحیح روایات میں آئے ہیں۔ ابن سعد آپ کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "زید تم میرے بہت عزیز دوست اور لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔"[25] بخاری کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "أنت أخونا ومولانا"[26] یعنی: زید تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو۔

اسی تعلق کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ہر موقع پر حضرت زید کو ترجیح دیتے تھے۔ تقریباً نو لڑائیوں میں آپ کو سردار بنا کر بھیجا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس لشکر میں بھی حضرت زید کو بھیجا، بطور سردار ہی بھیجا۔[27] آپ کے بعد آپ کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید کے ساتھ بھی رسول اللہ

---

(23) ذہبی، شمس الدین، ابو عبداللہ، محمد بن احمد بن عثمان (متوفی 748ھ)، ج 1، ص 222، مؤسسۃ الرسالۃ، ط 3، 1405ھ، 1985ء۔

(24) البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 253۔

(25) الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 44۔

(26) صحیح البخاری، حدیث 2699۔

(27) الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 46۔

ﷺ کا یہی محبت وشفقت والا رویہ تھا، حتی کہ اپنی زندگی کا آخری لشکر جو آپ ﷺ وسلم نے روانہ فرمایا جس میں بڑے بڑے صحابہ کرام تھے، اس میں بھی سرداری حضرت زید کو ہی عطا فرمائی۔[28] حضرت زید کی لڑائیوں میں آخری لڑائی "موتہ" کی تھی جس میں حضرت زید کی شہادت بھی ہوگئی۔ اسے غزوۂ موتہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید کو ہی امیر بنایا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو ان کے بعد جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے، اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبد اللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔ حضرت جعفر آپ کے چچازاد بھائی تھے اور خاندانی لحاظ سے عزت وشرافت والے تھے، ان پر بھی حضرت زید کو ترجیح دینا رسول اللہ ﷺ کے ہاں ان کے مقام ومرتبے کو واضح کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں کوئی ڈرپوک تو نہیں ہوں کہ آپ نے مجھ پر زید کو ترجیح دی اور انہیں امیر بنادیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تو نہیں جانتا کہ کیا چیز زیادہ بہتر ہے۔

غزوۂ موتہ آٹھ ہجری میں پیش آیا، اسی میں حضرت زید بن حارثہ اور ان کے ساتھ ان کے دونوں نائبین حضرت جعفر اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما بھی شہید ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لشکر کو بچا کر مدینہ واپس پہنچایا۔ اس کے علاوہ جن غزوات میں حضرت زید نے شرکت کی ان میں بدر واُحد جیسے عظیم غزوات سمیت پانچ یا چھ غزوات شامل ہیں۔[29] ان تمام لڑائیوں میں حضرت زید کے کارنامے اور اس کے علاوہ ان کی زندگی پر اگر تفصیل سے لکھا جائے تو یہ ایک مستقل مقالے کا متقاضی ہے جس کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی۔

گزشتہ معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہ ایک غلام کی حیثیت سے رسول اللہ کی خدمت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے نبوت ملنے سے پہلے پہنچے۔ بعثت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آزاد کر دیا اور اپنی عزیز خادمہ اور ماں جیسی خاتون ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی کر دی جن سے ان کے بیٹے اسامہ پیدا ہوئے اور اسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی رسول اللہ ﷺ کو بے پناہ محبت تھی۔ حضرت زید اولین

---

(28) الطبقات الکبری، ج2، ص190۔

(29) تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے واقدی کی کتاب "المغازی" ج2، ص553 تا 565، اور ج2، ص755۔ نیز ابن سعد کے ہاں بھی یہ تمام تفصیلات موجود ہیں۔ ابن سعد نے آپ کے غزوات کی تعداد چھ گنوائی ہے جس میں بدر واُحد کے علاوہ غزوہ مریسیع، غزوہ خندق، غزوہ حدیبیہ اور غزوہ خیبر شامل ہیں، دیکھئے "الطبقات الکبری" ج3، ص45۔

اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور رسول اللہ کے پسندیدہ ترین لوگوں میں شامل تھے، رسول اللہ ﷺ نے آپ کی جنگی صلاحیتوں کو بھانپتے ہوئے آپ کو نو کے قریب سرایا میں امیر بنا کر بھیجا اس کے علاوہ آپ نے چھ غزوات میں شرکت کی اور غزوۂ موتہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا، رضی اللہ عنہ وعن جمیع الصحابہ۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی اولاد و احفاد

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا خوانگی حالات میں ان کی اولاد کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ گزشتہ سطور سے واضح ہے کہ آپ کے پہلے شوہر عبید بن زید خزرجی سے ایک بیٹے "ایمن رضی اللہ عنہ" تھے اور یہ شادی آپ ﷺ کی حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد ہوئی تھی جس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک تقریباً پچیس سال تھی۔ ایک ہی بیٹے کے بعد عبید خزرجی کا انتقال ہو گیا جس کے بعد ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بعثت نبوی تک شادی نہیں کی۔ بعثت کے پہلے سال ہی آپ ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کی دوسری شادی اپنے منہ بولے بیٹے اور غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کرائی۔ ان سے آپ کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جو اپنے والد حضرت زید کی طرح ہی رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے۔ حضرت ام ایمن کے بس انہی دو بیٹوں کا تذکرہ ملتا ہے اور قرائن سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان دو بیٹوں کا تذکرہ حسبِ ترتیبِ زمانی، درجِ ذیل ہے۔

حضرت ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہ

باوجودیکہ اہل عرب کے ہاں خاص طور پر اور ویسے بھی بالعموم بیٹے کی نسبت ہمیشہ باپ ہی کی طرف کی جاتی ہے، اس کے باوجود "ایمن" رضی اللہ عنہ کی نسبت بجائے ان کے باپ کے ماں کی طرف کی جاتی تھی اور بہت سی کتب میں بھی انہیں ماں ہی کی نسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ام ایمن آپ کے والد عبید بن زید خزرجی سے افضل تھیں کیونکہ یہ مسلمان تھیں جبکہ والد نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا تھا نیز ام ایمن اہلبیت نبوی کے ہاں زیادہ شہرت رکھتی تھیں۔[30]

بہر حال، آپ حضرت ایمن رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عبید بن زید خزرجی تھا جو کہ ام ایمن کے پہلے شوہر تھے۔ آپ کب اسلام لائے، ہجرت کب کی اور ابتدائے اسلام میں آپ کہاں رہے، کن غزوات میں

---

(30) فتح الباری، ج 7، ص 89، ذکر اسامہ بن زید۔

شرکت کی؟ یہ تمام تفصیلات نہیں ملتیں۔ البتہ اکثر کتب سیرت وسوانح میں آپ کا تذکرہ غزوۂ حنین کے ضمن میں ملتا ہے۔ غزوۂ حنین میں آپ ان لوگوں میں شامل تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے۔ اسی غزوۂ میں آپ نے شہادت نوش فرمائی۔ غزوۂ حنین آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے فوراً بعد شوال میں پیش آیا، جس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ حضرت ایمن کی وفات آٹھ ہجری میں ہوئی۔[31]

عام طور پر کتب میں ایمن رضی اللہ عنہا کا تذکرہ صرف غزوۂ حنین ہی کے حوالے سے آیا ہے، البتہ سیرت ابن اسحاق میں غزوۂ خیبر کے ضمن میں بھی آپ کا تذکرہ اس طور پر آگیا ہے کہ حضرت حسان بن ثابت خزرجی رضی اللہ عنہ نے آپ کے غزوۂ خیبر میں شریک نہ ہونے کا عذر آپ کی والدہ کے حضور میں اس وقت پیش کیا جب آپ کی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ کو غزوہ میں شریک نہ ہونے پر بزدل قرار دیا کیونکہ خود حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا غزوۂ خیبر میں شریک تھیں جیسا کہ آئندہ ذکر کیا جائے گا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اشعار کی صورت میں یہ عذر پیش کیا کہ ایمن رضی اللہ عنہا ایک بہادر جنگجو اور بہترین شہسوار ہیں مگر ان کے گھوڑے کے بیمار ہونے کی وجہ سے وہ شریک نہیں ہو سکے۔[32]

اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ایمن رضی اللہ عنہا دیگر غزوات میں بھی شریک ہوئے ہوں گے کیونکہ اگر وہ سات ہجری میں غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک بہترین شہسوار تھے تو پانچ ہجری میں غزوۂ مریسیع اور تین ہجری میں غزوۂ احد کے وقت بھی لڑائی کے قابل ہوں گے، اور ان دونوں غزوات میں آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے خود شرکت کی تھی جیسا کہ آئندہ ذکر کیا جائے گا، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بہادر ماں نے بیٹے کو شرکت کا نہ فرمایا ہو۔

علامہ محمد بن یوسف الشامی نے اپنی سیرت میں جہاں رسول اللہ ﷺ کے خدام کا تذکرہ کیا ہے، اس ضمن میں ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ایمن رضی اللہ عنہا کے ذمے رسول اللہ ﷺ کو

---

(31) الطبقات الکبری، ج2، ص115، غزوۃ حنین۔ اس کے علاوہ سیرت کے تقریباً تمام مشہور بنیادی مآخذ میں غزوۂ حنین کے ضمن میں آپ کی شہادت کا ذکر موجود ہے۔

(32) سیرت ابن ہشام، ج2، ص348۔

طہارت کیلئے پانی فراہم کرنا تھا، "وكان على مطهرة رسول الله ﷺ"[33] کے الفاظ آئے ہیں۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ ایمن بن عبید رضی اللہ عنہ بوقت حاجت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ضرورت کی چیز مہیا فرماتے تھے۔[34]

بعض روایات میں حضرت ایمن رضی اللہ عنہ کے بیٹے حجاج بن ایمن کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح آپ کے ایک اور بیٹے جبیر کا ذکر بھی ملتا ہے[35] جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آپ کی نسل آگے چلی تھی۔ امام بخاری نے فضائل صحابہ کے بیان میں جہاں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کیا ہے، وہیں حضرت ایمن رضی اللہ عنہ کے بیٹے حجاج بن ایمن کا بھی ذکر ہے، پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی اولاد سے کس قدر تعلق اور لگاؤ تھا، اگر وہ حجاج کو دیکھتے تو ان سے بھی بہت پیار کرتے۔ یہ واقعہ آئندہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ صحابہ کرام کے تعلق کے ضمن میں باحوالہ ذکر کیا جائے گا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے دوسرے شوہر حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ سے ان کے دوسرے فرزند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے فضائل پر کتب حدیث میں مستقل ابواب موجود ہیں اور صحابہ کرام کے حالات پر لکھی جانے والی کتابوں میں آپ کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ تمام واقعات کو نقل کرنا باعث طوالت ہوگا لہٰذا صرف چند اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، حضرت اسامہ بن زید کو غزوۂ بدر و اُحد کے موقعے پر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کم عمری کی وجہ سے واپس کر دیئے گئے تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی تاریخ ولادت ہجرت سے کوئی دس گیارہ سال پہلے متعین کی جاسکتی ہے۔ آپ رسول اللہ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کے فرزند تھے جنہیں مدتوں تک زید بن محمد کہا جاتا رہا۔ اس لحاظ سے حضرت اسامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتوں کی طرح تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسامہ سے ایسے ہی پیار کرتے تھے جیسا کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے۔ صحیح

---

(33) سبل الہدیٰ والرشاد، ج 11، ص 406، ذکر عبیدہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(34) ایضاً، ص 414۔

(35) ابن قتیبہ، ابو محمد، عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ (متوفی 276ھ)، المعارف، ص 144، الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب - قاہرۃ، ط 2، 1992ء۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ حضرت اسامہ اور حضرت حسن، دونوں کو پکڑتے اور فرماتے "اے اللہ ان دونوں سے محبت فرما کیونکہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔"(36)

یہی وجہ ہے کہ اپنے والد زید کی طرح حضرت اسامہ کو بھی "حب الرسول" کہا جاتا تھا، اور یہ محبت اس درجہ کی تھی کہ دیگر سینکڑوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بیٹوں کا ذکر کتب میں موجود ہے مگر جس طرح کی محبت کا اظہار کھلے عام رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ سے فرمایا، شاید ہی کسی کیلئے فرمایا ہو۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ غزوۂ موتہ کا بدلہ لینے کیلئے جب آپ ﷺ نے لشکر تیار کیا تو اس کا امیر و سپہ سالار حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بنایا جو اس وقت محض اکیس سال کے جوان لڑکے تھے۔ لشکر میں بڑے بڑے صحابہ کرام موجود تھے اور لشکر کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ یہ آخری لشکر تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے جنگ کیلئے روانہ کیا تھا، اس کے بعد آپ کی وفات ہو گئی تھی۔ اس لشکر کی امارت حضرت اسامہ کو ملنے پر جب بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "اگر تم لوگ اسامہ کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو تو یقیناً تم اس سے پہلے اس کے والد (زید) کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، اور خدا کی قسم وہ امارت کے لائق ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور خدا کی قسم یہ یعنی "اسامہ" زید کا بیٹا بھی اس کے بعد میرے لئے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔"(37)

مجمع عام میں اس طرح کا اظہار محبت شاید صرف حضرت اسامہ ہی کا خاصہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حجۃ الوداع جیسے بڑے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انہی کو اپنے ساتھ سوار کیا تھا۔ حضرت اسامہ کو آپ اس کثرت سے اپنے ساتھ سوار کرتے تھے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کا "ردیف" کہا جانے لگا تھا۔ آپ ﷺ کے اسی تعلق و محبت کی وجہ سے صحابہ کرام کے ہاں بھی حضرت اسامہ کا بڑا مقام تھا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وظیفے مقرر ہوئے تو آپ نے حضرت اسامہ کا وظیفہ اپنے بیٹے عبد اللہ اور دیگر

---

(36) صحیح بخاری، ج5، ص24، حدیث: 3735۔

(37) ایضاً، ص414۔

بعض صحابہ سے بھی زیادہ مقرر کیا۔ اس پر جب ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"میں نے انہیں اس لئے دوسروں سے زیادہ دیا ہے کہ وہ تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے، اور ان کے والد (زید) تمہارے والد (عمر) سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔"(38)

حضرت اسامہ نے اپنے والد زید رضی اللہ عنہما کی طرح کثرت سے شادیاں کیں۔ آپ کی کئی شادیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کروائیں اور کثرت سے آپ کی اولاد ہوئی۔ آپ کی عمر بہت طویل ہوئی اور آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وفات پائی۔ صحابہ کرام کی باہمی لڑائیوں میں آپ کسی جانب بھی شریک نہ ہوئے، 54 ہجری میں آپ نے وفات پائی۔

---

(38) الطبقات الکبری، ج3، ص226۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ہجرتِ مدینہ اور اس کے بعد کے حالات

ہجرت کی روایات سے پتا چلتا ہے کہ پہلے مسلمانوں نے ہجرت کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ حضرت ام ایمن کے شوہر حضرت زید اور دیگر بعض خدام عام مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر گئے تھے۔ حضرت زید نے اپنے مکی مواخات کے بھائی حضرت حمزہ کے ساتھ ہجرت کی تھی اور حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر اترے تھے۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں ہی رہیں، شاید خدمت کی غرض سے یا اس لئے کہ وہ اہل بیت میں شامل تھیں، اور ہجرت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اہل بیت کو اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو مکہ میں ہی چھوڑ دیا تھا، تو ان کے ساتھ وہ بھی ٹھہر گئیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر ہجرت کے چھ سات ماہ بعد جب اپنے لئے اور گھر والوں کیلئے حجروں کی تعمیر شروع کی تو اس وقت اپنے دو غلاموں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع کو بھیجا کہ وہ آپ کے گھر والوں اور بیٹیوں کو لے آئیں۔ ازواجِ مطہرات میں سے حضرت سودہ بنت زمعہ اور بیٹیوں میں سے حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم شامل تھیں۔ انہی کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے گھر والوں کو بھی بلا بھیجا، جن میں آپ کی اہلیہ ام رومان رضی اللہ عنہا اور آپ کی دو بیٹیاں حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما شامل تھیں۔ اسی قافلے میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اور آپ کے صاحبزادے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اپنے شوہر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے گھر اتریں جو ان کے مدنی مواخات کے بھائی حضرت اُسَید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا تھا، بعد میں اپنے گھر منتقل ہو گئیں۔ (1)

ہجرت کے بعد ام ایمن رضی اللہ عنہا اپنے دو بیٹوں ایمن اور اسامہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ سکھ چین سے جینے لگیں اور ایک نئی اور بھرپور زندگی کا آغاز ہوا۔ ہجرت کے بعد کے واقعات سے زیادہ بہتر اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسا تعلق تھا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے کس قدر الفت، تعلق، محبت اور ایک ماں جیسا پیار تھا۔ اور کیوں نہ ہو کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ہی بچپن سے ماں کی طرح آپ کو پالا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(1) ہجرت کی تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو: انساب الاشراف، ج 1، ص 269 ومابعد، امر الهجرة، انتقال عائلة الرسول للمدينه۔ الطبقات الکبری ج 1، 175۔

والدہ کی وفات کے بعد ام ایمن رضی اللہ عنہا ہی آپ کی ماں کی جگہ تھیں، اسی وجہ سے انہیں "حاضنة الرسول" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ماقبل میں لکھا جا چکا ہے کہ "حاضنۃ" عربی میں اس عورت کو کہتے ہیں جو بچے کی ماں کے مرنے کے بعد ماں کی طرح اس کی پرورش و پرداخت کرے۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق خاطر

ہماری کتاب کا عنوان "امہات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ام ایمن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی والدہ نہیں تھیں اور، صحیح قول کے مطابق، نہ ہی آپ کی رضاعی ماؤں میں شامل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ رضاعت میں حضرت ام ایمن کی کوئی شادی ہی نہیں ہوئی کہ جس سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کی رضاعت کا امکان پیدا ہو سکے۔ اس کے باوجود ام ایمن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماؤں میں ذکر کرنے کی وجہ صرف یہی ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماؤں کے طرح پالا۔ آپ کی والدہ کی وفات کے بعد آپ کی ماں بن کر رہیں۔ حضرت عبد المطلب نے خاص طور پر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھنے پر مامور کیا تھا اور اس میں کسی بھی طرح کی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ماں کہہ کر ہی پکارا کرتے تھے اور آپ سے ماں جیسی ہی محبت فرماتے تھے۔ آپ کی اولاد سے محبت کا مختصر تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، ذیل میں کچھ ایسی روایات نقل کی جاتی ہیں جن سے اس تعلق و محبت پر روشنی پڑتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ام ایمن کے گھر آنا جانا اور کچھ تناول فرمانا

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر آنا جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ بعض کتب سیرت سے معلوم ہوتا ہے آپ کے گھر پابندی سے تشریف لے جاتے، کبھی کچھ تناول فرماتے اور کبھی نہیں، اور یہ آنا جانا اس کثرت سے تھا کہ آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے بھی اس تعلق کو نباہتے ہوئے ام ایمن کے پاس جانے کا معمول قائم رکھا۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ام ایمن کے گھر کے طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ میں بھی ساتھ ہو لیا، وہاں پہنچے تو ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ کو شربت پیش کیا تو آپ نے روزے یا کسی اور وجہ سے پینے سے انکار فرما دیا۔ اس پر ام ایمن رضی اللہ عنہا

نے آپ کو اس قدر ڈانٹا کہ ان کی آواز بلند ہو گئی اور وہ غصے میں بولتی رہیں۔"[2]

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ غصہ اور ڈانٹ بطور ناز کے تھا، کیونکہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ کی بچپن سے پرورش و پرداخت کی تھی اور حدیث میں ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام ایمن میری ماں کے بعد ماں جیسی ہی ہیں۔[3]

صحاح ستہ میں شامل حدیث کی مشہور کتاب سنن ابن ماجہ میں صحیح سند کے ساتھ ایک روایت آئی ہے جس سے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر جایا کرتے تھے اور کچھ تناول بھی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آٹے کو چھان کر اسے گوندھا اور اس چھنے ہوئے آٹے سے باریک چپاتی تیار کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چونکہ چپاتی نہیں بنتی تھی اس لئے سوال فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ یہ ایک کھانا ہے جسے ہم اپنی سرزمین (حبشہ) میں بناتے ہیں، میرے جی میں آئی کہ یہ خاص کھانا آپ کیلئے بھی بناؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹے کی چھانٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے آٹے میں دوبارہ ملا کر گوندھئے اور پھر روٹی بنایئے۔[4]

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چھنا ہوا آٹا استعمال نہیں فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھنی نہیں دیکھی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ جو کا آٹا بغیر چھانے کیسے کھاتے تھے؟ تو فرمایا کہ ہم اسے پھونک لیتے تھے اور جو بچ جاتا اسے بھگو کر استعمال کر لیتے۔[5] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی باریک چھنے ہوئے سفید آٹے کی روٹی نہیں کھائی۔[6] آٹے کو چھاننے سے ممانعت یا تو اس وجہ سے ہے کہ یہ ترفّہ اور راحت طلبی کو ظاہر کرتا ہے جو مطلوب نہیں، یا اس لئے کہ بغیر چھنا آٹا صحت کیلئے بھی مفید ہے۔ بہر حال، ذکر کردہ

---

(2) صحیح مسلم، حدیث:2453۔

(3) النووی، ابوزکریا، یحیی بن شرف (متوفی676ھ)، ج16، ص9، دار احیاء التراث العربی - بیروت، ط2، 1392ھ۔

(4) سنن ابن ماجہ، حدیث3336۔

(5) سنن ابن ماجہ، حدیث3335۔

(6) ابن ماجہ، حدیث3337۔

واقعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ام ایمن کے ہاں کبھی کھانا بھی تناول فرمایا کرتے تھے اور ان سے ماں جیسے تعلق کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں میں انہیں ٹوکا بھی کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جانا ایک اور روایت میں بھی آیا ہے۔ روایت طویل ہے، اس کے صرف متعلقہ حصے کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ طبرانی نے اپنی کتاب "الدعاء" میں اس روایت کو نقل کیا ہے:

> "حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ فاقہ پیش آگیا تو انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے کچھ کھانے کیلئے طلب کرو۔ اور رسول اللہ ﷺ اس وقت حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے کہا کہ یہ میری بیٹی فاطمہ کی طرح کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے اور وہ ہمارے پاس ایسے وقت میں آئی ہے کہ ایسے وقت میں اس کے آنے کی عادت نہیں۔ پھر ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میری فاطمہ کیلئے دروازہ کھولئے۔ پس ام ایمن رضی اللہ عنہا نے دروازہ کھولا، وہ اندر تشریف لائیں..."۔ (7)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک دعا سکھائی جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے متعلقہ پانچ جملوں پر مشتمل ہے اور نہایت عمدہ دعا ہے۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مزاح فرمانا

کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی دلداری کیلئے ان سے مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور سواری کیلئے اونٹ کی طلب گار ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ کو سواری کیلئے اونٹنی کا بچہ دے سکتا ہوں۔ کہنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ اونٹنی کا بچہ مجھے اٹھا نہیں پائے گا اور نہ ہی مجھے اس کی ضرورت ہے، مجھے تو سواری کیلئے اونٹ چاہئے۔ رسول اللہ

---

(7) طبرانی، الدعاء، ص 319، حدیث 1047، دار الکتب العلمیہ-بیروت، ط 1، 1413ھ۔

ﷺ نے پھر فرمایا کہ نہیں میں تو آپ کو اونٹنی کے بچے پر ہی سوار کروں گا، راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بطور مزاح فرمایا کیونکہ ہر اونٹ، اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔(8)

نازبرداری اور مقام بلند

رسول اللہ ﷺ سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے تعلق و نازبرداری کا اندازہ ایک اور واقعے سے بھی ہوتا ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص، رسول اللہ کو اپنے مال میں سے کھجوروں کے درخت دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب قریظہ فتح ہوا اور کثرت سے کھجوروں کے درخت حاصل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان تمام لوگوں کو کھجوروں کے درخت واپس کئے جنہوں نے آپ کو دیئے تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھے بھی گھر والوں نے بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ سے ان کھجوروں کے درختوں کا مطالبہ کروں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دے رکھے تھے۔ میں پہنچا تو آپ ﷺ وہ درخت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ ام ایمن سے لے لو، میں ام ایمن کے پاس گیا تو انہوں نے میرے گلے میں کپڑا ڈال دیا اور کہنے لگیں:

> "اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں رسول اللہ ﷺ کبھی بھی کھجوروں کے وہ درخت انس کے گھر والوں کو نہیں دیں گے جو مجھے دے چکے ہیں۔ اس پر رسول اللہ نے ام ایمن کو خوش کرنے کیلئے مزید درخت انہیں عطا فرمائے مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تقریباً دس گنا زیادہ درخت انہیں عطا فرمائے۔"(9)

کیا کسی صحابی کی یہ مجال ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک حکم فرمائیں اور وہ اسے ماننے سے انکار کر دے؟ یہ ام ایمن ہی تھیں جو رسول اللہ کے حکم کے بعد بھی انس رضی اللہ عنہ کے سر ہو گئیں اور نہایت سختی سے درخت واپس دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انہیں کچھ نہیں فرمایا بلکہ انہیں راضی کرنے کیلئے، ان کا ناز اٹھاتے ہوئے انہیں کئی گنا زیادہ عطا فرما دیا۔

---

(8) الطبقات الکبری، ج8، ص179۔

(9) صحیح بخاری، حدیث 4120۔

بخاری میں ایک دوسری جگہ یہ روایت ذرا وضاحت کے ساتھ آئی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہجرت کے بعد انصار نے مہاجرین کو جیسے اپنی ہر چیز میں شریک کر لیا تھا، ایسے ہی اپنی کھجوروں اور باغات میں بھی انہیں شامل کر لیا تھا، بہت سے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو کھجور کے باغات میں سے مخصوص درخت دے دیئے تھے جن کا پھل رسول اللہ ﷺ کیلئے ہبہ تھا۔ غزوۂ بنو نظیر اور بنو قریظہ میں ان کی جلاوطنی کے بعد جب وہاں کی اراضی فتح ہو گئیں تو ان کا کچھ حصہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے بطور خمس کے رکھ لیا اور باقی مہاجرین میں تقسیم کر دیا، اور مہاجرین سے کہا کہ انصار نے اپنی جو زمینیں انہیں دے رکھیں تھیں وہ انہیں واپس کر دیں، اسی ضمن میں امام بخاری روایت کرتے ہیں:

> "انصار کی ان زمینوں میں ایک قطعہ زمین حضرت ام ایمن کے تصرف میں بھی تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو جب اس (یعنی باغات کی واپسی) کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت انس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ ام ایمن سے ان کے باغ کا حصہ واپس دلا دیں۔ ام ایمن کو جب حضرت انس کے آنے کا علم ہوا تو وہ بھی آ گئیں اور حضرت انس کے گلے میں کپڑا ڈال کر فرمایا کہ باغ کا یہ حصہ رسول اللہ ﷺ ہرگز تمہیں نہیں دے سکتے کیونکہ یہ پہلے مجھے دے چکے ہیں۔ رسول اللہ نے حضرت انس کی والدہ کا حصہ واپس دلا دیا اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کیلئے اس کے بدلے اپنے خالص حصے میں سے انہیں اس سے دس گنا زیادہ عطا فرمایا۔"(10)

صحیح مسلم میں امام مسلم نے بھی اس تفصیلی حدیث کو نقل فرمایا ہے۔ اس کے آخر میں راوئ حدیث ابن شہاب زہری کا یہ قول بھی نقل کی:

> ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کی خادمہ تھیں۔ پھر آپ ﷺ کے والد کی وفات کے بعد جب حضرت آمنہ کے ہاں رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ام ایمن ہی آپ کی پرورش اور دیکھ بھال کرتی تھیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ بڑے ہو گئے تو

---

(10) صحیح بخاری، حدیث 2630۔

انہیں آزاد کر کے ان کی شادی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے کرا دی۔[11]

یہ ہے وہ رشتۂ ناز جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقعے پر نباہا اور ام ایمن کو ہمیشہ ماں جیسا مقام دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ام ایمن رضی اللہ عنہا کے اس عظیم مقام و مرتبے کا اندازہ ایک اور مشہور واقعے سے بھی ہوتا ہے۔ پانچ ہجری میں غزوۂ مریسیع سے واپسی پر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قافلے سے پیچھے رہ گئیں اور منافقین نے موقع پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے کیلئے ان پر تہمت لگا دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس الزام سے شدید گھٹن میں تھے اور اتمام حجت کیلئے ان عورتوں سے مشورہ اور تفتیش کر رہے تھے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب تھیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماں جیسی خاتون ام ایمن سے بھی مشورہ کیا کہ تمہارا عائشہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے حضرت عائشہ کے بارے میں نہایت عمدہ الفاظ میں اس بے ہودہ الزام سے برأت اور پاکیزگی کا اعلان کیا، فرمانے لگیں:

"حاشاسمعي وبصري ان أكون علمت أو ظننت بها قط إلا خيرا"[12]

"میری آنکھیں اور کان اس بات سے دور رہیں کہ میں ان کے بارے میں بھلائی کے علاوہ کچھ جانوں یا سوچوں۔"

اس اہم اور نازک معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مشورہ کرنا، آپ کے ہاں ان کے مقام و مرتبے کا پتا دیتا ہے۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ناز برداری کا ایک قصہ ابن کثیر نے واقدی کے حوالے سے ذکر کیا جسے پڑھ کر عجیب خوشگوار حیرت ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام ایمن رضی اللہ عنہا کا یہ مادرانہ تعلق کس قدر عزیز تھا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ واقدی اپنے مدنی راویوں سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پیتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

"مجھے بھی پانی پلایئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ ماجرا دیکھا تو بول پڑیں اور کہا اے ام ایمن! کیا آپ یہ بات اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہی ہیں؟ اس پر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میں نے جتنا عرصہ ان کی خدمت کی ہے وہ بہت طویل

---

(11) صحیح مسلم، حدیث 1771۔

(12) مغازی الواقدی، ج2، ص431۔

ہے۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سچ کہتی ہیں،اور پانی لا کر ام ایمن کو پیش کیا"۔(13)

یہ جرأت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہی کر سکتی تھیں کہ اللہ کے نبی سے پانی مانگیں اور پھر اللہ کے نبی نے جہاں امت کو اپنا ادب واحترام سکھایا ہے، وہیں اس عمل سے امت کو یہ سکھایا کہ ماں کا مقام کیا ہوتا ہے!ماں تو بہت بڑی ہستی ہے۔وہ تمام خواتین جو ماں کے درجے میں ہوں، ان کا یہ احترام ہے کہ خدا کے نبی انہیں پانی پیش کر رہے ہیں اور ان کے مقام ومرتبے، اور خدمت کا اعتراف کر رہے ہیں۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کو پردے کا حکم

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تعلق ایک طرح سے اہل بیت سے تھا، کیونکہ وہ موالی نبوی میں سے تھیں اور عرب میں موالی کو بھی خاندان کا فرد سمجھا جاتا تھا اور ہر قبیلے کے موالی کو اسی قبیلے کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اس لئے ام ایمن رضی اللہ عنہا کیلئے آپ ﷺ وہی پسند فرماتے تھے جو اہل بیت کیلئے پسند فرماتے تھے۔چنانچہ اہل بیت کیلئے پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد انہیں بھی پردہ کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ ابن سعد کی روایت میں ہے:"اے ام ایمن نقاب کیا کرو۔"(14)

---

(13) البدایہ والنہایۃ، ج8، ص285، باب ذکر عبیدہ وامائہ علیہ السلام۔

(14) الطبقات الکبری، ج8، ص179۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاندان سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تعلق

رسول اللہ ﷺ کے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے اس گہرے تعلق خاطر کا فطری اور طبعی تقاضا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کو بھی آپ ﷺ سے غیر معمولی تعلق ہو، اور یہ تھا بھی؛ جس کا اظہار ما قبل میں ذکر کی گئی روایات سے ہوتا ہے۔ ذاتِ نبوی سے اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کے خاندان سے بھی ایک خاص تعلق تھا۔ ذاتِ نبوی اور خاندانِ نبوی سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے اس تعلقِ خاطر کے حوالے سے ذخیرۂ سیرت و احادیث میں کئی ایک روایات ملتی ہیں، بقدرِ استطاعت انہیں جمع کر کے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کی وفات پر ام ایمن رضی اللہ عنہا کا رونا

سنن نسائی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت آئی کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اٹھایا اور اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنا ہاتھ اس پر رکھ دیا۔ اسی دوران اس کی روح پرواز کر گئی۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا وہاں موجود تھیں، وہ رو پڑیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں روتے دیکھا تو فرمایا:

> "اے ام ایمن، اللہ کے رسول آپ کے پاس ہیں اور آپ رو رہی ہیں؟ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میں کیسے نہ روؤں جب اللہ کے رسول رو رہے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں رو نہیں رہا، بس یہ رحمت یا رحمدلی کے آنسو ہیں۔"(1)

سنن نسائی کی اس حدیث کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی کسی ایسی صاحبزادی صاحبہ کا عام طور پر تذکرہ نہیں ملتا جو بچپن میں فوت ہو گئی ہوں، یہ بات وضاحت طلب ہے۔ بہر حال، ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ان کی وفات پر رونا خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاندان سے گہرے تعلق اور محبت کی وجہ سے تھا۔

خاندان نبوت کے متعلق ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ایک خواب

امام نیشاپوری (متوفی 407ھ) نے سیرت پر اپنی مشہور کتاب "شرف المصطفیٰ" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمد رحمہ اللہ سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ایک خواب نقل کیا ہے جس سے حضرت ام

---

(1) سنن النسائی، ج4، ص12، حدیث 1843، کتاب الجنائز، فی ابکاء علی المیت۔

ایمن کا رسول اللہ ﷺ سے تعلق و محبت ظاہر ہوتی ہے اور اس خواب کی جو تعبیر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی اس سے خاندان نبوت سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تعلق و محبت ظاہر ہوتا ہے، روایت درج ذیل ہے:

> "حضرت محمد بن علی سے مروی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے پڑوسی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ام ایمن ساری رات نہیں سوئیں اور صبح تک مسلسل روتی رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پیغام بھیج کر انہیں بلوا لیا اور فرمایا: اے ام ایمن! اللہ آپ کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہ لائے، آپ کے پڑوسیوں سے معلوم ہوا کہ آپ رات بھر نہیں سو سکیں اور روتی رہیں۔ کس چیز نے آپ کو رلایا؟ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے ایک بہت شدید پریشان کر دینے والا خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے میں رات بھر روتی رہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ خواب بیان کیجئے، اللہ کا رسول اسے بہتر جانتا ہے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھ میں وہ خواب بیان کرنے کی ہمت نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خواب ایسا نہیں ہوگا جیسا آپ نے دیکھا ہے، آپ بیان کیجئے۔ اس پر انہوں نے خواب بیان کیا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک کے اعضاء میرے گھر میں لٹکے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: اے ام ایمن! آپ کی آنکھیں ہمیشہ (میٹھی) نیند سوتی رہیں، اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہ ایک بیٹے (حسین) کو جنم دے گی جس کی پرورش آپ اپنے گھر میں کریں گی۔"(2)

رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ساری رات جاگنا اور پھر رسول اللہ ﷺ کا آپ کے اس جاگنے اور رونے کی وجہ سے پریشان ہونا اور دعائیں دینا جانبین کے تعلق خاطر کو بھی واضح کرتا ہے۔ خاندانِ نبوت سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے تعلق کے حوالے سے مزید کئی روایات بھی کتب حدیث و سیرت سے بندے نے تلاش کی ہیں مگر سب کو یہاں نقل کرنا باعثِ طوالت ہوگا۔

---

(2) الخرکوشی، النیسابوری، ابو سعد، عبد الملک بن محمد بن ابراہیم (متوفی 407ھ)، شرف المصطفی، ج4، ص50، دار البشائر الاسلامیہ - مکہ، ط1، 1424ھ۔

رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے دکھ سکھ میں شریک ہونا

خاندان نبوی سے تعلق ومحبت اُن واقعات سے بھی ظاہر ہوتی ہے جن میں آیا ہے کہ خاندان کے دکھ سکھ کے واقعات میں ام ایمن رضی اللہ عنہا شریک رہا کرتی تھیں۔ ظاہر ہے ایسے واقعات تو لاتعداد ہوں گے مگر روایات میں بہت کم نقل ہوئے ہیں، مگر جو نقل ہوئے ہیں ان سے اس تعلق کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔

آٹھ ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ان کی تجہیز وتکفین میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا پیش پیش تھیں۔ آپ کے علاوہ اس عمل میں آپ ﷺ کی دو ازواجِ مطہرات بھی شامل تھیں: ایک حضرت سودہ بنت زمعہ اور دوسری حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما (3)

اسی طرح غزوۂ بدر کے موقع پر جب آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں تو اُن کے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے ان کا خیال رکھنے کی غرض سے مدینہ منورہ میں ہی رہنے کا حکم فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ ابھی غزوہ سے فارغ ہو کر واپس نہیں پہنچے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب بدر والوں کی خبر لے کر مدینہ پہنچے تو آپ کی قبر مبارک پر مٹی ڈالی جارہی تھی، آپ کو بقیع میں ہی دفن کیا گیا۔ اُنہیں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ہی غسل دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے عبد اللہ کو اٹھا کر روتے رہے اور فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں میں سے اُنہی پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ (4)

اسی طرح آپ ﷺ کی پہلی اور عزیز ترین زوجہ مکرمہ، ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہجرت سے تین سال قبل جب مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا تو انہیں آپ ﷺ کی چچی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل رضی اللہ عنہا نے غسل دیا۔ اس غسل دینے میں بھی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا شریک تھیں۔ (5)

ان تمام روایات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہیں ہو گا کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا خاندان نبوی کے ایک فرد کی طرح ہر موقع پر پیش پیش رہتی تھیں۔

---

(3) انساب الاشراف، ج 1، ص 400۔

(4) انساب الاشراف، ج 1، ص 401۔

(5) ایضاً، ص 406۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کی بکریاں چرانا

رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت سے مویشی تھے، جن کی تفصیل مقریزی نے دی ہے اور شاید سب سے مفصل بحث اس حوالے سے مقریزی کے ہاں ملتی ہے۔ اس تفصیل کے ضمن میں مقریزی[6] نے ابن سعد[7] کے حوالے سے لکھا ہے: "كانت للنبي ﷺ سبعة أعنز منائح ترعاهن ام أيمن"[8] یعنی رسول اللہ ﷺ کی سات دودھ دینے والی بکریاں تھیں جنہیں ام ایمن رضی اللہ عنہا چرایا کرتی تھیں۔ اس بات کو ام ایمن رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبے کے خلاف نہ سمجھا جائے کیونکہ بکریاں عرب معاشرے میں شرفاء اور ان کی اولادیں بھی چرایا کرتی تھیں اور پھر اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ کام تمام انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بکریوں کے حوالے سے ایک اور حدیث میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا بہت دلچسپ تذکرہ آیا ہے۔ طویل واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جھجاہ الغفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ اسلام قبول کرنے کی غرض سے شام کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، رسول اللہ ﷺ نے نماز مغرب سے فارغ ہو کر اعلان کیا کہ ہر شخص اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے کو ساتھ لے جائے (یعنی مہمانی کیلئے)۔ میرے ساتھ آئے سب لوگ چلے گئے اور میں رہ گیا۔ میں بڑے قد کا لمبا چوڑا آدمی تھا، میرے سامنے کوئی نہیں ٹھہرتا تھا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ خود ساتھ اپنے گھر لے گئے، پھر میرے لئے ایک بکری کا دودھ دوہ کر پیش کیا، میں اسے پی گیا، پھر دوسری اور پھر تیسری کا، حتیٰ کہ میں سات بکریوں کا دودھ پی گیا، اس پر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا:

> "اللہ اسے بھوکا رکھے جس نے آج کی رات اس کے رسول کو بھوکا رکھا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام ایمن! خاموش رہو، اس نے اپنا رزق کھایا ہے اور ہمارا رزق اللہ کے ذمے ہے۔"

---

(6) امتاع الاسماع، ج 7، ص 255۔

(7) الطبقات الکبریٰ، ج 1، ص 384۔

(8) اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے پروفیسر یاسین مظہر صدیقی صاحب نے غلطی کی ہے، اس کا ترجمہ وہ "سات دودھاری اونٹنیوں" کے ساتھ کرتے ہیں جو کہ ظاہر ہے درست نہیں، یہاں عربی عبارت دینے کا مقصد اسی سہو کی طرف اشارہ کرنا تھا۔

اگلے دن حضرت جھجاہ ایمان لے آئے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے مہمان بنے۔ فرماتے ہیں کہ آج کی رات میں صرف ایک بکری کا دودھ پی کر ہی سیر ہو گیا۔ اس پر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"اے اللہ کے رسول کیا یہ ہمارا وہی مہمان نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں یہ وہی ہے۔ پھر فرمایا کہ: اس نے آج کی رات مؤمن کی آنت میں کھایا ہے، اور اس سے پہلے کافر کی آنت میں کھایا تھا۔ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے جبکہ مؤمن ایک ہی آنت میں کھاتا ہے۔"(9)

اس طویل حدیث کے اس آخری حصے کو بہت سی کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے اور اس پر طویل مباحث کی گئی ہیں کہ کافر کے سات آنتوں میں کھانے کا کیا مطلب ہے، ان مباحث کا یہ مقام نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کیلئے ہدیہ کرنا

رسول اللہ ﷺ سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے تعلق و محبت کا اندازہ ایک اور روایت سے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں لکھا گیا، رسول اللہ ﷺ کبھی آپ کے گھر تشریف لے جا کر کچھ تناول فرما لیتے، ایسے ہی کبھی ام ایمن رضی اللہ عنہا از خود کوئی چیز بطور ہدیہ رسول اللہ ﷺ کے گھر بھجوا دیا کرتیں اور رسول اللہ ﷺ اسے رغبت کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے، چنانچہ طبرانی کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ام ایمن رضی اللہ عنہا نے دو روٹیاں اور ان میں لپٹا ہوا ایک پرندہ بطور ہدیہ پیش کیا۔ نبی ﷺ جب گھر تشریف لائے تو کچھ کھانے کیلئے طلب فرمایا، ام ایمن رضی اللہ عنہا نے وہ پیش کیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھ کر یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے پاس اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج دے جو تجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ پسند ہو تاکہ وہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ دروازے پر تشریف لائے تو میں نے ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ مصروف ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ ابھی گھر میں داخل ہی ہوئے تھے

---

(9) مسند ابن ابی شیبہ، ج2، ص108، حدیث 605۔ المعجم الکبیر، ج2، ص243، حدیث 998۔

(اس لئے میں نے انہیں یہ کہا)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے پرندے کا کچھ حصہ توڑا، پھر ہاتھ اٹھا دیئے اور دعا کی اے اللہ! میرے پاس اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج دے جو تجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ پسند ہو تا کہ وہ میرے ساتھ اس پرندے میں سے کھائے۔ اتنے میں میرے اور حضرت علی کے درمیان تکرار کی آواز بلند ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بھی ہے اسے آنے دو، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے (اوپر والی دعا میں اضافہ کرتے ہوئے) فرمایا: اے اللہ ایسا شخص جو (تجھے بھی) مجھے بھی سب سے زیادہ محبوب ہو، اور یہ دعا بھی تین مرتبہ مانگی، پھر آپ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے مل کر اس پرندے کو کھایا یہاں تک کہ (اسے کھا کر) فارغ ہو گئے۔

اس حدیث مبارکہ سے جہاں ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ہدیہ کا ثبوت ملتا ہے وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر کے افراد کی طرح گھر میں آتی جاتی تھیں، اسی لئے اپنا ہدیہ کیا ہوا پرندہ انہوں نے خود پیش کیا نیز اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے۔[10]

رسول اللہ ﷺ کے خاندان کیلئے ہدیہ کرنا

جس طرح ام ایمن رضی اللہ عنہا رسول اللہ کیلئے کبھی کوئی چیز ہدیہ فرمایا کرتی تھیں ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کے خاندان کیلئے بھی ہدیہ بھیجتی تھیں۔ اس کا ثبوت سیرت کی بعض کتابوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ کے ضمن میں ذکر کردہ ایک طویل روایت سے ہوتا ہے، جس کا متعلقہ حصہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہم نے آپ ﷺ کیلئے قیمے اور آٹے کو ملا کر ایک پکوان تیار کیا تھا، اور ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ہمیں دودھ کا ایک پیالہ اور کھجوروں کی ایک رکابی ہدیہ کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ مل کر (یہ) کھانا کھایا۔"[11]

---

(10) المعجم الاوسط، ج2، ص206، حدیث 1744۔

(11) وفاء الوفاء، ج2، ص59۔

روایت میں "الخزیرۃ" کا لفظ آیا ہے، اور یہ لفظ کتب حدیث میں کئی جگہ آیا ہے۔ اس کی تشریح میں لغات حدیث کے ماہر عالم علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: " 'الخزیرۃ' کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ان میں زیادہ مقدار میں پانی ڈال کر خوب پکایا جائے اور جب وہ پک جائے تو اس میں آٹا ڈال دیا جائے،" اسے "الخزیرۃ" کہا جاتا ہے،[12] مولانا کیرانوی نے "قاموس الوحید"[13] میں اس کا ترجمہ قیمہ سے کیا ہے۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی میں شرکت اور ان سے تعلق

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تذکرہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سلسلے میں بھی آتا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا خاندانِ نبوی کے غم میں شرکت کے ساتھ ساتھ خوشیوں میں بھی شریک ہوتی تھیں۔ حضرت فاطمہ کی شادی کے سلسلے میں آپ کا ایک دلچسپ واقعہ کتب حدیث میں آیا ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی کتاب "فضائل الصحابہ" میں اس حدیث کو لائے ہیں۔ حدیث کو روایت کرنے والی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں۔ غزوۂ موتہ میں ان کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اُن سے نکاح کیا، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آگئیں۔ وہ فرماتی ہیں:

> "میں حضرت فاطمہ کی شادی میں شریک تھی، اگلی صبح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرے بھائی کو بلاؤ۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا کہ آپ کے بھائی ہیں اور آپ نے ان کا نکاح (اپنی بیٹی سے) کرا دیا!

---

(12) ابن الاثیر، أبو السعادات، المبارک بن محمد بن محمد (متوفی 606ھ)، النهاية فی غريب الحديث والأثر، ج2، ص28، المكتبة العلمية - بيروت، 1399ھ، 1979ء۔

(13) قاموس الوحید، ص1087۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ام ایمن (یعنی ایسا ہی ہے)۔ (14)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا یہ سوال ازراہِ مزاح بھی ہو سکتا ہے اور بطور تعجب کے بھی کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سنا کہ میرے بھائی کو بلاؤ تو انہیں تعجب ہوا کہ داماد کو کیسے بھائی فرمادیا، واللہ اعلم۔ اس کے بعد حدیث طویل ہے آپ ﷺ نے دونوں میاں بیوی کیلئے دعا فرمائی اور واپس تشریف لے گئے اور واپسی پر حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے بھی مکالمہ ہوا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سلسلے میں ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ایک اور حدیث بھی ہے جسے طبرانی نے نقل کیا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب نبی ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی علی رضی اللہ عنہ سے کی تو انہیں حکم فرمایا کہ جب تک میں نہ آجاؤں، فاطمہ کے پاس نہ جائیں۔ (15)

جیسے رسول اللہ ﷺ کو اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ایک خاص تعلق اور لگاؤ تھا جس کا اندازہ مناقب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر نظر رکھنے والوں کو بخوبی ہے، اسی طرح ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تعلق بھی ان سے بہت گہرا تھا۔ مصنف عبد الرزاق کی ایک روایت سے اس تعلق پر روشنی پڑتی ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف ان کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گہرا تعلق تھا بلکہ وہ ان کے بلند مقام و مرتبے سے بھی واقف تھیں اور اُس کی پوری پوری رعایت بھی کیا کرتی تھیں۔ روایت درج ذیل ہے:

> "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک باندی ہدیہ کی۔ اس واقعے کے بعد ام ایمن رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے گھر میں گئیں اور ناگواری کے اثرات محسوس کئے تو دریافت کیا کہ کیا مسئلہ ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتانے سے گریز کیا۔ اس پر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے دوبارہ سوال کیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم آپ کے والد مجھ سے کچھ بھی چھپایا نہیں کرتے تھے، اس پر وہ بولیں کہ ایک باندی اس پریشانی کا سبب ہے جو لوگوں نے حسن کے والد (یعنی حضرت علی) کو دی ہے، چنانچہ ام ایمن اس گھر کے دروازے پر گئیں اور بلند آواز سے پکارا! کیا

---

(14) الامام احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ج2، ص762، حدیث 1342، مؤسسۃ الرسالۃ - بیروت، ط1، 1403ھ، 1983ء۔

(15) المعجم الکبیر، ج25، ص91، حدیث232۔

اللہ کے رسول اپنے اہل کے بارے میں بھی محفوظ نہیں رہے؟ حضرت علی نے آواز سن کر دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں اور فرما رہی ہیں کہ کیا رسول اللہ ﷺ اپنے اہل کے بارے میں محفوظ نہیں رہے، حضرت علی نے فرمایا کہ معاملہ کیا ہے؟ (وہ ایسا کیوں کہتی ہیں) تو بتایا گیا کہ اس کا سبب وہ باندی ہے جو آپ کے پاس بطور ہدیہ آئی ہے، تو حضرت علی نے فرمایا کہ یہ باندی تو فاطمہ ہی کیلئے ہے۔"(16)

اس حدیث سے جہاں ام ایمن رضی اللہ عنہا کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تعلق خاطر کا پتا چلتا ہے، وہیں ان کا یہ فرمانا کہ آپ کے والد مجھ سے کچھ بھی چھپاتے نہیں تھے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ان کا رشتہ کس قدر گہرا اور اعتماد والا تھا اور جیسے بچے ماں سے کوئی بات نہیں چھپاتے، ایسے ہی آپ ﷺ بھی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بطور دلہن تیار کرنا

خاندان نبوی کی خوشیوں میں شرکت کی ایک اور مثال بھی کتب حدیث میں ملتی ہے، صحیح بخاری کے شارح علامہ ابن بطال (متوفی 449ھ) نے مختصراً حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"أنا قيّنتُ العائشة لرسول الله ﷺ"(17)

"یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کیلئے میں نے تیار کیا، انہیں مزین کیا۔"

"القین" کے معانی عربی لغت میں دلہن کو سجانے اور مزین کرنے کے آتے ہیں، آج کی زبان میں اسے دلہن کا میک اپ کرنا سمجھا جا سکتا ہے۔

---

(16) مصنف عبد الرزاق، ج7، ص302، حدیث 13271۔

(17) ابن بطال، ابو الحسن، علی بن خلف بن عبد الملک (متوفی 449ھ)، ج6، ص224، مکتبۃ الرشد - الریاض، ط2، 1423ھ، 2003ء۔ ابن بطال کی پیروی کرتے ہوئے بخاری کے دیگر شارحین نے مثلاً حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور ابن ملقن وغیرہ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے مگر کسی نے بھی اس کی سند سے بحث نہیں کی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ام ایمن رضی اللہ عنہا کا مرثیہ

ابن سعد نے آپ ﷺ کی وفات کے سلسلے میں مرض الوفات سے لے کر اس ظاہری دنیا سے پردہ فرمانے تک کے تمام حالات پر تفصیلی روایات نقل کی ہیں اور اپنی کتاب کے تقریباً سو صفحات صرف اس موضوع پر لکھے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے آخر میں انہوں نے وہ مرثیے نقل کئے ہیں جو بہت سے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر کہے۔ اس ضمن میں سب سے آخر میں انہوں نے آپ ﷺ کی منہ بولی ماں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا مرثیہ بھی نقل کیا ہے۔[18] پھر ابن سعد ہی کے حوالے سے دیگر کتب سیرت میں بھی یہ مرثیہ نقل ہوا ہے۔[19]

یہ مرثیہ سات اشعار پر مشتمل ہے۔ ابن سعد نے اِن تمام مرثیوں میں سے کسی کی بھی سند ذکر نہیں کی، اس لئے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے اشعار ہیں، اور پھر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا زبان دانی کے حوالے سے شہرت بھی نہیں رکھتی تھیں اور کسی صحیح سند کے ساتھ ان کا اشعار کہنا بھی ثابت نہیں۔ مزید برآں، آئندہ اس بات کا تذکرہ آرہا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا حبشہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے عربی زبان بولنے میں دشواری محسوس کرتی تھیں چنانچہ غزوۂ حنین میں ام ایمن رضی اللہ عنہا کی شرکت کے ضمن میں اس طرح کا ایک واقعہ نقل کیا جائے گا۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر اس مرثیے کو یہاں نقل نہیں کیا جارہا۔ اصل کتب کے حوالہ جات دے دیئے ہیں، اہل علم رجوع فرماسکتے ہیں۔

---

(18) الطبقات الکبری، ج2، ص253۔

(19) سبل الہدیٰ والرشاد، ج12، ص294۔ مقریزی نے امتاع الاسماع میں اس مرثیے کی نسبت حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کی طرف کی ہے۔ دیکھئے: (ج14، ص602)۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی اسلامی جنگوں میں شرکت

گھریلو خدمت کے ساتھ ساتھ ام ایمن رضی اللہ عنہا ان سرفروش و مجاہدات خواتین میں سے تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدنی زندگی میں بہت سی لڑائیوں میں شرکت کی اور اپنے حصے کی خدمات سرانجام دیں۔ آپ کے بیٹے ایمن رضی اللہ عنہ غزوہ حنین میں اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور شوہر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہا نے بھی غزوۂ موتہ میں جام شہادت نوش کیا۔ اسی طرح آپ کے دوسرے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کئی لڑائیوں میں شرکت کی۔ دیگر خواتین کی طرح آپ کی ذمہ داری بھی جنگوں میں زخمیوں کا خیال رکھنا اور مرہم پٹی کرنا ہی ہوتا تھا۔ ذیل میں ان اسلامی لڑائیوں اور غزوات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں ام ایمن رضی اللہ عنہا شریک رہیں۔

غزوۂ اُحد میں شرکت

غزواتِ نبوی[1] میں سب سے پہلا غزوہ، غزوۂ بدر تھا جو بغیر کسی پیشگی تیاری کے اچانک پیش آگیا تھا۔ دراصل قریشِ مکہ کے تجارتی قافلے کو روکنا مقصود تھا مگر جب انہیں مسلمانوں کے اس ارادے کا علم ہوگیا تو قریش بھرپور تیاری کے ساتھ جنگ کیلئے نکلے جبکہ مسلمان جنگ کی تیاری سے نہیں آئے تھے۔ اس لئے اس میں تو مرد صحابہ کی تعداد ہی کم تھی تو خواتین کی شرکت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

دوسری اسلامی لڑائی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت فرمائی وہ غزوۂ احد ہے جو تین ہجری میں پیش آیا۔ کفار مکہ غزوۂ بدر میں اپنی شکست کا بدلہ لینے کی غرض سے آئے تھے، اس لئے اس لڑائی میں مسلمانوں نے بھی بھرپور تیاری کے ساتھ شرکت کی۔ دیگر کئی خواتین سمیت ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی اس غزوہ میں شریک ہوئیں۔ ان کی ذمہ داری زخمیوں کا خیال رکھنا اور پانی پلانا تھا۔ واقدی نے احد کا ایک دلچسپ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ام ایمن اپنی خدمات میں مصروف تھیں اور سپاہیوں کو پانی پلا رہی تھیں کہ اسی

---

(1) اسلامی تاریخ اور سیرت نبوی میں غزوہ کا لفظ اُس لڑائی کیلئے بولا جاتا ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت فرمائی ہو۔

دوران قریش کے مشہور تیر انداز حبان بن العرقہ نے تیر چلایا[2] جس کے لگنے کی وجہ سے وہ گر پڑیں اور ان کے ستر کا کچھ حصہ کھل گیا، اس پر وہ حد سے زیادہ ہنسا، رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو بہت ناگوار گزرا۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک تیر پکڑایا جس کا پھل نہیں تھا، انہیں حکم دیا کہ سعد نشانہ لو، سعد رضی اللہ عنہ کا تیر نشانے پر لگا جس کے لگنے سے وہ گدی کے بل گر پڑا اور اس کا ستر بھی کھل گیا، حضرت سعد فرماتے ہیں کہ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ ہنس دیئے اور اس قدر ہنسے کہ پچھلے دندان مبارک بھی نظر آنے لگے اور فرمایا کہ سعد نے بدلہ لے لیا ہے، پھر سعد رضی اللہ عنہ کو دعا دی اور فرمایا:

"اے سعد! اللہ تیری دعا قبول کرے اور تیر انشانہ درست ہی رکھے۔"[3]

اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں مستجاب الدعوات ہونے کے حوالے سے اور درست نشانہ لگانے کے حوالے سے مشہور تھے۔

غزوہ احد ہی کا ایک اور واقعہ واقدی نے نقل کیا ہے کہ احد سے جو لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے (واقدی نے ان کے نام بھی لکھے ہیں) انہیں راستے میں ام ایمن رضی اللہ عنہا مل گئیں۔ انہوں نے مٹی اٹھائی اور ان کے چہروں پر پھینکتے ہوئے کہا کہ چرخہ لے جاؤ اور خواتین کی طرح گھر میں بیٹھ کر چرخہ کاتو۔ نادانو! تلواریں اٹھاؤ (یعنی انہیں شرم دلانے کی کوشش کی) اور خود کچھ دیگر خواتین کے ساتھ میدان احد کی طرف بڑھ گئیں۔[4]

غزوۂ خیبر میں شرکت

ابن سعد اور واقدی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے غزوۂ خیبر میں شرکت کی تھی مگر کسی نے بھی ایسی تفصیلات ذکر نہیں کیں جیسا کہ غزوۂ احد سے متعلق کی ہیں۔ غزوۂ خیبر میں آپ

---

(2) ابن العرقۃ قریش کا مشہور تیر انداز تھا، اسی نے خندق کے دن بڑے جلیل القدر صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر بھی تیر چلایا تھا جس سے وہ زخمی ہوگئے اور اسی زخم کی وجہ سے ان کی شہادت ہوئی تھی۔ (ابن سعد ج3، 325)، اور اسی ابن العرقۃ کے تیر کا نشانہ حضرت حارثہ بن سراقہ بھی بنے تھے بدر کے دن۔ (ابن سعد ج3، ص387)۔

(3) مغازی الواقدی، ج1، ص241۔

(4) مغازی الواقدی، ج1، ص278۔

کے صاحبزادے ایمن رضی اللہ عنہ کی عدم شرکت اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کا انہیں عار دلانا اور پھر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ان کی شرکت نہ کرنے کی وجہ اشعار میں بیان کرنا اس سے قبل نقل ہو چکا ہے۔

غزوۂ حنین

ہجرت کے آٹھویں سال، فتح مکہ کے فوراً بعد غزوۂ حنین پیش آیا جس میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ایمن رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، جیسا کہ ان کے تذکرے میں لکھا گیا۔ اس غزوہ کی طرف جاتے ہوئے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے مسلمانوں کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: "ثبت الله أقدامكم"، ابن سعد نے لکھا ہے کہ چونکہ آپ نے لفظ "ث" کو ٹھیک سے ادا نہیں کیا تھا اور اس کی جگہ "س" پڑھا تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ام ایمن چپ رہو کیونکہ تمہاری زبان میں تنگی ہے۔"(5) پروفیسر یاسین مظہر صدیقی مرحوم نے اس سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "واقعات کی تاریخی ترتیب تقاضا کرتی ہے کہ ام ایمن فتح مکہ اور غزوۂ حنین دونوں میں شریک تھیں، کیونکہ انہوں نے یہ دعا فوج والوں کو میدان جنگ میں جاتے وقت دی تھی، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اسلامی فوج کے ساتھ مکہ مکرمہ اور وہاں سے حنین گئی تھیں۔"(6)

حدیث کے الفاظ ابن سعد کے ہاں "عسراء اللسان" کے آئے ہیں، ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زبان میں یا تو لکنت تھی یا وہ غیر عرب ہونے کی وجہ سے بعض الفاظ ٹھیک ادا نہیں کر پاتی تھیں، چنانچہ ابن سعد نے اسی مقام پر ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں آیا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا جب تشریف لاتیں اور سلام کرتیں تو یوں کہتی "سلام لا علیکم"(7) یعنی وہ "السلام علیکم" کے عربی الفاظ ٹھیک نہ بول سکتی تھیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دی کہ وہ صرف "سلام" یا "السلام" کے الفاظ کہہ لیا کریں اور "علیکم" کا لفظ چھوڑ دیا کریں۔

---

(5) الطبقات الکبریٰ، ج8، ص180۔

(6) حضرت ام ایمن۔ رسول اکرم کی اناء، ص23۔

(7) ایضاً۔

غزوۂ مریسیع

ماقبل میں ذکر کیا گیا کہ غزوۂ مریسیع میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تو اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کے علاوہ کچھ مخصوص لوگوں سے بھی مشورہ کیا جن میں ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طہارت وپاکیزگی کی گواہی دی۔

یاسین مظہر صدیقی صاحب کا خیال یہ ہے کہ روایات سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد صحابہ کرام اور خواتین صحابیات میں سے صرف مخصوص لوگوں سے ہی دریافت فرمایا تھا، نہ تو سب قریبی صحابہ سے اور نہ ہی تمام اہل بیت وازواج مطہرات سے۔ دوسرے جن سے تحقیق حال کی تھی ان میں مرد وخواتین میں سے بیشتر کی شمولیت کی تصدیق ہوتی ہے، تیسرے یہ کہ واقعۂ اُفک ایک مخصوص مقام وموقع سے متعلق تھا، لہٰذا اس غزوے کے شرکاء سے ہی تحقیقِ حال منطقی لگتی ہے، ان وجوہ سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کی شرکت اس غزوہ میں بھی یقینی معلوم ہوتی ہے۔

صحابہ کرام کے ہاں ام ایمن رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ

حضرت رسالت مآب ﷺ سے اس تعلق خاطر اور رشتۂ ناز کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں بھی ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ایک خاص مقام تھا۔ صحیح مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے مناقب پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ اس میں وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت لائے ہیں جس سے اس مقام و مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

> "رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ ام ایمن کے ہاں چلئے تاکہ ہم ان کے مہمان بنیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے مہمان بنا کرتے تھے۔ پس جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ (نبی ﷺ کو یاد کر کے) رونے لگیں۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے عرض کیا کہ آپ کیوں روتی ہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ کیلئے اللہ کے ہاں جو مقام ہے وہ (اس دنیا) سے بہت بہتر ہے۔ وہ فرمانے لگیں کہ میں اس لئے نہیں روتی کہ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ اللہ کے رسول کیلئے اللہ کے ہاں بہت اعلیٰ مقام ہے، بلکہ میں تو اس لئے روتی ہوں کہ آسمان سے آنے والی وحی رک گئی ہے۔ اس بات پر ام ایمن اس قدر روئیں کہ انہوں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی رونے پر مجبور کر دیا، چنانچہ وہ دونوں بھی آپ کے ساتھ رونے لگے۔"(1)

بعض روایات میں وحی کی جگہ آسمانی خیر و برکت کے الفاظ آئے ہیں، یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ہم لوگ آپ ﷺ کی وجہ سے آسمان سے اترنے والی ہر خیر سے محروم ہو گئے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے حضرات شیخین کو بھی معلوم ہی ہو گی مگر ام ایمن رضی اللہ عنہا سے اس بات کو سن کر اور ان کی حالت کو دیکھ کر یہ حضرات بھی رو پڑے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بطور خاص محض اس غرض سے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر آنا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے جہاں اس بات

---

(1) صحیح مسلم، ج4، ص1907، حدیث 2454، باب من فضائل ام ایمن رضی اللہ عنہا۔

کو واضح کرتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کثرت سے ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے، وہیں اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ اس تعلق کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کس قدر پاس ولحاظ تھا۔

اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی آیا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں صحابہ کرام کے فضائل کے باب میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے قابل فخر صاحب زادے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے فضائل کے ضمن میں نقل فرمایا ہے۔ اس واقعے سے رسول اللہ ﷺ کی ام ایمن رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد سے محبت کا پتا چلتا ہے۔ روایت درج ذیل ہے:

> "حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خادم حرملہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک (مسجد) میں حضرت ام ایمن کے بیٹے ایمن رضی اللہ عنہما کے صاحب زادے حجاج داخل ہوئے (اور نماز ادا کی)، مگر انہوں نے رکوع وسجدہ اطمینان سے نہیں کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ام ایمن کے بیٹے ایمن رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے حجاج ہیں۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر انہیں رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے تو ضرور ان سے محبت فرماتے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی تمام اولاد کیلئے رسول اللہ کی محبت کا تذکرہ کیا"۔ (2)

روایت نقل کرنے کے بعد امام بخاری نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پرورش کرنے والی تھیں، اس سے گویا ام ایمن رضی اللہ عنہا کی اولاد سے محبت کی وجہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ماں کی طرح تھیں اور آپ کی ماں کی وفات کے بعد آپ کا خیال رکھنے والی اور پرورش کرنے والی تھیں۔ اس روایت سے یہ بھی اندازہ کیجئے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا رشتہ کس قدر گہرا اور تمام لوگوں کیلئے متاثر کن تھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسے کم عمر صحابی کو بھی اس کو جانتے تھے اور اس کو بیان کئے بغیر نہ رہ سکے۔ رسول اللہ ﷺ کے اسی تعلق ومحبت کی وجہ سے انہوں نے آپ کے پوتے کو نماز جیسے اہم رکن میں کوتاہی پر ڈانٹا نہیں، وگرنہ کئی ایک واقعات ایسے ہیں جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نماز میں کوتاہی کرنے والوں کو ڈانٹ پلانا اور ان سے سخت رویہ اختیار کرنا ثابت ہوتا ہے۔

---

(2) صحیح بخاری، ج5، ص24، حدیث 3737۔

عام لوگوں کے ہاں معاشرے میں ام ایمن رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے اسی مقام و مرتبے کی وجہ سے مدینہ منورہ کے عام اسلامی معاشرے میں بھی آپ کا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد کا ایک خاص مقام و مرتبہ تھا۔ اس کا اندازہ بعض تاریخی واقعات سے ہوتا ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے غلام حسن بن امیہ کا ابن ابی الفرات نامی ایک شخص سے جھگڑا ہو گیا۔ جھگڑے کے دوران ابن ابی الفرات نے انہیں "ابن برکہ" یعنی برکہ کا بیٹا کہہ دیا، حسن بن امیہ نے کہا لوگو! گواہ رہنا، یعنی اس پر گواہ رہنا کہ اس نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کا نام طنز میں لیا ہے۔ پھر حسن بن امیہ نے یہ معاملہ مدینہ کے قاضی کے پاس اٹھایا، اس پر قاضی ابو بکر نے ابن ابی الفرات کو بلایا، قاضی صاحب اور ابن ابی الفرات کے مابین جو مکالمہ ہوا وہ درج ذیل ہے:

> "قاضی ابو بکر نے ابن ابی الفرات سے کہا کہ تو نے جو حسن کو "ابن برکہ" کہا ہے تو تیرا اس سے کیا مقصود تھا؟ ابن ابی الفرات نے کہا کہ میں نے کنیت کے بجائے ام ایمن کا اصل نام لیا ہے بس اس کے علاوہ میرا کوئی مقصد نہیں تھا۔ قاضی ابو بکر نے جواب دیا کہ نہیں، تیرا مقصد اس کے ذریعے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبے کو کم کرنا تھا، حالانکہ اسلام میں جو ان کا مقام ہے اس کے کیا کہنے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایا کرتے تھے: "اے میری ماں، اے ام ایمن" (یعنی انہیں برکہ نہیں کہا کرتے تھے)۔ اس کے بعد قاضی ابو بکر نے فرمایا کہ اللہ مجھے معاف نہ کرے اگر میں آج کے دن تمہیں (اس بے ادبی پر) معاف کر دوں، چنانچہ انہیں ستر کوڑے لگوائے۔"[3]

قاضی ابو بکر بن عمرو بن حزم 94 ہجری میں مدینہ کے قاضی تھے،[4] غالباً یہ اسی زمانے کا واقعہ ہو گا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ وہ کس طرح سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سے تعلق و محبت سے واقف تھے؛ اور وہ اس معاملہ میں اس قدر حساس تھے کہ انہوں نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کی شان

---

(3) مستدرک حاکم، ج 4، ص 71، حدیث 6914، ذکر ام ایمن مولاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(4) الوکیع، ابو بکر، محمد بن خلف بن حیان البغدادی (متوفی 306ھ)، اخبار القضاۃ، ج 1، ص 135، عالم الکتب۔ بیروت، ط 1، 1366ھ، 1947ء۔

میں معمولی بے ادبی بھی برداشت نہ کیا اور جھگڑے میں محض ان کا اصل نام صرف بطور طنز پکارنے پر ہی انہیں سخت سزا سنادی۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی روایات

سیرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں ایک اہم عنوان ان سے منقول روایات کا بھی ہے۔ سیر صحابہ پر لکھنے والے اہل علم کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ ان کے حالات کے ضمن میں ان سے مروی روایات کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ اس طرز عمل کو دیکھ کر خیال ہوا کہ ایک مستقل عنوان کے تحت حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مروی روایات کو جمع کر دیا جائے۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے جو روایات بھی کتب حدیث و سیرت میں نقل ہوئی ہیں، ان پر اگر نظر ڈالی جائے تو انہیں بہ آسانی دو طرح کی روایات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ایک قسم کی وہ روایات ہیں جن کا تعلق بعثتِ نبوی سے قبل کے زمانے سے ہے جنہیں ظاہر ہے کہ معروف معنی میں احادیث نہیں کہا جاسکتا؛ اور دوسری قسم کی روایات وہ ہیں جن کا تعلق بعثتِ نبوی اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے بعد کے زمانے سے ہے، ایسی روایات کو اصطلاحی معنی کے لحاظ سے احادیث کہا جائے گا۔

ہم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی مذکورہ دونوں قسم کی روایات کو بغرض سہولت دو عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم کی روایات وہ ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طور پر سیرت طیبہ سے ہے، ایسی روایات کو "سیرتی روایات" کے عنوان کے تحت ذکر کیا جائے گا۔ دوسری قسم کی وہ احادیث ہیں جن کا تعلق اسلامی احکام و اوامر سے ہے، ایسی روایات کو "حدیثی روایات" کے عنوان کے تحت ذکر کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے منقول بعض روایات گزشتہ صفحات میں بعض عنوانات کے ضمن میں بھی ذکر کی گئی ہیں۔ کوشش کی جائے گی کہ ان روایات کو دوبارہ مکمل ذکر نہ کیا جائے بلکہ محض ان کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی سیرتی روایات

ایسی روایات کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوگی کیونکہ ام ایمن رضی اللہ عنہا وہ خوش قسمت خاتون ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے وفات تک بہت زیادہ قریب رہنے اور خدمت کرنے کا موقع ملا۔ ان سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے باخبر کون ہو سکتا ہے۔ یہ ہمارے رواۃ کی کم نصیبی ہے کہ ان روایات کو محفوظ نہ کر سکے؛ نیز جو روایات ذکر کی جارہی ہیں وہ ہماری ناقص تلاش و تتبع میں سامنے آئی ہیں۔ بہت

ممکن ہے اس پر اگر مزید جستجو کی جائے تو مزید روایات بھی ملیں۔ ہم اپنی ناقص تلاش کے بعد جو روایات جمع کر پائے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1. حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ کی پرورش پر مامور تھی، ایک دن میں آپ سے غافل ہو گئی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ عبد المطلب (حضور ﷺ کے دادا) میرے سر پر آن کھڑے ہوئے اور مجھے پکارا، میں نے کہا جی! تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تو جانتی ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کو کہاں پایا؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے اسے بچوں کے ساتھ ایک بیری کے پاس پایا، میرے بیٹے سے غفلت نہ برتو کیونکہ اہل کتاب یہ سمجھتے ہیں کہ میرا یہ بیٹا اس امت کا نبی ہو گا اور مجھے خوف ہے کہ وہ اسے نقصان پہنچائیں گے؛ اور عبد المطلب جب بھی کھانا کھاتے تو کہتے میرے بیٹے کو بلاؤ، پھر آپ ﷺ کو لایا جاتا۔ (5)

2. گزشتہ باب میں ذکر کیا گیا کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا حضرت سیدہ آمنہ کے سفر یثرب میں ساتھ تھیں اور انہوں نے وہاں یہودیوں کو یہ باتیں کرتے ہوئے سنا کہ یہ بچہ اس امت کا نبی ہو گا۔

3. حضرت ام ایمن سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے دادا عبد المطلب کی وفات پر ان کی چارپائی سے لگ کر روتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر آٹھ برس تھی۔ (6)

4. ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو بھوک یا پیاس کی شکایت کرتے نہیں سنا، بچپن میں اور نہ ہی بڑی عمر میں۔ کبھی آپ ﷺ صبح کے وقت زمزم پی لیتے اور پھر ناشتہ پیش کیا جاتا تو فرماتے کہ میں شکم سیر ہوں۔ (7)

5. ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھ سے ام ایمن نے بیان کیا کہ "بوانہ" کے مقام پر قریش کا ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب بھی قریش کے ساتھ وہاں جاتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بھی وہاں جانے کا کہا، رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا۔ ابو طالب شدید غصہ ہوئے اور آپ ﷺ کی پھوپھیاں بھی اس دن آپ پر بہت غصہ ہوئیں۔ اس کے

---

(5) الطبقات الکبری، ج 1، ص 95۔

(6) ایضاً۔

بعد طویل حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابو طالب کے اصرار پر وہاں چلے تو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے آپ کو وہاں سے دور کر دیا، چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ نبوت ملنے تک کبھی بھی وہاں تشریف نہیں لے گئے۔(8)

6. ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ایمان لانے کی بحث کے ضمن میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے بہت ابتداء میں ہی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت فرمالی تھی۔

ان چھ روایات کے علاوہ ماقبل میں "ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ہجرت مدینہ،" "ام ایمن رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ کا تعلق خاطر" اور "رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاندان سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تعلق" ان تین عنوانات کے تحت تقریباً بیس سے زائد سیرتی روایات ذکر کی گئی ہیں جو کہ مسلسل ہیں۔ اس لئے یہاں ان کی طرف دوبارہ اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح یہ کل چھبیس سے زائد روایات بنتی ہیں جن کا تعلق زیر بحث عنوان سے ہے۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی روایات حدیث

اس عنوان کے تحت جیسا کہ پہلے بتایا گیا، ایسی روایات ذکر کی جائیں گی جنہیں معروف معنی میں حدیث کہا جاتا ہے، یعنی ان کا تعلق اسلامی احکام میں کسی حکم کے ساتھ بہت واضح ہے۔

1. ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد سے مجھے حکم فرمایا کہ مجھے اوڑھنی یا کپڑا پکڑا دو تو میں نے عرض کیا کہ میں اس وقت حالت حیض میں ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں۔(9)

---

(7) ابو نعیم بحوالہ "سبل الہدیٰ والرشاد"، ج2، ص135۔

(8) ابو نعیم، دلائل النبوۃ، ج1، ص186، الطبقات الکبریٰ، ج1، ص133۔

(9) المعجم الکبیر، ج25، ص87، حدیث 224، ما أسندت أم ایمن۔ واضح رہے کہ بخاری وغیرہ تمام مشہور کتب حدیث میں یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کی گئی ہے، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ہمیں صرف طبرانی میں ملی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی سند کو منقطع قرار دیا ہے

2. حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر ایک چمڑے کی ڈھال کے بدلے میں۔[10]

3. طبرانی ہی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ام ایمن خود فرماتی ہیں کہ میں نے مٹی کے اس برتن سے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو پیشاب کیا کرتے تھے، غلطی سے پی لیا۔ میں رات کو بیدار ہوئی تو پیاس لگ رہی تھی، میں اسے پی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح جب بیدار ہوئے تو مجھے فرمایا کہ اے ام ایمن اس برتن کو انڈیل دو۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں نے تو اسے پی لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ تیرا پیٹ کبھی خراب نہیں ہوگا۔[11]

4. حضرت مکحول ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں میں سے کسی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، اگرچہ تجھے سخت سزا دی جائے اور اگرچہ تجھے جلا دیا جائے، اور اپنے والدین کی اطاعت کرنا اگرچہ وہ تمہیں ہر چیز سے نکلنے کا حکم دیں، اور کبھی جان بوجھ کر نماز نہ چھوڑنا، کیونکہ جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دیتا ہے اللہ اس سے بری ہو جاتا ہے، شراب سے بچنا کیونکہ یہ ہر برائی

(الاصابہ ج8، 361)۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ عورت حیض کی حالت میں مسجد تو نہیں جا سکتی البتہ مسجد کے باہر سے کسی کو کوئی چیز پکڑا سکتی ہے۔

(10) المعجم الکبیر، ج25، ص88، حدیث 228، ما أسندت أم ایمن۔ حدیث میں مجفہ کا لفظ آیا ہے، مجفہ ایسی ڈھال کو کہتے ہیں جو صرف چمڑے سے بنی ہو اور اس میں لکڑی اور تانت نہ لگی ہو۔ اس حدیث کی دوسری بعض روایات میں آتا ہے کہ ایسی ڈھال کی قیمت رسول اللہ کے زمانے میں ایک دینار یا دس دراہم کے برابر تھی۔ یہ حدیث احناف کے مؤقف کی تائید کرتی ہے کہ چور کا ہاتھ کسی ایسی چیز کے عوض نہیں کاٹا جائے گا جس کی قیمت دس دراہم سے کم ہو۔ اس کو "نصاب سرقہ" کہا جاتا ہے۔

(11) المعجم الکبیر، ج25، ص89، حدیث 230، ما أسندت أم ایمن۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ قصہ ایک دوسری صحابیہ کا ہے جن کا نام اور کنیت ام ایمن سے ملتی ہے اور وہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ کی خادمہ تھیں (الاصابہ ج8، ص360) مگر طبرانی نے اس روایت کو ام ایمن رضی اللہ عنہا کی مرویات میں ذکر کیا ہے۔ اس حدیث پر فقہاء نے پاکی ناپاکی کے احکام میں طویل مباحث کی ہیں۔

کی کنجی ہے، اور گناہ سے بچنا کیونکہ یہ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے، اپنے گھر والوں سے لڑائی نہ کرنا اگرچہ تو حق پر ہو، لڑائی سے منہ پھیر کر مت بھاگنا، اپنے مال سے اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے رہنا اور ان سے اپنی لاٹھی مت ہٹانا (یعنی ان کی تادیب کرتے رہنا)۔ (12)

5. حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے تین بچوں کو (جو بچپن میں فوت ہو گئے) دفن کیا اور ان پر صبر کیا اور ان پر اللہ سے اجر کی امید رکھی تو اس کیلئے جنت واجب ہو گئی، اس پر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے سوال کیا اگر کسی نے دو کئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو بچے دفن کئے اور ان پر صبر کیا اور ثواب کی امید رکھی تو اس کیلئے جنت واجب ہو گئی۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا پھر بولیں کہ اگر ایک بچہ ہو تو؟ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور کچھ جواب ارشاد نہیں فرمایا، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے سنا کہ اگر ایک بچے کے فوت ہونے پر ایسا کرے گا تو اس کیلئے بھی جنت واجب ہو چکی۔ (13)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی وفات کے بارے میں ابن کثیر نے تین روایات نقل کی ہیں، ایک روایت بخاری کی تاریخ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ ان کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پانچ ماہ بعد ہوئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بیس دن بعد ہوئی، جبکہ ابن سعد کے ہاں ایک تیسری روایت جو انہوں نے اپنے استاذ واقدی سے نقل کی ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دنوں تک زندہ رہیں۔ (14)

---

(12) بیہقی، السنن الکبریٰ، ج7، ص497، حدیث 14777۔ امام بیہقی نے لاٹھی نہ ہٹانے سے متعلق امام کسائی سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ایسی لاٹھی نہیں جس سے مارا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا حکم ارشاد نہیں فرمایا، اس سے مراد گھر والوں کی تادیب میں کوتاہی نہ کرنا ہے۔

(13) الطبرانی، المعجم الکبیر، ج2، ص245، حدیث 2030۔

(14) البدایہ والنہایہ، ج8، ص284-285۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات میں سے پہلی روایت کو سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے جبکہ دوسری روایت کو سند کے اتصال کی وجہ سے زیادہ قوی قرار دیا ہے۔ بظاہر یہ دونوں صحیح روایات ہیں۔ ابن حجر نے ابن السکن کے حوالے سے ان میں تطبیق اس طرح سے دی ہے کہ پہلی روایت حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے متعلق ہے جن کا تذکرہ ہماری اس کتاب میں کیا جارہا ہے، جبکہ دوسری روایت ام ایمن نامی ایک اور خاتون کے متعلق ہے جو ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں۔ حافظ ابن حجر نے اس تطبیق کو بہت بعید قرار دیا ہے۔(15)

واقدی کی روایت جس کے مطابق حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی وفات خلافتِ حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانے میں ہوئی، وہ بھی درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ہی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے گریہ وزاری کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کے دن اسلام ضعیف ہو گیا۔(16)

پروفیسر یاسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں کہ:

> "روایات کے تجزیئے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام ایمن نے خلافت شیخین کا پورا زمانہ پایا اور وہ 23ھ میں واصل بہ حق ہوئیں، یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لگ بھگ تیرہ سال بعد۔ ان کی عمر کا حوالہ اب تک نہیں مل سکا، قیاس سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ اسی سال سے اوپر ہی تھیں کیونکہ اُن کے (بیٹے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تریسٹھ برس کی ہوئی تھی۔(17)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک کے حوالے سے ہم تفصیلی بحث آپ کی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے شادی کے ضمن میں کر چکے ہیں۔

---

(15) الاصابہ، ج8، ص26۔

(16) ایضاً، ص61۔

(17) حضرت ام ایمن۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتا، ص36۔

سیرت ام ایمن پر ایک طائرانہ نظر

گزشتہ صفحات میں پھیلی ہوئی مباحث کا خلاصہ اور تجزیہ اس عنوان کے تحت پیش کرنا مقصود ہے جو کہ حسب ذیل ہے۔

ایسی شخصیات بہت کم ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ولادت سے وفات تک دیکھا، سنا اور بہت قریب سے جانا۔ اگر ہیں بھی تو انہیں اس قدر قربت نصیب نہیں ہوئی جتنی آپ کی پیاری ماں اور آیا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو ہوئی۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی ولادت سے وفات تک یہ شرف حاصل رہا مگر اس فرق کے ساتھ جو ہم نے ابھی ذکر کیا۔

آپ ﷺ کی ولادت سے قبل آپ کے والدین کی خدمت کی اور انہیں قریب سے دیکھا، پھر آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے آپ کو جانا اور ولادت کے بعد تریسٹھ برس تک آپ ﷺ کی زندگی کا ہر دور بچپن، لڑکپن، جوانی اور ادھیڑ عمر سبھی زمانے آپ نے بہت قریب سے دیکھے۔ رسول اللہ ﷺ کی ابتدائی ازدواجی زندگی، بعثت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی اور پھر بعثت کے بعد مکہ مکرمہ کے تیرہ سال اور مدینہ منورہ کے دس سال، سب آپ کی آنکھوں کے سامنے بسر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ آپ کو آزاد کر دیا تھا، اس کے باوجود وہ ہمیشہ آپ ہی کی خدمت میں رہیں اور درِ نبوی سے کبھی الگ نہ ہوئیں۔ انہوں نے اپنے محبوب بیٹے، خدا کے رسول ﷺ کو بہت قریب سے ہر رنگ میں ہر وقت دیکھا۔

آپ حبشی نژاد تھیں، حبشہ سے خاندانِ نبوی تک پہنچنے کی کوئی صحیح تفصیل معتبر ماخذ میں نہیں ملتی۔ ان کی خوش قسمتی کہ وہ مکہ مکرمہ میں قریش کے عظیم خاندان کے ایک فرد اور ہونے والے نبی کے والد جناب عبداللہ بن عبدالمطلب قرشی کی باندی بنیں اور اسی ذریعے سے انہیں ان کے عظیم فرزند محمد ﷺ کی آیا اور ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔ جناب عبداللہ کے گھر میں بیتی ان کی زندگی کے حالات نہیں ملتے البتہ رسول اللہ ﷺ کی پرورش اور پرداخت کے حوالے سے بعض واقعات کا تذکرہ ملتا ہے جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ولادتِ مبارکہ کے دن بھی موجود تھیں، پانچ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر یثرب میں بھی ساتھ تھیں۔ وہاں سے واپسی پر جب والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد آپ نے ماں بن کر آپ ﷺ کا خیال رکھا، خاص طور پر آپ کے شفیق دادا کی تاکید کے بعد تو وہ اور بھی زیادہ جی جان سے اپنے فرائض سرانجام دینے لگیں تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی شادی تک وہ آپ کے گھر میں ہی مقیم رہیں، پچیس سال کی عمر مبارک میں آپ کی حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد ام ایمن رضی اللہ عنہا کی شادی بھی عبید بن زید خزرجی سے ہو گئی جن سے ایک فرزند ایمن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جو صحابی رسول بنے اور آٹھ ہجری میں غزوۂ حنین میں شہید ہوئے۔ عبید خزرجی کی وفات کے بعد آپ پھر رسول اللہ ﷺ کے گھر لوٹ آئیں، رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد آپ کی دوسری شادی اپنی محبوب خادم اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کرائی جو کہ رسول اللہ کے گھر کے فرد سمجھے جاتے تھے، ان سے ایک بیٹے اسامہ بن زید پیدا ہوئے جو محبوب نبی کہلاتے تھے اور وہ بھی خاندان نبوت کے افراد میں شمار ہوتے تھے، یوں ام ایمن رضی اللہ عنہا کا رشتہ خاندان نبوی سے مزید گہرا ہو گیا۔ روایات سے پتا چلتا ہے کہ آپ کے دونوں بیٹوں ایمن اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے آپ کی نسل چلتی رہی، آپ کے بعض پوتوں کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔

آپ چونکہ خاندان نبوت ہی میں سمجھی جاتی تھیں اس لئے خاندان نبوت کے دیگر افراد کی طرح ابتداء ہی میں مسلمان ہو گئیں اور رسول اللہ ﷺ سے بیعت بھی کی۔ صحیح یہ ہے کہ آپ نے ہجرت حبشہ نہیں کی البتہ آپ کی ہجرت مدینہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے ساتھ ہوئی جس کا واقعہ مشہور ہے۔

ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں روایات کے زیادہ محفوظ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے ان سے تعلق و محبت کا زیادہ بہتر طور پر اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے جاتے، ان سے مزاح فرماتے، ماں کی طرح ان کی ناز برداری کرتے اور ان کی ڈانٹ ڈپٹ کو بخوشی برداشت کرتے۔ بالکل ایک ماں کی طرح ام ایمن رضی اللہ عنہا کا بھی اپنے بیٹے اور خدا کے نبی ﷺ اور ان کے خاندان سے بہت گہرا رشتہ تھا، چنانچہ رسول اللہ کا بہت خیال رکھتیں، رسول اللہ ﷺ کیلئے ہدیہ بھجواتیں۔ انہیں ہمیشہ اپنے بیٹوں کی طرح اپنے گھر میں مہمان بناتیں، خاندان نبوی کہ ہر دکھ سکھ میں شریک ہوتیں، چنانچہ حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادیوں کا موقع ہو یا آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کی وفات کا، ہر موقعے پر حضرت ام ایمن شریک نظر آتی ہیں۔

انہوں نے غزوات یعنی اسلامی جنگوں میں بھی شرکت کی، واضح طور پر تو صرف غزوۂ احد اور خیبر میں شرکت کا ذکر ملتا ہے مگر قرائن بتلاتے ہیں کہ وہ سب غزوات میں نہ سہی تو اکثر غزوات میں ضرور

شریک رہیں اور دیگر مسلمان خواتین کی طرح ان غزوات میں اپنی خدمات پیش کرتی رہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے تعلق و محبت کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور عام مسلمانوں کے ہاں ان کا ایک منفرد مقام تھا۔

آپ کی وفات کو اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں مانا جائے تو یہ نہایت حیرت کی بات ہے کہ اس سارے عرصے کا، جو تقریباً تیرہ سال بنتا ہے، صرف ایک واقعہ ان کی سیرت کا ملتا ہے اور وہ ہے ان کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر رونا۔ ممکن ہے انتہائی بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے عزلت نشین ہو گئی ہوں، مگر یہ توجیہ تو جب قابل قبول سمجھی جائے جب اس سے پہلے کے عرصے کے واقعات بہت تفصیل سے ملتے ہوں۔ اس سے پہلے ان کی سیرت کا جو حصہ پیش کیا گیا، وہ بھی ذرہ ذرہ اور تنکا تنکا جمع کر کے کیا گیا، اور یہ چند روایات بھی سیرت نبوی کے ضمن میں محفوظ رہ گئیں۔ اگر سیرت کا فیضان نہ ہوتا تو شاید یہ روایات بھی نہ ملتیں اور دیگر کئی صحابیات کی طرح آپ کا نام بھی بالکل گمنامی و پردۂ خفاء میں چلا جاتا۔

آپ نے جہاں سیرت طیبہ کے متعلق بہت سے نادر واقعات کو روایت کیا اور ہم تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں، اسی طرح آپ سے چند روایات اسلامی احکام و اوامر کے متعلق بھی مروی ہیں۔ آپ کی وفات کب ہوئی؟ اس متعلق روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے، زیادہ صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے پانچ ماہ بعد آپ کی وفات ہوئی اور آپ نے تقریباً اسی سال یا اس سے بھی زیادہ عمر پائی۔

یہ تھیں رسول اللہ ﷺ کی ماں کے بعد ماں، جنہیں رسول اللہ ﷺ خود ماں کہہ کر پکارتے، آپ کی حقیقی ماں تو محض پانچ یا چھ سال کی عمر میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئیں مگر اس ماں جیسی نے ہمیشہ آپ پر محبت و شفقت کا دوپٹہ رحمت خداوندی کی مانند سایہ فگن رکھا۔

منظوم خراجِ عقیدت بہ حضور سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا

جناب عبد اللہ قریشی صاحب نے ام ایمن رضی اللہ عنہا پر جو کام کیا ہے، جس کا تذکرہ شروع میں کیا گیا، اس میں ہمیں سب سے زیادہ اہم ام ایمن رضی اللہ عنہا اور آپ کے خاندان کی وہ منظوم منقبت اور ان کی خدمت میں پیش کردہ وہ خراج عقیدت لگا ہے جو انہوں نے لندن میں مقیم شعراء سے خاص طور پر لکھوایا ہے۔ اس منظوم منقبت اور خراج عقیدت میں سے کچھ منتخب اشعار ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

منقبت حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

کیا عقیدت کے سب اصول گئے — ام ایمن کو لوگ بھول گئے
وہ کہ تھیں مثل مادر سرکار — امت مسلمہ کا تھیں جو وقار
ام ایمن کا ذکر ہو مقبول — جن کے گردیدہ تھے ہمارے رسول
بعد مادر کے کی نگہداری — تھیں وہ میرے رسول پر واری
ان کا درجہ بہت ہی اعلیٰ ہے — نام ان کا بہت ہی بالا ہے
ان کی تعظیم فرض ہے سب پر — ان کی تکریم قرض ہے سب پر
تذکرہ ان کا انجمن میں رہے — ان کی تقدیس ہر چلن میں رہے
ام ایمن تھیں شفقتوں کی کرن — رحم، دانش، خلوص کا مخزن[1]

سیرت سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا

ہاتھ میں تھرتھرا رہا ہے قلم — راہ میں ڈگمگا نہ جائیں قدم
آبِ کوثر میں دھو کے اپنا قلم — اک مناجات کر رہا ہوں رقم
ام ایمن کا حال لکھنا ہے — اسوۂ بے مثال لکھنا ہے
حسن آداب بھی نبھانا ہے — بہر عظمت بھی سر جھکانا ہے
ان کی قسمت کا حال لکھنا ہے — ان کا جاہ وجلال لکھنا ہے

---

(1) شاعر عقیل دانش-لندن۔ ماخوذ از کتاب حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا، ص 176۔

مصطفیٰ اس جہاں میں جب آئے — ام ایمن تھیں ہاتھ پھیلائے
ایک باندی اور اس کی یہ قسمت — جس کی گودی میں آ گئی جنت
آمنہ بی کی تھیں جو ہمراہی — طیبہ سے مکہ جب ہوئیں راہی
موت نے ماں کو راہ میں چھینا — غم کا بوجھ، اس پہ ناتواں سینہ
ام ایمن نے بڑھ کے ساتھ دیا — بن کے ماں آپ کو سنبھال لیا
آپ کہتے تھے جن کو امی جان — ان کی روح الامیں بتائیں شان
جن سے آقا لپٹ کے روئے ہوں — جن کی گودی میں آپ سوئے ہوں
صاف کی گرد جن کے پاؤں کی — یہ ہے معراج ساری ماؤں کی
جن کی آقا کے دل میں چاہت ہو — جن کو فردوس کی بشارت ہو
ان کے درجات کر رہا ہوں رقم — اک مناجات کر رہا ہوں رقم
ام ایمن کا حال لکھنا ہے — تحفۂ ذو الجلال لکھنا ہے
پیاس نے جب انہیں ستایا تھا — عرش اعظم سے پانی آیا تھا
زید، اعلیٰ مقام ہے جن کا — درج قرآں میں نام جن کا
ام ایمن کے وہ بنے شوہر — خوش رہے ان سے شافع محشر
ام ایمن کے جو قریب ہوا — دونوں عالم میں خوش نصیب ہوا
میں کہاں تک صفات منواؤں — ان کی تصویر کس سے بنواؤں
میں غلاموں کا بھی غلام نہیں — کوئی عالم نہیں، امام نہیں
مجھ سے انسان کا یہ کام نہیں — نام و شہرت کی مجھ کو چاہ نہیں
میں فرشتہ نہیں ہوں، انساں ہوں — کیا کہوں، ہمت کلام نہیں
ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا ہوں غلام — اپنے آقا کا اک ثنا خواں ہوں
جھک کے آقا کو کر رہا ہوں سلام — بارگاہ نبی میں گم، گمنام
شاید اب ناظر ایسی قسمت ہو — اک تمنا ہے بے صدا و کلام[2]

---

(2) شاعر ناظر فاروقی صاحب-لندن۔

خاتون جنت سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا

ام ایمن مرحبا خاتون جنت مرحبا
رحمۃ للعالمیں کو گود میں تونے لیا

اہلِ بیتِ مصطفیٰ میں تیرا ہوتا ہے شمار
قربت شاہِ دو عالم کا تجھے رتبہ ملا

رتبہ بھی ایسا کہ جس پر سارے رتبے ہوں نثار
تجھ کو "اُمی بعد اُمی" خود کہیں نور الہدیٰ

جنگِ خیبر ہو، احد ہو یا ہو پھر جنگ حنین
تو رہی شانہ بشانہ ہم رکاب مصطفیٰ

تیرے بیٹے نے پیا جام شہادت جھوم کر
تربیت کا تیری تھا یہ کارنامہ پُر وفا

مستعد، ہشیار تھی تو مثلِ آہو، تیز گام
اس لئے پھبتی ہے تجھ پر کنیت "ام الظباء"

پا پیادہ تو نے کی ہجرت مدینے کی طرف
ہیں تری ہمت پہ حیراں آج تک ارض وسماء

اللہ اللہ کیا تھی ہستی، کیا مقدر تھے ترے
سرور جنت نے کی خود صاف تیری گرد پا

کیا لکھوں تعریف اس کی دیکھ کر جس کو نجیب
احتراماً اٹھ کھڑے ہوں خود امام انبیاء

حضرت برکہ ام ایمن رضی اللہ عنہا

ایک نادر گل تھی برکہ حبشہ کے بُستان میں
توڑ کر لایا تھا کوئی وادیٔ فاران میں

آ کے عبدُالمطّلب کے گھر میں برکہ بخت ور
آمنہ کے پاس رہ کر سج گئی گلدان میں

ثعلبہ کی بیٹی برکہ گیارہ بارہ سال کی
رب نے کیا دی آمنہ کے سایۂ دامان میں

اُس کو عبداللہ نے بھی پھر نکھارا اس قدر
ہو گئی پختہ تریں وہ ہاشمی پہچان میں

آمنہ نے وقتِ رحلت اپنی برکہ سے کہا
دے رہی ہوں اب محمدؐ کو ترے حفظان میں

اپنی نظروں سے اسے ہر گز جدا کرنا نہیں
جان و دل کے پاس رکھنا برق اور طوفان میں

آمنہ سے عہد برکہ نے نبھایا اس طرح
وقف کر دی جاں وفائے وعدہ و پیمان میں

ایک لمحہ بھی جدا ہوتی نہ تھی وہ آپؐ سے
اس قدر مضبوط تھی اُس قول کے اِذعان میں

یُوں تھی برکہ اُمِّ ایمن آپؐ پر جاں سے فدا
اُمّی بعدَ اُمّی آقاؐ نے کہا فرمان میں

ہاتھ پر خیر الوریٰؐ کے بیعتِ اسلام کی
اوّلیں داخل ہوئی یوں حلقۂ قرآن میں

ہجرتَین حبشہ و یثرب میں بھی شامل رہی
مومنوں کے ساتھ ہی تھی موت کے امکان میں

شعبۂ خدمات میں تھی در اُحد، خیبر، حنین
مصطفیٰؐ کا سایہ بن جنگ کے میدان میں

اُمِّ ایمن کو بشارت دی رسولؐ اللہ نے
جنّتی خاتون فرمایا جب اس کی شان میں

خدمتِ اسلام میں ناصرؔ کسی سے کم نہ تھی
اس کے ہمسر کم ہی نکلیں گے زن و مردان میں[3]

---

(3) کلام جناب نصیر احمد بٹ۔

مدحت ام ایمن رضی اللہ عنہا

نبیؐ نے کی جو مدحت اُمِّ ایمن کی
اسی سے سمجھو عظمت اُمِّ ایمن کی

نچھاور کی نبیؐ پر اپنی سب ممتا
نبیؐ سے تھی یہ نسبت اُمِّ ایمن کی

ملی شفقت جہاں میرے پیمبرؐ
وہ تھی آغوشِ الفت اُمِّ ایمن کی

محبت میں نبیؐ کی رہتی تھیں سرشار
تھی انؐ کی چاہ، دولت اُمِّ ایمن کی

پڑھے پُر سوز رحلت پر نبیؐ کی شعر
زباں میں گو تھی لکنت اُمِّ ایمن کی

تھے دانائی کے گوہر باتوں میں روشن
عیاں سب پر تھی حکمت اُمِّ ایمن کی[1]

---

(1) شاعرہ: سیماب جبار۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

حبشہ کی ایک کنیز تھیں برکہ تھا جن کا نام
اللہ نے بلند کیا ان کا کیا مقام

ہو گی بھی اس سے بڑھ کے سعادت کی کیا دلیل
کعبہ کے والی بن گئے برکہ کے خود، کفیل

اخلاق وتربیت کے بھی سانچوں میں وہ ڈھلیں
اللہ کے حبیبؐ کے دادا کے گھر پلیں

برکہ نے دیکھی شادی مہ و آفتاب کی
مکہ میں والدین رسالت مآبؐ کی

دُکھ سکھ میں ساتھ ساتھ وہ بی آمنہ کے تھیں
ہر دم بٹاتی ہاتھ وہ بی آمنہ کے تھیں

شاہد بنیں تجلّیِ بارانِ نور کی
جب سامنے ہوئی تھی ولادت حضورؐ کی

پھر وہ گھڑی بھی آئی کہ غم سے ہوئی نڈھال
سینے سے رو کے لپٹے جو بی آمنہ کے لالؐ

رنجور غم سے ہو گیا اَبواء کا وہ مقام
رخصت ہوئیں جب آمنہ لے کر خدا کا نام

دفنا کے ان کو برکہ نے واپس سفر کیا
طے صبر سے یہ مرحلۂ پُر خطر کیا

بانہوں میں بھر کے رب کی نوازش نعیم کو
مکہ میں لائیں تنہا وہ دُرِّ یتیم کو

دادا کو فکر تھی کہ محمدؐ ہیں نونہال
برکہ کو سونپ دی یوں محمدؐ کی دیکھ بھال

اِعزاز پرورش کا یہ برکہ کو کیا ملا
اللہ نے کچھ اور بھی رتبہ بڑھا دیا

دو سال بعد ہو گیا دادا کا انتقال
رکھا چچا نے دونوں کا ہر حال میں خیال

جب عقد میں بندھی تھیں خدیجہ رسولؐ سے
لپٹی رہی تھیں برکہ بھی قدموں کی دھول سے

اب زوجۂ رسولؐ نے برکہؓ کی فکر کی
دلہا بنائے ان کے عبید ایک خزرجی

دلہن جب اپنے گھر کو مدینے چلی گئیں
برکت ہوئی کہ برکہ سے ایمن کی ماں بنیں

چند ایک سال بعد وہ بیوہ بھی ہوگئیں
تب لوٹ کر مدینے سے مکے میں آ بسیں

اب زندگی کا اور تھا حاصل نہ کچھ حصول
کرتی تھیں بس وہ صبح و مسا خدمتِ رسولؐ

"خاتونِ جنت" ان کو نبیؐ نے لقب دیا
تب زید ابن حارثہ نے عقد کر لیا

گودی بھری خدا نے اُسامہ دیا انہیں
سب رنج و غم مٹا کے عجب خوش کیا انہیں

بخشا نبیؐ نے زید کو تھا پیار باپ کا
اس سے بھی بڑھ کے پیارا اُسامہ تھا آپؐ کا

تھی زید سے نبیؐ کو محبت جو باپ کی
دادا کی مثل اُسامہ سے الفت تھی آپؐ کی

زید، اُمِّ ایمن، ایمن، اُسامہ یہ فرد چار
کنبہ یہ سارا ہی تھا محمدؐ کا جاں نثار

اچھے برے تھے جیسے بھی حالات، تھے یہ ساتھ
تبلیغِ دیں کہ ہجرت و غزوات، تھے یہ ساتھ

پیچھے نہ اُمِّ ایمنِ برکہ کبھی رہیں
آپ اوّلین حلقۂ اسلام میں بھی تھیں

چھوڑا نہ ساتھ اوّل و آخر حیات تک
تھیں پاس ہی نبیؐ کی وفات تک

خدمت بھی ان کی ماں کی طرح مصطفیٰؐ نے کی
جنت کی بھی نوید رسولِ خدا نے دی

ہستی نبیؐ کے واسطے تھیں کتنی معتبر
صد حیف گر ہمیں نہ ہوئی ان کی کچھ خبر

سیمیںؔ نے اُمِّ ایمن اقدس کی شان میں
لکھی جو نظم گونجی وہ سارے جہان میں

اُمت کا اُمِّ ایمن حبشہ کو ہو سلام
اٹھیں بلال و زید و اُسامہ سے پھر امام[1]

خصوصی فضائل حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

نبی کی ہے جو "مادر بعد مادر"
نبی فرمائیں خود جس کو "بہشتن"

نبی جس کو پلائیں لا کے پانی
نبی کے گھر کا سینچا جس نے خرمن

گزارے خدمت احمد میں جس نے
دم پیری، جوانی اور بچپن

اُحد، خیبر، حنین اور ہجرتوں میں
ملی شرکت جسے، وہ پاکدامن

رہی مردوں سے بڑھ کر مرد میداں
جو بھاگا اس پہ پھینکے چوڑی، گنگن

نبی کی غمگسار وہمنوا تھی
دم میلاد تا رخصت بدفن[2]

---

(1) شاعرہ: سیمیں برلاس صاحبہ۔
(2) شاعر: علامہ فیاض عادل فاروقی۔لندن۔

مصادر و مراجع باب دوم

باب اول کے اختتام پر اس کے مصادر و مراجع ذکر کئے گئے تھے جن کو مجموعی تعداد پچاس سے اوپر تھی، باب دوم کی تیاری کیلئے زیادہ تر ان ہی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ذیل میں صرف ان کتابوں کا ذکر کیا جائے گا جن سے خاص طور پر باب دوم میں استفادہ کیا گیا ہے، البتہ نمبر شمار مسلسل رکھا گیا ہے:

52. ابن ابی شیبہ، ابو بکر بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم (متوفی 235ھ)، مسند ابن أبي شيبه، دار الوطن-الریاض، ط1، 1997ء۔

53. ابن الاثیر، أبوالسعادات، المبارک بن محمد بن محمد (متوفی 606ھ)، النهاية فی غريب الحديث والأثر، المکتبة العلمية -بیروت، 1399ھ، 1979ء۔

54. ابن الاثیر، عزالدین، ابو الحسن، علی بن أبي الكرم محمد بن محمد (متوفی 630ھ)، أسد الغابة، دار الکتب العلمیہ-بیروت، ط1، 1415ھ، 1994ء۔

55. ابن الحبیب، ابو جعفر البغدادی، محمد بن حبیب بن أمیة بن عمرو (متوفی 245ھ) المحبر، ص406، دار الآفاق الجدیدۃ-بیروت، س ن۔

56. ابن بطال، ابو الحسن، علی بن خلف بن عبد الملک (متوفی 449ھ)، شرح صحيح البخاري، مکتبة الرشد - الریاض، ط2، 1423ھ، 2003ء۔

57. ابن حنبل، ابوعبداللہ، احمد بن محمد بن حنبل (متوفی 241ھ)، فضائل الصحابة، مؤسسة الرسالة - بیروت ،ط1، 1403ھ، 1983ء۔

58. ابن عساکر، ابو القاسم، علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ (571ھ)، تاریخ دمشق، دار الفکر - بیروت، 1415ھ، 1995ء۔

59. ابن قتیبہ، ابو محمد، عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (متوفی 276ھ)، المعارف، ص144، الهيئة المصرية العامة للکتاب – قاہرۃ، ط2، 1992ء۔

60. ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، محمد بن یزید القزوینی (متوفی 273ھ)، سنن ابن ماجه، دار احیاء التراث العربیۃ- الباب الحلبي، س ن۔

61. ابو عبد اللہ، محمد بن سلام بن عبید اللہ (متوفی 232ھ)، طبقات فحول الشعراء، ج 1، ص 246، دار المدنی - جدۃ، س ن۔

62. الجمیل، محمد بن فارس، مشاهير موالي الرسول ﷺ، ص 10، المجلہ العربیہ رقم 286، 1441ھ۔

63. الخرکوشی، النیسابوری، ابو سعد، عبد الملک بن محمد بن ابراہیم (متوفی 407ھ)، شرف المصطفی، دار البشائر الاسلامیہ - مکہ، ط 1، 1424ھ۔

64. ذہبی، شمس الدین، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن عثمان (متوفی 748ھ) سیرأعلام النبلاء، مؤسسة الرسالة، ط 3، 1405ھ، 1985ء۔

65. صدیقی، پروفیسر، محمد یاسین مظہر، حضرت ام ایمن - رسول اکرم ﷺ کی انا، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز - کراچی، ط 1، 2013ء۔

66. الطبرانی، ابو القاسم، سلیمان بن احمد بن أیوب (متوفی 360ھ) کتاب الدعاء، دار الکتب العلمیہ - بیروت، ط 1، 1413ھ۔

67. العسقلانی، ابن حجر، الحافظ، احمد بن علی بن حجر (متوفی 852ھ)، فتح الباري، دار المعرفة - بیروت، 1379ھ۔

68. کیرانوی، قاسمی، مولانا، وحید الزماں، القاموس الوحید، ص 351، ادارہ اسلامیات - لاہور، ط 1، 1422ھ 2001ء۔

69. النسائي، أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني (متوفی: 303ھ)، المجتبى من السنن / السنن الصغرى للنسائي، مکتب المطبوعات. الاسلامیۃ - حلب، ط 2، 1406ھ 1986ء۔

70. النووی، ابو زکریا، یحییٰ بن شرف (متوفی 676ھ)، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، دار احیاء التراث العربی - بیروت، ط 2، 1392ھ۔

71. الواقدی، ابو عبد اللہ، محمد بن عمر بن واقد السہمی (متوفی 207ھ)، المغازي، دار الأعلمي - بیروت، ط 3، 1409ھ، 1989ء۔

72. الوکیع، ابو بکر، محمد بن خلف بن حیان البغدادی (متوفی 306ھ)، أخبار القضاة، عالم الکتب - بیروت، ط 1، 1366ھ، 1947ء۔

باب سوم: حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا

حضرت رسالت مآب ﷺ کی اولین رضاعی ماں

تمہید

زیرِ نظر کتاب "اُمہات الرسول ﷺ" کے پہلے باب میں آپ ﷺ کی حقیقی ماں حضرت سیدہ آمنہ کے حالات زندگی اوران کی سیرت طیبہ پر بات کی گئی، دوسرے باب میں آپ ﷺ کی دایہ اور پرورش کرنے والی ماں اورایسی خاتون جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی ماں قرار دیا اورانہیں ماں کہہ کر پکارا یعنی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تذکرۂ خیر ہوا۔ اب اس تیسرے باب میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی رضاعی ماں یعنی دودھ پلانے والی ماں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا ذکرِ بابرکت شروع کیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ کی رضاعی ماؤں میں کئی خواتین کے نام لئے جاتے ہیں اور کتب سیرت میں آپ ﷺ کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کرنے والی کئی ایک خواتین کے نام درج ہیں جن کی تعداد دس تک بھی شمار کی گئی ہے، مگر تحقیق و تجزیئے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی والدہ حضرت سیدہ آمنہ کے علاوہ صرف دو خواتین نے دودھ پلایا، ان میں سے پہلی خاتون جنہیں اولین رضاعی ماں ہونے کا بھی شرف حاصل ہے وہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کا تذکرہ اس باب میں ہو گا۔ دوسری خاتون جنہیں رضاعت نبوی کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے دودھ پلانے کا زمانہ چونکہ سب سے طویل ہے اس لئے بطور رضاعی ماں عام طور پر صرف انہیں ہی جانا جاتا ہے۔ حضرت حلیمہ کا تذکرہ ان شاء اللہ اس کے بعد کتاب کے چوتھے باب میں کیا جائے گا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے بطور رضاعی ماں شہرت پانے کی وجہ ابھی ذکر گئی۔ یہ شہرت ہر زمانے میں انہیں حاصل رہی، حتیٰ کہ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں بھی۔ ان کے مقابلے میں

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کو لوگ کم پہچانتے تھے، چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگوں کو حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت کا علم نہیں تھا۔ اس کا ثبوت صحیح مسلم کی درج ذیل روایت ہے:

> "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ قریش کے اور خاندانوں کی خواتین اپنے لئے اختیار فرماتے ہیں اور ہم یعنی بنو ہاشم کو چھوڑ دیتے ہیں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! حمزہ کی بیٹی ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں ہیں کیونکہ میں اور حمزہ رضاعی بھائی ہیں اور ان کی بیٹی میری بھی بیٹی ہے۔" (1)

اسی طرح ازواجِ مطہرات کو بھی اس رضاعت کا علم نہیں تھا۔ صحیح مسلم ہی کی روایت میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ آتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

> "آپ میری بہن عزہ سے شادی کر لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہ تم اس پر راضی ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں راضی ہوں اور میں چاہوں گی کہ آپ سے (دنیا و آخرت کی) بھلائی حاصل کرنے میں جو عورت میرے ساتھ شریک ہو وہ میری بہن ہو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں (کیونکہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرنا جائز نہیں)، اس پر حضرت ام سلمہ نے فرمایا کہ ہم نے باہم گفتگو میں سنا ہے کہ آپ درہ بنت ابی سلمہ سے شادی کا ارادہ رکھتے ہیں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میری بیوی ام سلمہ کی بیٹی ہے اس لئے میرے لئے وہ حلال نہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ میری رضاعی بہن بھی ہے، کیونکہ اس کے والد ابو سلمہ اور مجھے ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔" (2)

---

(1) صحیح مسلم، ج2، ص1071، حدیث1446۔

(2) ایضاً، حدیث1449۔

یہی وجہ ہے کہ اولین سیرت نگاروں مثلاً ابن اسحاق اور پھر ابن ہشام وغیرہ کے ہاں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہی نہیں ملتا، محض اتنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابولہب کی باندی نے دودھ پلایا۔ ان کے نام تک کا تذکرہ نہیں۔ پھر انہی ابتدائی سیرت نگاروں کی پیروی بعد والوں نے بھی کی اور حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے کوئی دلچسپی نہیں لی اور ان کے بارے میں انتہائی ضروری معلومات بھی ذکر نہیں کیں۔ لیکن خود زبانِ نبوی سے ثوبیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کروا کر اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کو تاابد زندۂ جاوید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضاعی ماں ہونے کے ناتے ہمیشہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے اور ان کا خیال فرماتے رہے۔ روایات میں آیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتی تھیں اور آپ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے اور اعزاز و اکرام والا معاملہ فرماتے۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مواد کی اس قلت کے باوجود کوشش کی گئی ہے کہ دستیاب معلومات کو احسن انداز میں پیش کر دیا جائے اور ان میں سے کسی قسم کی بھی معلومات درج ہونے سے رہ نہ جائیں۔ اس باب میں اور اس سے اگلے باب میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماؤں کا تذکرہ کیا جائے گا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل موضوع سے پہلے کچھ گفتگو "رضاعت" کے حوالے سے کر لی جائے۔

رضاعت اور اسلام

"رضاعت" دراصل عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ "ر-ض-ع" ہے، اس کا بنیادی معنی عورت کے پستان یا جانور کے تھن سے دودھ پینے کے ہیں۔ مصدر "الرِضاعة" آتا ہے اور دودھ پلانے والی عورت کو "مُرْضِعَة" کہا جاتا ہے، اور دودھ پیتے بچے کو "الرَّضِیع" کہتے ہیں۔[1]

رضاعت ایک قدیم ترین فطری قانون ہے۔ بچے کی ولادت کے فوراً بعد اسے سب سے پہلے ماں کا دودھ ہی پلایا جاتا ہے۔ ماں کی غیر موجودگی کی صورت میں کسی اور دودھ پلانے والی سے دودھ پلوایا جاتا ہے۔ بعض معاشروں میں ماں کے ہوتے ہوئے بھی دیگر کئی مقاصد کیلئے بھی ماں کے علاوہ دوسری خواتین سے دودھ پلانے کا رواج موجود ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات مبارکہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ رضاعت کا رواج نہ صرف عرب میں بلکہ انسانی معاشرے میں پایا جاتا ہے اور اس کا ایک جزو لاینفک ہے۔ یہ چیز مشاہدے سے بھی واضح اور ثابت ہے، جس کیلئے کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾[2] یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو مکمل سال دودھ پلائیں۔ والدین کے حقوق کے متعلق ایک آیت میں ہے:

> ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾[3]
>
> یعنی ہم نے انسان کو سخت تاکید کی ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، کیونکہ اس کی ماں نے اسے بڑی تکلیف کے ساتھ اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور نہایت تکلیف کے ساتھ اسے جنا، اور بچے کے حمل اور اس کو دودھ (پلانے کے بعد) چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔

---

(1) ابوالحسن، احمد بن فارس بن زکریا (متوفی 395ھ)، ج2، ص400، دار الفکر-بیروت، 1399ھ، 1979ء۔

(2) سورۃ البقرۃ (2):233۔

(3) سورۃ الاحقاف (46):15۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور دودھ پلانے کی مدت دو سال، یوں کل مدت تیس ماہ ہوئی، اس سے بھی ماؤں کی رضاعت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ ماؤں کی رضاعت کے علاوہ قرآن کریم میں خاص رضاعت کرنے والی خواتین کا بھی تذکرہ موجود ہے۔ سورہ بقرہ کی ذکر کردہ آیت کے اگلے حصے میں ہے:

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾[4]

یعنی اگر مرد (شوہر) چاہیں تو اپنی اولادوں کو (ان کی ماؤں کے علاوہ دوسری عورتوں) سے بھی دودھ پلوانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں جب حوالے کر دو جو تم نے عطیہ ٹھہرایا ہے دستور کے مطابق۔

یعنی شوہر اگر چاہے تو ماں کے علاوہ دوسری عورتوں سے بھی بچے کو دودھ پلوا سکتا ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب بچے کی ماں طلاق کے بعد عدت کے زمانے میں بچے کو دودھ نہ پلائے اور اگر پلائے بھی تو اس کا معاوضہ اتنا طلب کرے جو رواج سے زیادہ ہو اور شوہر اسے ادا کرنے سے قاصر ہو۔ اسی کو سورہ طلاق میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَى﴾[5]

یعنی اگر تم تنگی محسوس کرو تو اسے ماں کے علاوہ کوئی اور عورت دودھ پلا سکتی ہے۔

اسلامی شریعت میں خون اور دودھ کے احکام ایک جیسے ہیں، جس کی وجہ بنیادی طور پر یہ ہے کہ دودھ بھی خون ہی کا ایک حصہ ہے۔ جس طرح خون کے رشتے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح دودھ کے رشتے سے بھی حرمت کا اثبات ہوتا ہے۔ یہ رشتۂ حرمت صرف حرمت نکاح تک محدود نہیں بلکہ اس سے زیادہ وسیع معانی رکھتا ہے، جن میں رضاعی رشتوں کی عزت و تکریم بھی شامل ہے۔ بہت سی تفسیر و حدیث کی روایات اسی حرمت و تقدس کو بیان کرتی ہیں۔ اسی لئے نکاح کے علاوہ بہت سے دوسرے رشتے بھی ہوتے ہیں جو رضاعت سے بالکل ایسے ہی وجود پذیر ہوتے ہیں جیسے خونی رشتے ہوتے ہیں مثلاً رضاعی ماں، رضاعی

---

(4) سورۃ البقرۃ (2):233۔

(5) سورۃ الطلاق (65):6۔

باپ، رضاعی بہنیں، رضاعی چچا وغیرہ اور ان سب کا ایک اسلامی معاشرے میں ویسا ہی عزت واحترام اور حرمت وتقدس ہے جیسے خونی رشتوں کا ہوتا ہے۔ اس کی بہترین مثال عرب معاشرے میں پہلے سے موجود تھی جسے اسلام نے مزید نکھارا۔

رضاعی ماؤں کا خیال رکھنا انہیں ان کی خدمت کا پورا پورا صلہ دینا قرآن کا حکم بھی ہے اور ویسے بھی یہ روایت ہمیشہ رہی ہے اور ہر ایک اپنی حیثیت کے مطابق اسے پورا کرتا ہے، قرآن کریم میں اس صلے اور بدلے کیلئے "معاوضہ" سے زیادہ خوبصورت لفظ "أجر" استعمال ہوا ہے جو حق، بدلہ اور صلہ کے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور معاوضہ سے زیادہ وسیع معانی رکھتا ہے جس میں ان ماؤں کی محبت بھری خدمت کے حق کی ادائیگی کا مفہوم ہے، نہ کہ خدمت پر رکھی گئی ایک نوکرانی کی طرح تنخواہ یا معاوضہ۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾[6] یعنی اگر وہ عورتیں تمہارے لئے تمہارے بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اس خدمت کا صلہ دو، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ بات حقیقی ماؤں کے بارے میں کہی جارہی ہے نہ کہ رضاعی ماؤں کے بارے میں۔ اس سے یہ مفہوم بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جیسے حقیقی ماؤں کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ معاوضہ نہیں، اسی طرح جو کچھ کسی بھی دودھ پلانے والی یعنی رضاعی ماں کو دیا جائے گا (جس کا آیت مبارکہ کے اگلے حصے میں ذکر ہے) وہ بھی معاوضہ نہیں بلکہ صلہ واحسان مندی کا اظہار ہوگا۔

اس ساری تفصیل کو اگر مد نظر رکھا جائے تو بعض لوگوں کا یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا کہ عرب معاشرے میں دودھ پلانا اور اس پر اجرت لینا شریفانہ کام خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ ایسے لوگ عربوں کی ایک ضرب المثل سے استدلال کرتے ہیں کہ "الحرة لا تاكل بثديها" یعنی آزاد اور شریف عورت کبھی اپنی دودھ کی کمائی نہیں کھاتی۔ یہ بات کسی طرح درست نہیں، لہٰذا علامہ سہیلی کی یہ توجیہ کہ حضرت حلیمہ اگرچہ آزاد عورت تھیں مگر انہوں نے اس چیز کو اس لئے گوارا کیا کہ اس سال ان کے علاقے میں قحط پڑ گیا تھا، کچھ زیادہ قابل وقعت نہیں۔ چنانچہ شبلی نعمانی اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں "ہمارا خیال ہے کہ اس کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال اہل شہر اور امراء کے ساتھ مخصوص ہوگا۔"[7]

---

(6) سورۃ الطلاق (65):6۔

(7) سیرت النبی، ج 1، ص 125۔

اس پر مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ رضاعت کی تاریخ میں بہت سی شریف عورتوں کے اس حسن خدمت کا حوالہ آتا ہے۔ جاہلی عرب کی تاریخ سے بھی اور اسلامی تاریخ سے بھی اس کی ہزاروں شہادتیں فراہم کی جاسکتی ہیں اور در حقیقت کی بھی گئی ہیں، پھر معیوب سمجھنے والوں نے رضاعت کے متعلق آیات قرآنی اور ان کے احکام بھلادیئے جن سے ان کے "اُجور" کو ان کا حق وصلہ سمجھا گیا ہے۔ حضرت حلیمہ کی حضورِ اقدس ﷺ کے علاوہ دوسری رضاعتوں کا بھی ثبوت ہے جن کے مطابق اس سال کے علاوہ بھی انہوں نے بعض دوسرے لوگوں کی رضاعت کی تھی جو بالکل بھی قحط اور خشک سالی اور مجبوری کا زمانہ نہ تھا، اور یہ بھی فراموش کر دیا کہ اسلام سے پہلے بھی اور خود اسلام میں بھی، رضاعت ایک معزز پیشہ تھا جسے خواتین اختیار کرتی تھیں۔ یہ نہایت محترم و معزز، محبت آگیں اور الفت آمیز پیشہ تھا جس کے اثرات تاحیات رہتے تھے۔[8]

رضاعت کے اسلامی احکام پر فقہاء کرام نے بہت تفصیلی مباحث کی ہیں۔ رضاعت کے متعلقہ قرآنی آیات کے ضمن میں کتب تفسیر میں خاص طور پر احکام القرآن سے تعلق رکھنے والی تفاسیر میں طویل مباحث اس ضمن میں موجود ہیں۔ اسی طرح محدثین کرام نے "کتاب الرضاع" کے عنوان سے مستقل ابواب قائم کر کے رضاعت سے متعلقہ احادیث کو یکجا کیا ہے۔ صرف امام بخاری نے کتاب النکاح کے ضمن میں مکمل پانچ ابواب رضاعت اور اس کے متعلقہ تفصیلات کیلئے مختص کئے ہیں۔[9]

---

(8) پروفیسر یاسین مظہر صدیقی، رسول اکرم کی رضائی مائیں، کمی بیشی کے ساتھ، ص14، مکتبہ قاسم العلوم - لاہور، ڈسٹری بیوٹرز، ملک اینڈ کمپنی-لاہور، س ن۔

(9) صحیح بخاری، ج7، ص9تا11، حدیث نمبر5099تا5104۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا اولین رضاعی ماں

"امہات الرسول ﷺ" کے تذکرۂ خیر کے سلسلے میں اب تیسری ماں کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔ یہ تذکرہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں تھیں۔ اس سے قبل رسول اللہ ﷺ کی حقیقی ماں اور پرورش کرنے والی ماں کا تذکرہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ باسعادت 12 ربیع الاول عام الفیل، بمطابق 20 اپریل 571ء میں ہوئی۔ ولادت کے بعد، عرب روایات کے مطابق، آپ کیلئے مرضعات یعنی دودھ پلائیوں کی تلاش شروع کر دی گئی۔ والد ماجد کی وفات ہو جانے کی وجہ سے یہ کام دادا نے کیا، چنانچہ ابن اسحاق کے بیان کے مطابق آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے یہ کام سرانجام دیا۔[1]

کتب سیرت میں عام طور پر حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کو سب سے پہلی رضاعی ماں قرار دیا جاتا ہے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس سے پہلے آپ ﷺ کو کسی نے دودھ نہیں پلایا تھا۔ حضرت سیدہ آمنہ کے تذکرے میں ہم یہ بات تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ ثویبہ رضی اللہ عنہا سے بھی پہلے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا تھا، ثویبہ رضی اللہ عنہا کے اولین رضاعی ماں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی ماں کے علاوہ جن عورتوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا ان میں سب سے پہلے انہوں نے دودھ پلایا، نہ یہ کہ والدہ سے بھی پہلے۔

نام و نسب

آپ کا نام ثُویبہ تھا، نام پر مزید تحقیق آئندہ عنوان کے تحت آئے گی۔ بعض کتب سیرت میں ثویبہ الاسلمیہ بھی لکھا گیا ہے،[2] جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا تعلق قبیلہ بنو اسلم سے تھا۔ مگر اس بات کے مزید کوئی شواہد موجود نہیں۔

اکثر کتب سیرت و شروح حدیث اور کتب سیر صحابہ میں جہاں بھی حضرت ثویبہ کا تذکرہ آیا ہے وہاں انہیں صرف اس نسبت سے ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے چچا ابولہب کی باندی تھیں، کہیں بھی ان کے اپنے نسب، خاندان اور قبیلے وغیرہ کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی، حتیٰ کہ آپ کے شوہر جن کے

---

(1) سیرۃ ابن ہشام، ج 1، ص 160۔

(2) عیون الاثر، ج 2، ص 361۔

بیٹے "مسروح" کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا تھا، ان کا بھی کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ تفصیلی تذکرہ تو دور کی بات ہے، نام تک کا ذکر نہیں۔ یہ تمام تفصیلات ہنوز پردۂ اخفا میں ہی ہیں جن کے سامنے آنے کی کوئی امید بھی نہیں۔

"ثُوَیْبَہ" نام کی تحقیق

رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی رضاعی ماں حضرت ثویبہ کا نام نامی ایک منفرد نام ہے۔ یہ ایسا نام ہے جو تاریخ عرب میں نہیں ملتا، اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ نام پوری اسلامی تاریخ میں بھی کسی مشہور شخصیت کا نہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس نام کے معنی کیا ہیں؟ کتب سیرت وحدیث میں جہاں بھی یہ نام آیا ہے اس کا ضبط اور تلفظ تو وہاں ذکر کیا گیا ہے مگر نام کے معنی کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں کی اور عام طور پر نام کے معانی کم ہی بیان کئے جاتے ہیں۔ یاسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں:

> "عرب تراجم اور سیرت و تاریخ میں ان کے نام کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی، یہ خاصی حیرت انگیز اور اہم حقیقت ہے۔ اس سے زیادہ حیرت ناک واقعہ یہ ہے کہ پوری اسلامی کلاسیکی سیرت و تاریخ میں یہ نام کسی کا نہیں ملتا۔"(3)

اردو زبان میں عوام کے ہاں یہ نام عام طور پر "ثوبیہ" بولا اور لکھا جاتا ہے جو کہ بالکل بھی درست نہیں۔ کتب سیرت حدیث میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسے "ثُوَیْبَۃ" لکھا اور پڑھا جاتا ہے، اس لئے یہی درست ہے۔ صحیح بخاری کی کئی احادیث میں یہ نام خود حضرت رسالت مآب ﷺ کی زبانی نقل ہوا ہے۔ زرقانی نے شرح مواہب میں اس نام کو اس طرح سے ضبط کیا ہے:

> "ثویبہ: ثاء پر پیش اس کے بعد واو پر زبر پھر یاء ساکن، اس کے بعد باء پر زبر اور پھر آخر میں تاء بطور علامت مؤنث۔"(4)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحیح لفظ "ثُوَیْبَۃ" ہے نہ کہ "ثوبیہ" جس میں باء کو یاء سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔ پھر اس لفظ کے معانی کے بیان میں کتب سیرت میں کچھ وضاحت نہیں مل سکی۔ البتہ سیرت حلبیہ میں

---

(3) رسول اکرم کی رضاعی مائیں، ص 85۔

علامہ حلبی نے اسے عربی کے لفظ "الثواب" سے ماخوذ مانا ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ اور دایہ حضرت شفاء والدۂ عبد الرحمٰن بن عوف اور اثا حضرت برکہ ام ایمن وغیرہ، سب کے ناموں کے معانی کے متعلق ایک دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "آپ کی والدہ آمنہ اور دایہ شفاء کے نام میں "امن" اور "شفا" ہے، اور اثا "برکہ ام ایمن" کے نام میں برکت ہے، اور سب سے پہلے دودھ پلانے والی "ثویبہ" کے نام میں ثواب ہے، اور پھر دوسری دودھ پلانے والی حلیمہ سعدیہ کے نام میں "حلم" یعنی بردباری اور "سعد" یعنی سعادت مندی اور نیک بختی ہے۔[5]

اس دلچسپ کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "ثویبہ" کا لفظ ثواب سے ماخوذ ہے اور عربی کے لحاظ سے یہ تصغیر کا صیغہ ہے۔ اس وقت اس کا معنی یا تو بہت کم ثواب اور بدلہ کا ہوگا یا بہت زیادہ ثواب اور بدلہ، کیونکہ عربی قواعد کے لحاظ سے صیغۂ تصغیر دونوں معانی کیلئے آتا ہے۔

یاسین مظہر صدیقی صاحب مرحوم کے بقول اس لفظ کا معنی انہیں کتب سیرت اور شروح حدیث میں کہیں نہیں مل سکا، پھر انہوں نے لغت کی مشہور کتاب "لسان العرب" کے حوالے سے اس کی تحقیق کی ہے اور اسے "ثوبة" یا "ثبية" کی تصغیر مانا ہے۔ پہلی اصل کے مطابق اس کے معنی "حوض کا وہ چھوٹا حصہ جس میں باقی پانی لوٹ آتا ہے"، اور دوسری اصل کے مطابق اس کا معنی ہے "تمام محاسن کی حامل خاتون۔"[6] حضرت ثویبہ پر ان دونوں معانی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سمیت قریش جیسے عظیم قبیلے کے کئی خاندانوں کے بچوں کو اپنے دودھ سے ایسے ہی سیراب کیا[7] جیسا کہ حوض اور کنواں لوگوں کو سیراب کرتا ہے؛ اور وہ تمام محاسن کی پیکر بھی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کی وجہ سے انہیں جو شان حاصل ہوئی، اس سے بڑھ کر کیا شان ہوگی اگر وہ اعلیٰ صفات کی حامل نہ ہوتیں تو اس سعادت کیلئے انہیں منتخب نہ کیا جاتا۔

---

(4) شرح الزرقانی علی المواہب، ج 1، ص 258۔

(5) السیرۃ الحلبیہ، ج 1، ص 94۔

(6) رسول اکرم کی رضاعی مائیں، ص 86 تا 89۔

(7) حضرت ثویبہ کی رضاعی اولاد کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

رضاعت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا ثبوت

حدیث و سیرت اور تاریخ اسلامی کے اکثر ماخذات میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے بعد سب سے پہلے آپ کو حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے ہی دودھ پلایا جو کہ آپ کے سگے چچا ابولہب کی باندی تھیں اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر دینے پر انہیں آزاد کر دیا تھا۔[8] اولین سیرت نگاروں میں سے ابن اسحاق اور ان کے شارح ابن ہشام کو چھوڑ کر باقی سب نے آپ کا نام بطور پہلی رضاعی ماں کے لیا ہے۔[9]

کتب حدیث میں رضاعت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا ثبوت ملتا ہے۔ صحیح مسلم کی احادیث ابتداء میں نقل کی گئی ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا نام لے کر ارشاد فرمایا کہ انہوں مجھے دودھ پلایا تھا۔ صحیح بخاری میں امام بخاری بھی اپنے منہج کے مطابق متعدد مقامات پر حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت کی انہی روایات کو لائے ہیں۔[10] صحیحین کے اتفاق کے بعد مزید کسی حدیثی ماخذ کا حوالہ دینے کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی۔

تاریخی ماخذ میں قدیم ترین ماخذ تاریخ طبری میں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت نبوی کا ثبوت ملتا ہے۔ امام طبری اپنی سند کے ساتھ ایک صحابیہ حضرت برہ بنت ابی تجزاۃ رضی اللہ عنہا کی روایت لائے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

> "برہ بنت ابی تجزاۃ فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا وہ ثویبہ تھیں اور یہ دودھ انہوں نے اپنے بیٹے مسروح کے ساتھ پلایا تھا، حضرت حلیمہ کے آنے سے پہلے۔"[11]

بنیادی ماخذ کے حوالے درج کر دیئے گئے ہیں، ان کے علاوہ تمام قدیم و جدید سیرت نگاروں نے انہی روایات کو اپنے ہاں نقل کیا ہے۔

---

(8) اس پر آئندہ بحث ہو گی کہ انہیں کب آزاد کیا گیا۔

(9) ابن سعد، الطبقات الکبری، ج 1، ص 87، بلاذری انساب الاشراف، ج 1، ص 94۔

(10) صحیح بخاری، ج 7، ص 9، حدیث 5101، و حدیث 5106۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی مدت تک دودھ پلایا؟

باب اول میں والدہ ماجدہ کے تذکرہ کے ضمن میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے آپ کو کتنے دن دودھ پلایا، اکثر کتب سیرت میں چند دن دودھ پلانے کا ذکر ہے۔ اسی طرح حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی اکثر قدیم کتب میں چند دن ہی دودھ پلانے کا ذکر ہے۔[12] ظاہر ہے کہ مرضعات کی تلاش جاری تھی اور کوئی مستقل مرضعہ ملنے سے قبل کا کل زمانہ ہی کم ہے تو پھر اس میں سے حضرت ثویبہ کا زمانہ تو مزید بھی کم ہو گا۔ چند دنوں کی تعیین بھی کہیں نہیں کی گئی کہ وہ کتنے دن تھے، ہر ایک نے اپنے اپنے اندازے کے مطابق کسی نے دو تین دن لکھا ہے تو کسی نے تین چار دن۔ البتہ قاضی سلمان منصور پوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

> "شرفاء مکہ کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو جب کہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے، دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب وہوا کے مقام پر باہر بھیج دیا کرتے تھے۔"[13]

اس بیان کے مطابق والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اور حضرت ثویبہ، دونوں کی مجموعی رضاعت یعنی دودھ پلانے کی کل مدت آٹھ دن متعین ہو جاتی ہے جن میں سے کچھ دن حضرت آمنہ نے دودھ پلایا اور کچھ دن حضرت ثویبہ نے۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی رضاعی اولاد

متعدد احادیث اور کئی روایات سیرت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی قریش کے کئی بچوں کو دودھ پلایا تھا، لہٰذا وہ تمام بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہوئے۔ بعض کتب سیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بہن بھائیوں کے تذکرے کے ضمن میں بھی یہ بحث اٹھائی گئی ہے۔ اوپر صحیحین کی ذکر کردہ روایات میں حضرت حمزہ اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد

---

(11) تاریخ طبری، ج 2، ص 158۔

(12) السیرۃ الحلبیہ، ج 1، ص 125۔

(13) رحمۃ للعالمین، ج 1، ص 53۔

مخزومی رضی اللہ عنہا کی حضرت ثویبہ سے رضاعت کا ثبوت خود زبان نبوت سے ملتا ہے۔ روایات حدیث سے بسا اوقات یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید یہ ساری رضاعتیں ایک ہی وقت میں ہوئیں۔ مگر بخاری و مسلم کے شارحین نے کتب سیرت میں درج روایات کی مدد سے اس ابہام کو دور کیا ہے۔ (14)

قدیم ترین ماخذ سیرت میں سے ابن سعد نے طبقات میں ان دونوں حضرات کی رضاعت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> "سب سے پہلے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا وہ ثویبہ ہیں، جنہوں نے اپنے بیٹے مسروح کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو کچھ دن دودھ پلایا حضرت حلیمہ کے آنے سے پہلے؛ اور ثویبہ آپ ﷺ سے پہلے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو دودھ پلا چکی تھیں، اور حضرت حمزہ کے بعد ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کو بھی آپ نے دودھ پلایا۔" (15)

اس روایت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت حمزہ اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں کی رضاعت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی وقت میں نہ تھی بلکہ مختلف زمانوں میں تھی۔ واضح رہے کہ حرمت رضاعت میں اشتراک اور رضاعی بہن بھائی بننے کیلئے صرف یہ کافی ہے کہ ان بچوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا اگرچہ مختلف زمانوں میں ہی کیوں نہ ہوں؛ ایک زمانے اور ایک ہی وقت میں دودھ پینا ضروری نہیں۔

حضرت حمزہ اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ تین شخصیات کا ذکر پروفیسر یاسین مظہر صدیقی مرحوم نے کیا ہے جنہیں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا تھا۔ اس پر انہوں نے تفصیلی بحث کی ہے اور اس سے بہت سے نتائج اخذ کئے ہیں۔ ان میں سے ایک نام ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب کا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بڑے چچا حارث کے بیٹے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تو تھے مگر انہیں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے نہیں بلکہ حضرت حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا تھا۔ ان کا اصل نام مغیرہ تھا اور

---

(14) فتح الباری، ج9، ص142۔

(15) الطبقات الکبری، ج1، ص87۔

ابو سفیان کنیت تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ ابو سفیان ان کا نام بھی تھا اور کنیت بھی۔ مغیرہ ان کے بھائی کا نام تھا۔ معتبر ماخذ میں کہیں بھی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی رضاعت کا ذکر نہیں ملتا۔[16]

اسی طرح ایک نام حضرت عبد اللہ بن جحش کا بھی ہے۔ ان کی رضاعت ثویبہ کا ذکر صرف امام سہیلی نے کیا ہے اور[17] یاسین مظہر صدیقی صاحب نے اسی حوالے کی بنیاد پر ان کی رضاعت ثابت کی ہے[18] لیکن سہیلی کے مشہور ناقد علامہ مغلطائی نے اپنی کتاب "الزہر الباسم" میں اس کے تردید کی ہے اور لکھا ہے:

> "سہیلی کی اس بات میں اشکال ہے، کیونکہ مؤرخین اور محدثین میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا تھا، ان میں سے کسی نے بھی عبد اللہ بن جحش کا ذکر نہیں کیا۔"[19]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن جحش کی رضاعت حضرت ثویبہ سے ثابت نہیں۔ مغلطائی کی اس تردید کو علامہ محمد بن یوسف صالحي الشامی نے سیرت پر اپنی مشہور کتاب "سبل الہدیٰ والرشاد" میں نقل کرنے کے بعد اس کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "یہی بات درست ہے اور جو کچھ سہیلی نے ذکر کیا ہے وہ سبقت قلمی ہے، کیونکہ ابو سلمہ کے بارے میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اور ابو سلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ سہیلی نے ان کا تو ذکر ہی نہیں کیا اور عبد اللہ بن جحش کا ذکر کر دیا!"[20]

---

(16) الاستیعاب، ج4، ص1673، اس میں تصریح ہے کہ آپ کو حضرت حلیمہ نے دودھ پلایا۔ الاصابہ، ج6، ص141۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی انہیں رسول اللہ کا رضاعی بھائی قرار دیا ہے اور رضاعت حضرت حلیمہ سے ہی ثابت کی ہے، رضاعت ثویبہ کا ذکر نہیں کیا۔ بعض متاخرین جیسے حلبی وغیرہ نے ان کی رضاعت ثویبہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن خود انہی کے دوسرے بیانات اس کی تردید کرتے ہیں۔

(17) الروض الانف، ج2، 102۔

(18) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی مائیں، ص32۔

(19) مغلطائی، ابو عبد اللہ، مغلطائی بن قلیج بن عبد اللہ (متوفی762ھ)، ج1، ص410، دار السلام- قاہرہ، ط1، 1433ھ، 2012ء۔

(20) سبل الہدیٰ والرشاد، ج1، ص380۔

عبد اللہ بن جحش مشہور صحابی ہیں، اولین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ ہجرتِ حبشہ بھی کی اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرح ان کا بھی مثلہ کیا گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے۔ آپ کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب تھیں، یوں آپ حضرت حمزہ کے بھانجے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہوئے۔ آپ کی ہمشیرہ زینب بنت جحش کو ام المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کے توسط سے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہنوئی بھی تھے۔ سیر صحابہ پر لکھی گئی کتابوں میں آپ کے تفصیلی حالات درج ہیں مگر کسی نے بھی آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی شمار نہیں کیا۔[21]

اسی طرح صدیقی صاحب نے حضرت ثویبہ کی قریش کے بچوں کیلئے چھٹی رضاعت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ثابت کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ بھی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پینے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔[22] اس کا حوالہ آپ نے تاریخ یعقوبی سے دیا ہے اور تاریخ یعقوبی مستند ماخذ نہیں، خاص طور پر جب اس میں ایسی بات نقل ہو جو مؤلف کے خاص نظریئے کے مؤید بنتی ہو تو اس کی صحت اور بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معتبر ماخذ میں سے کسی میں بھی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اس رضاعت کا ذکر نہیں۔[23]

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی رضاعی اولاد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ صرف حضرت حمزہ اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما جن کا اصل نام عبد اللہ بن عبد الاسد ہے، شامل ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت ثویبہ کے حقیقی بیٹے مسروح کی رضاعت کا بھی ماقبل میں ذکر کیا گیا۔ انہی کے دودھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی رضاعت ہوئی تھی۔ باقی رضاعتیں پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی مسروح کے علاوہ بھی حقیقی اولاد ہو گی جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کم از کم دو بچوں کی رضاعت ہوئی کیونکہ ذکر کردہ تینوں حضرات کی رضاعت ظاہر ہے کہ ایک ہی زمانے میں نہیں ہوئی تھی۔

---

(21) الاستیعاب، ج3، ص877، اسد الغابہ، ج3، ص194، الاصابہ ج4، ص31۔

(22) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی مائیں، ص32۔

(23) الاستیعاب، ج1، ص242۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی غلامی اور آزادی کی بحث

اکثر کتب سیرت میں جہاں بھی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے وہاں آپ کو ابولہب کی باندی کہا گیا ہے اور پھر ساتھ ہی ان کی آزادی کا بھی تذکرہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے آقا ابولہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر دی تو انہوں نے آپ کو آزاد کر دیا۔ صحیح بخاری میں جہاں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اور ابو سلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے، وہیں امام بخاری نے حضرت عروہ رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

> "ثویبہ ابولہب کی باندی تھیں، ابولہب نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، پھر جب ابولہب کی وفات ہو گئی تو اسے ان کے گھر والوں میں سے کسی نے خواب میں بہت بری حالت میں دیکھا تو اسے پوچھا کیا گزری تو اس نے کہا میں نے تمہارے بعد کوئی خیر نہیں پائی سوائے اس کے کہ مجھے پانی پلایا جاتا اس سے (اپنی انگلی کے پوروں کی طرف اشارہ کیا) جس سے میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔"[24]

اکثر سیرت نگاروں نے اسی روایت کو لیا ہے لیکن اس روایت کو لینے میں مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب بعض دوسری روایات اس کے متضاد بھی نظر آتی ہیں۔ چنانچہ طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جب "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت کی تو ابولہب نے انہیں آزاد کر دیا۔"[25] بلاذری نے انساب الاشراف میں یہ نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابولہب سے انہیں خریدنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اس نے انہیں آزاد کر دیا۔[26] کہاں رسول اللہ کی پیدائش کے وقت آزادی اور کہاں ہجرت کے وقت آزادی، دونوں اوقات میں تقریباً ترپن (53) سال کا فرق ہے۔ ان دو قسم کی متضاد روایات میں بعد کے سیرت نگاروں نے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے چنانچہ حلبی لکھتے ہیں:

---

(24) صحیح بخاری، ج 7، ص 9، حدیث 5101۔

(25) الطبقات الکبری، ج 1، ص 87۔

(26) انساب الاشراف، ج 1، ص 96۔

"دونوں قسم کی روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے انہیں آزاد تو کر دیا ہو لیکن ان کی آزادی کو ظاہر نہ کیا ہو، اور شاید اسی وجہ سے اس نے انہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بیچنے سے بھی انکار کر دیا کہ آزاد شخص کو بیچا نہیں جاسکتا، پھر ہجرت کے وقت اس نے ان کی آزادی کا اظہار کیا۔"(27)

یہ تطبیق ظاہر ہے کہ تکلف سے خالی نہیں، لہٰذا حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کی پہلی قسم کی روایات کو، جن میں ولادت مبارکہ کے وقت آزادی کا ذکر ہے، ترجیح دی جائے گی اور انہیں ہی راجح قرار دیا جائے گا؛ اور دوسری قسم کی روایات جن میں ہجرت کے وقت آزادی کا ذکر ہے، انہیں مرجوح قرار دیا جائے گا۔ پہلی قسم کی روایات کو ترجیح دینے کی وجہ بھی واضح ہے کہ اکثر سیرت نگاروں نے انہی روایات کو لیا ہے، پھر وہ قدیم ترین امام سیرت حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے منقول ہیں اور امام بخاری جیسے حضرات نے انہیں اپنے ہاں نقل کیا ہے۔ شرح بخاری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی انہی روایات کو ترجیح دی ہے۔(28)

پروفیسر یاسین مظہر صدیقی مرحوم نے اپنے ہاں ایک اور دلچسپ بحث اٹھائی ہے اور کتب سیرت میں حضرت ثویبہ کے حوالے سے بار بار جو "مولاة أبي لهب" کے الفاظ آئے ہیں جن کا ترجمہ عام طور پر ابولہب کی باندی سے کیا جاتا ہے۔ صدیقی صاحب کا خیال یہ ہے کہ ان الفاظ کا ایک دوسرا ترجمہ بھی کیا جاسکتا ہے جو عربیت کے لحاظ سے بالکل درست ہے اور خلاف واقع بھی نہیں۔ عربی زبان میں یہ لفظ جس طرح باندی اور لونڈی کیلئے استعمال ہوتا ہے، بالکل اسی طرح اس شخص کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جس نے کسی کے ساتھ رشتہ ولاء قائم کر لیا ہو، عرب سماج میں یہ طریقہ ولاء رائج تھا جس کے تحت کوئی بھی غیر ملکی اور بیرونی شخص کسی مقام پر سکونت اختیار کرنے کے بعد وہاں کے کسی بااثر شخص یا خاندان سے سماجی ارتباط کا رشتہ قائم کر لیتا تھا اور آزاد ہونے کے باوجود اس کا مولی بن جاتا تھا، وہ لکھتے ہیں:

"حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا اسی رشتہ ولاء کے سبب ابولہب ہاشمی کی "مولاۃ" بنی تھیں، وہ ان کی غلام اور باندی نہیں رہی تھیں۔"(29)

---

(27) السیرۃ الحلبیہ، ج1، ص124۔

(28) فتح الباری، ج9، ص145۔

(29) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی مائیں، ص61۔

پھر اس پر صدیقی صاحب مرحوم نے دلائل بھی دیئے ہیں اور اپنی تائید میں وہ روایات پیش کی ہیں جن میں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت کا تو ذکر ہے مگر "مولاة أبي لهب" کے الفاظ نہیں؛ اور مزید تائید صحیح بخاری کی کتاب النفقات کے تحت ذکر کردہ ایک عنوان کے الفاظ "باب المراضع من الموالیات" کی تشریح میں ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن التین کے جو الفاظ نقل کئے ہیں، ان سے کی ہے۔ ابن التین کے نقل کردہ الفاظ کو خود نقل کرنے والے حافظ ابن حجر تو نہیں سمجھ سکے اور صدیقی صاحب مرحوم سمجھ گئے! چنانچہ صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

> "حافظ صاحب موصوف دراصل "مولاۃ" کی بحث نہیں سمجھ سکے کیونکہ ان کے ذہن وفکر پر حضرت ثویبہ کے باندی ہونے اور باندی کے رشتہ سے آزاد ہونے کا مفہوم مسلط تھا، وہ سیرتی روایات سے متاثر ہو گئے۔"(30)

ہمارے خیال میں صدیقی صاحب مرحوم نے ایک متفقہ مسئلے میں اختلافی اور منفرد رائے اختیار کرنے کے شوق میں یہ ساری بحث اٹھائی ہے، وگرنہ "مولاۃ" کی بحث ایسی نہیں جسے ابن حجر جیسی عبقری شخصیت نہ سمجھ سکے۔ دراصل مولاۃ کی جو تشریح صدیقی صاحب مرحوم نے کی ہے وہی محل نظر ہے، کیونکہ انہوں نے "مولاۃ" کا اطلاق حلیف پر کیا ہے جو کہ بے سند ہونے کے ساتھ ساتھ واقعی اطلاق کے خلاف بھی ہے۔ ذخیرۂ حدیث وفقہ پر نظر رکھنے والا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ "مولاۃ" کا اطلاق یا تو باندی پر ہوتا ہے یا آزاد کردہ باندی پر جس کے مرنے کی صورت میں اس کی ولاء یعنی وراثت اس کے آزاد کرنے والے "مولی" یعنی مالک کو ملتی ہے، اور اسی معنی کے لحاظ سے حضرت ثویبہ کو "مولاۃ ابی لہب" کہا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(30) ایضاً، ص62۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرنے پر ابولہب کے عذاب میں تخفیف

ابھی بخاری کے حوالے سے حضرت عروہ کی روایت ذکر کی گئی ہے جس میں ایک خواب کا اجمالی ذکر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ثویبہ کو آزاد کرنے پر ابولہب کو عذاب میں کچھ تخفیف دی گئی ہے۔ یہ خواب علامہ حلبی نے حافظ دمیاطی کے حوالے سے تفصیلاً نقل کیا ہے، جو درج ذیل ہے:

"حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابولہب کی موت کے بعد ایک سال تک اسے خواب میں نہیں دیکھا، پھر میں نے اسے خواب میں دیکھا تو وہ بہت بری حالت میں تھا، تو میں نے اسے کہا تجھے کیا حالات پیش آئے؟ تو اس نے کہا، میں نے تم سے جدا ہونے کے بعد کوئی نرمی اور اچھائی نہیں دیکھی اور ایک روایت میں ہے اس نے کہا کہ میں بہت بری حالت میں ہوں، بس مجھے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان جتنا گڑھا ہے، اس کے بقدر پانی پلایا جاتا ہے، میرے ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے۔"[31]

صحیح بخاری کی شرح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اوپر ذکر کردہ حدیثِ عروہ کے ضمن میں اس مسئلے پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کسی کافر کو عذاب میں تخفیف ملنا قرآن کریم کی بہت سی آیات کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لا يُقْضَى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا﴾[32]

ترجمہ: اور کفر کرنے والوں کیلئے جہنم کی آگ ہے، نہ ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے جہنم کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔

اسی طرح ایک دوسری آیت میں ہے:

﴿وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا﴾[33]

---

(31) السیرۃ الحلبیہ، ج 1، ص 124۔

(32) سورہ الفاطر (35):36۔

ترجمہ: اور انہوں نے جو جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا۔

ابن حجر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ عروہ کے قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ باندی کی آزادی پہلے ہوئی اس کے بعد اس نے دودھ پلایا (جو باندی کا ذاتی فعل تھا اور اس میں ابولہب کا کوئی دخل نہیں)۔ بہرحال اس اثر سے اس بات پر دلالت ضرور ہوتی ہے کہ کافر کے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس اثر کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ یہ روایت مرسل ہے اور مرسل قابل استدلال نہیں، پھر اگر اس کا اتصال ثابت بھی ہو جائے تو اس میں ایک خواب بیان کیا گیا ہے جو شریعت کی نظر میں حجت نہیں۔ اگر اس روایت کو متصل مان کر بطور حکم شرعی قبول بھی کر لیا جائے تو یہ نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہوگا، جیسا کہ آپ ﷺ کے ایک دوسرے چچا کے ابوطالب کے عذاب میں بھی تخفیف کا صحیح احادیث میں آیا ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ جن نصوص میں یہ آتا ہے کہ کافروں کو آخرت میں کسی قسم کی خیر نہیں ملے گی۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی بھی جہنم سے خلاصی نہیں پا سکیں گے اور نہ ہی جنت میں داخل ہو سکیں گے، تاہم یہ ممکن ہے کہ ان کے رفاہی کاموں کی وجہ سے ان کے کفر کے علاوہ دیگر جرائم کی سزا میں تخفیف کر دی جائے؛ جبکہ قاضی عیاض کا خیال یہ ہے کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ کافروں کو ان کے نیک اعمال کا فائدہ نہیں پہنچے گا نہ ہی نعمتوں کی صورت میں اور نہ ہی عذاب میں تخفیف کی صورت میں۔ ہاں یہ ضرور ہوگا کہ کافروں کا عذاب یکساں نہیں ہوگا بلکہ اس میں درجہ بندی ہوگی۔

ابن حجر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض کا مؤقف امام بیہقی کے بیان کردہ احتمال کو ختم نہیں کر سکتا، کیونکہ قاضی عیاض کے مؤقف میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ کفر کے بارے میں ہے، جبکہ کفر کے علاوہ گناہوں کی تخفیف میں کوئی چیز مانع نہیں! اسی لئے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ تخفیف ایسے شخص کے بارے میں خاص ہے جس کے متعلق نص موجود ہے۔ ابن المنیر کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ کافر کی نیت کے معتبر نہ ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی عمل قابل قبول نہیں، یہ ایک معاملہ ہے؛ جبکہ

---

(33) سورہ الفرقان (25):23۔

کسی کافر کے بعض اعمال کے عوض اللہ تعالیٰ اس پر خصوصی فضل فرمادے، یہ عقلی طور پر ناممکن نہیں، جیسا کہ ابو طالب کے معاملے میں ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مذکورہ فضل ایسے کافر کے بارے میں بطور اکرام رونما ہو سکتا ہے جس نے کبھی کوئی نیکی وغیرہ کی ہو۔(34)

صدیقی صاحب مرحوم نے حافظ ابن حجر کی بحث نہایت اختصار کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اس پر یہ تبصرہ کیا ہے: "جناب ابو طالب ہاشمی کی حمایت و مدافعت نبوی پر تخفیف عذاب کا معاملہ کچھ مختلف ہے، انہوں نے رسول بننے کے بعد بھی حضرت محمد ﷺ کی حمایت و مدافعت کی تھی، گویا وہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حسن واحسان کا معاملہ تھا جس کا صلہ انہیں ملا۔ ابولہب ہاشمی نے مرضعۂ نبوی کو بعثت سے بہت پہلے آزاد کیا تھا اور بعثت کے بعد تو اس نے رسول اکرم کے ساتھ دشمنی کی حد کر دی تھی۔ پھر وہ اسلام بھی نہیں لایا، پھر تخفیفِ عذاب کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"(35)

آپ ﷺ کا حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حسن سلوک

عرب اقدار و روایات میں سے ایک اچھی روایت رضاعی ماں سے حسن سلوک ہے۔ رضاعی بیٹا اور بیٹی ساری زندگی کیلئے اپنی رضاعی ماں کو حقیقی ماں سے کم تر نہیں سمجھتے تھے، رضاعی ماں اور اس کے دیگر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بھی محبت و تعلق ہمیشہ قائم رہتا تھا۔ اسلام نے بھی اس رشتے کی حرمت و تقدس کو باقی رکھا ہے اور رضاعی ماں باپ کے حقوق بیان کئے ہیں۔ ماقبل میں لکھا جا چکا ہے کہ رضاعی رشتوں کی حرمت بالکل خونی رشتوں کی طرح ہے اور یہ حرمت صرف حرمتِ نکاح تک محدود نہیں بلکہ احترام اور حقوق کی بجا آوری بھی اس میں شامل ہیں۔

---

(34) فتح الباری، ج9، ص145، 146۔

(35) رضاعی مائیں، ص59۔ صدیقی صاحب مرحوم اس سے پہلے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی پرزور تردید کر چکے ہیں کہ ثویبہ ابولہب کی باندی تھی ہی نہیں، اور یہ کہ حافظ صاحب "مولاۃ ابی لہب" کا معنی ہی نہیں سمجھ پائے، اور یہاں خود فرما رہے ہیں کہ ابولہب نے انہیں بعثت سے بہت پہلے آزاد کر دیا تھا۔

سیرت وحدیث کی بہت سی روایات جناب نبی کریم ﷺ کے اپنی رضاعی ماؤں اور رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ خاص تعلق اور حسن سلوک کا پتا دیتی ہیں۔ ان میں سے کچھ روایات آئندہ باب میں حضرت حلیمہ اوران کی بیٹی شیما کے حوالے سے، جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں، ذکر کی جائیں گی۔ یہاں حضرت ثویبہ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کا خیال رکھنے کے حوالے سے جو روایات میسر آسکیں، انہیں لکھا جاتا ہے۔

کتب سیر میں لکھا ہے کہ حضرت ثویبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں برابر آیا کرتی تھیں اور آپ ﷺ ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا معاملہ فرمایا کرتے تھے اور آپ کا بہت اعزازواکرام فرماتے تھے، چنانچہ قدیم سیرت نگاروں میں سے بلاذری نے یہ روایت ذکر کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اور ثویبہ نبی ﷺ کے پاس آیا کرتی تھیں، اس حال میں کہ وہ غلام تھیں۔ پس آپ ﷺ ان سے حسن سلوک فرماتے، ان کا احترام کرتے اور خاطر مدارات کرتے"۔(36)

اصل روایت میں "فیبرّھا" کے الفاظ آئے ہیں۔ عربی سے واقفیت رکھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ لفظ خاص طور پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کیلئے استعمال ہوتا ہے، گویا آپ ﷺ ان کا عزت واحترام اپنی حقیقی ماں کی طرح کرتے تھے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کے علاوہ آپ کے گھر والوں کا بھی حضرت ثویبہ سے بہت گہرا تعلق تھا، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بھی آپ کے عزت واحترام میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی تھیں۔ اس سے بڑھ کر، انہوں نے ابولہب سے بات کی کہ میں ان کی طرف سے پیسے ادا کرنے کو تیار ہوں، آپ انہیں مجھے فروخت کر دیں تاکہ میں انہیں آزاد کر دوں۔ چنانچہ بلاذری مذکورہ روایت ہی میں مزید لکھتے ہیں:

"اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کا اکرام کرتی تھیں، اور انہوں نے ابولہب سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں بیچ دے تاکہ وہ انہیں آزاد کر دیں۔"(37)

---

(36) انساب الاشراف، ج 1، ص 95۔

(37) ایضاً۔

ابن اثیر لکھتے ہیں:

"اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کا اعزازواکرام کرتی تھیں، انہوں نے ابولہب کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ ثویبہ کو فروخت کردیں تاکہ وہ اسے آزاد کردیں، تواس نے انکار کردیا، پھر ہجرت کے وقت اس نے انہیں آزاد کردیا۔"(38)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ثویبہ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا، تعلق تھا تو صرف یہ کہ وہ آپ کے محبوب شوہر کی رضاعی ماں تھیں۔ حضرت خدیجہ اگرچہ نیکی کے کاموں میں ہمیشہ سبقت کرتی تھیں مگر یہاں جس سیاق میں یہ روایت آئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابولہب سے ان کی آزادی کا مطالبہ صرف اس لئے تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں تھیں اور وہ دیکھتی رہتی تھیں کہ رسول اللہ کو ان سے کس قدر تعلق خاطر ہے اور ان کا کس قدر عزت واحترام کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مطالبے پر ابولہب کا انکار کرنا اور پھر ہجرت مدینہ کے وقت انہیں آزاد کرنا ظاہر کرتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ حسن سلوک ہجرت سے قبل ان کی وفات کے زمانہ تک برابر رہا۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یقیناً یہی طرز عمل رہا ہوگا۔ اگرچہ اس حوالے سے روایات میں زیادہ کچھ نہیں ملا، مگر اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سے بھی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کیلئے ہدایہ اور تحائف بھیجا کرتے تھے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

مدنی دور میں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا سے حسن سلوک

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سلوک اور ان کا خیال رکھنا ظاہر ہے کہ رضاعی ماں ہونے کے ناتے سے تھا اور یہ رشتہ ہجرت کے بعد بھی قائم ودائم تھا۔ چنانچہ روایات سے پتا چلتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کے بعد پیچھے رہ جانے والے دیگر غیر مسلم رشتہ داروں اور مسلمان دوستوں کیلئے فکر مند رہتے تھے اور ان کے احوال دریافت فرمایا کرتے تھے، ایسے ہی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا بھی خیال فرماتے۔

---

(38) الکامل فی التاریخ، ج 1، ص 417۔

روایات سیرت میں بہت وضاحت کے ساتھ آتا ہے کہ ہجرت کے بعد بھی حضرت ثویبہ کے ساتھ ربط و محبت قائم تھا، چنانچہ بلاذری لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ مدینہ منورہ سے ثویبہ کیلئے عطیات بھیجا کرتے تھے یہاں تک کہ غزوۂ خیبر سے واپسی پر آپ ﷺ کو ان کی وفات کی خبر پہنچی۔"(39)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد مسلسل سات سال تک، یعنی ان کی وفات تک، یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ غزوۂ خیبر سات ہجری میں پیش آیا۔

ابن ہشام کے شارح امام سُہیلی لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ حضرت ثویبہ کا یہ (رضاعی ماں ہونے کا) مقام پہچانتے تھے اسی لئے مدینہ منورہ سے بھی آپ کے ساتھ صلہ رحمی فرمایا کرتے تھے۔"(40)

ایک دوسری جگہ مزید لکھتے ہیں:

"اور رسول اللہ ﷺ ثویبہ سے مسلسل صلہ رحمی کرتے رہے مدینہ سے بھی، اور ان کیلئے تحفے بھجوایا کرتے تھے کیونکہ وہ آپ کی اور آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی رضاعی ماں تھیں، اور جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے اور ان کے بیٹے مسروح کے بارے میں دریافت فرمایا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ دونوں وفات پا گئے ہیں"(41)

یہ روایت بھی دراصل بلاذری کی ہے، اس سے اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ نہ صرف ان کیلئے ہدایہ و تحائف بھجواتے بلکہ برابر ان کی خبر گیری کرتے رہتے تھے۔ خیبر سے واپسی پر وفات کی خبر ملنے کے باوجود فتح مکہ جیسے بڑے موقع پر دوبارہ ان کے بارے میں سوال کرنا آپ ﷺ کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ کو واضح کرتا ہے۔ بلاذری نے آپ ﷺ کے دریافت فرمانے پر جو جواب نقل کیا ہے وہ اس سے زیادہ دلچسپ ہے، بلاذری کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

---

(39) انساب الاشراف، ج 1، ص 96۔

(40) الروض الانف، ج 2، ص 102۔

(41) الروض الانف، ج 5، ص 123، غزوۃ بدر الکبری۔

"جب ثویبہ کی وفات کا بتایا گیا تو آپ ﷺ نے اُن کے بیٹے، اپنے رضاعی بھائی مسروح کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ وہ تو ان سے بھی پہلے وفات پاگئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا ان کے کوئی اور رشتہ دار ہیں؟ بتایا گیا کہ کوئی بھی باقی نہیں رہا۔"(42)

رضاعی ماں کے معاملے میں اس قدر حساسیت کہ فتح مکہ سے تین سال قبل غزوۂ خیبر کے موقعے پر ان کی وفات کا علم ہونے کے باوجود ان کے اعزہ واقربا کے بارے میں پوچھنا، نبی ﷺ کے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا سے گہرے ربط و تعلق اور ماں جیسی محبت کو ظاہر کرتا ہے، کہ اگر ماں نہیں رہی تو ان کے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ہی حسن سلوک اور صلہ رحمی کا تعلق باقی اور جاری رہے۔

رضاعی ماں کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ سلوک میں ہمارے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ ہے، اس سے اندازہ کیجئے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی حقیقی والدہ زندہ ہوتیں تو آپ ﷺ کا ان کے ساتھ تعلق یقیناً اس سے بھی بڑھ کر ہوتا۔ اس عملی برتاؤ کے علاوہ آپ ﷺ کی ان گنت احادیث مبارکہ اور ارشادات طیبہ سے والدین کے ساتھ اور پھر خاص طور پر ماں کے ساتھ حسن سلوک کا جو سبق ہمیں ملتا ہے، ہمیں اپنی عملی زندگی میں اسے اختیار کرنا چاہئے۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام کی بحث

ماقبل میں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے نام کے ساتھ ہر جگہ بہت اہتمام کے ساتھ "رضی اللہ عنہا" لکھا جاتا رہا، جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ لکھنے والے کے خیال میں ان کا شمار صحابیات میں ہوتا ہے، جس کی وجہ بعض وہ روایات ہیں جن میں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کو صحابیات کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اگر شریعت کا یہ اصول مدِ نظر رہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق کفر کے نانوے دلائل ہوں اور اسلام کی صرف ایک دلیل ہو تو اسے مسلمان ہی شمار کیا جائے گا، تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کو مسلمان اور صحابیۂ رسول شمار کیا جائے، خاص طور پر جب انہیں نبی ﷺ سے خاص قربت حاصل رہی اور انہوں نے اسلام کا

---

(42) انساب الاشراف، ج 1، ص 96۔

زمانہ بھی پایا، اور رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں ہونے کی حیثیت سے وفات تک ان کی برابر خبر گیری فرماتے رہے۔

متقدمین یعنی قدیم علماء میں حافظ ابن مندہ (متوفی 395ھ) نے آپ کو صحابیات میں شمار کیا ہے، پھر انہی سے روایت کرتے ہوئے ابو نعیم اصفہانی (متوفی 430ھ) نے بھی انہیں صحابیات کی فہرست میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابن مندہ کے علاوہ کسی نے انہیں صحابیات میں شمار نہیں کیا۔[43] ان کے بعد ابن اثیر (متوفی 630ھ) نے بھی آپ کو صحابہ کی فہرست میں شمار کیا ہے اور ابن مندہ اور ابو نعیم دونوں کی بات نقل کی ہے۔[44] ابن اثیر کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) نے صحابہ کرام پر اپنے بہترین موسوعہ "الاصابه فی تمییز الصحابه" میں آپ کو صحابہ کی فہرست میں شامل کیا ہے۔[45] اسی طرح صحیح بخاری پر اپنی مشہور زمانہ شرح "فتح الباری" میں بھی ان کے اسلام کی بحث لائے ہیں۔[46]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الاصابہ" میں ابن مندہ کے حوالے سے ہی آپ کو صحابہ کرام میں شمار کیا ہے اور اسی کے ساتھ ابو نعیم اور ابن سعد کی بعض عبارتوں سے جو ان کے عدم صحابیت کا گمان ہوتا ہے، اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کی باتوں سے ابن مندہ کے قول کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

اس کی ایک عقلی توجیہ بھی ہے اور وہ یہ کہ صحابہ کرام کے تعارف پر جو کتابیں بھی لکھی گئی ہیں ان میں جتنے بھی صحابہ کرام کا ذکر ہے ان کی مجموعی تعداد بمشکل پچیس ہزار کے لگ بھگ ہے جبکہ صحابہ کرام کی کل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے، اس لئے کسی صحابی کا صرف کتابوں میں ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ صحابہ میں سے نہیں؛ اور حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں جو حضرات بھی انہیں صحابیہ شمار نہیں کرتے، ان کے پاس صرف یہی دلیل ہے کہ متقدمین نے انہیں ذکر نہیں کیا سوائے ابن مندہ کے۔ اس پر ابو نعیم کے اس اضافے نے: "میں ابن مندہ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا کہ جس نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہو" بعد والوں کو مزید شک میں ڈال دیا۔

---

(43) معرفۃ الصحابہ، ج6، ص3284۔

(44) اسد الغابہ، ج7، ص47، ترجمہ نمبر6798۔

(45) الاصابہ، ج8، ص60، ترجمہ نمبر10970۔

(46) فتح الباری، ج9، ص146۔

متاخر سیرت نگاروں میں سے امام حلبی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے فرزند مسروح دونوں کی صحابیت کے قائل ہیں اور اس پر انہوں نے دلائل بھی دیئے ہیں اور اس پر ہونے والے اشکالات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ خاص طور پر وہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کیلئے بار بار "رضی اللہ عنہا" کا لفظ بڑے اہتمام سے لکھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی آپ کے بیٹے مسروح کا ذکر صحابہ کی فہرست میں کیا ہے[47] اور حضرت ثویبہ کے تذکرے کے تحت لکھا ہے کہ میرے علم کے مطابق کسی نے بھی مسروح کو صحابہ کرام میں شامل نہیں کیا مگر اس کا احتمال ضرور موجود ہے۔[48]

امام حلبی نے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام پر بنیادی طور پر ابن مندہ ہی کے قول کو اپنا مستدل بنایا ہے اور اس کی تائید میں ابن حجر رحمہ اللہ کا وہ تبصرہ نقل کیا ہے جو ابھی اوپر نقل کیا گیا "کہ ابن سعد کے بیان سے ابن مندہ کے قول کو رد نہیں کیا جا سکتا۔" اس کے بعد ایک ضعیف حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں قیامت کے دن اپنے ایک جاہلی بھائی کی سفارش کروں گا،" اور پھر خود اس کی تردید بھی کی ہے۔

اس کے بعد مزید دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ثویبہ کی وفات کی خبر ملی تو آپ نے ان کے بیٹے مسروح کے بارے میں پوچھا کہ ان کا کیا بنا؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسروح نے اسلام کا زمانہ پایا، پھر اسلام لانے کے باوجود ان کے ہجرت نہ کرنے پر جو اعتراض ہو سکتا ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کے ہجرت نہ کرنے سے یہ سمجھنا کہ وہ اسلام ہی نہیں لائے درست بات نہیں، اس لئے کہ بہت سے صحابہ کرام ایسے ہیں جو اسلام لائے مگر انہوں نے بوجوہ ہجرت نہ کی۔[49]

صدیقی صاحب مرحوم نے علامہ حلبی کے حوالے سے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے کے اسلام پر بعض حضرات کے ایک اور اعتراض کا جواب نقل کیا ہے۔ بقول صدیقی صاحب بعض حضرات نے علامہ سُہیلی کے اس قول سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے

---

(47) الاصابہ، ج6، ص73۔

(48) الاصابہ، ج8، ص61۔

(49) السیرۃ الحلبیۃ، ج1، ص128-129۔

صاحبزادے مسروح کے بارے میں سوال کیا، اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر وہ اسلام لا چکے ہوتے تو آپ ﷺ کو پہلے سے ان کے احوال کی خبر ہوتی ان کے بارے میں (یوں اجنبیت سے) سوال نہ فرماتے! اس کا جواب علامہ حلبی نے یہ دیا ہے کہ ضروری نہیں کہ یہ سوال اس غرض سے ہو جو معترض نے سمجھی ہے، بلکہ یہ سوال استفسار حال اور تحقیق احوال کا معاملہ تھا نہ کہ ان کے عدم اسلام یا انکارِ اسلام کا۔(50)

ہم نے جب سیرت حلبیہ سے رجوع کیا تو اصل عبارت دیکھنے سے سمجھ میں یہ آیا کہ یہ اعتراض دراصل حضرت ثویبہ کی صحابیت کے حوالے سے ہے ہی نہیں، بلکہ یہ اعتراض اس بات پر ہے کہ اگر حضرت ثویبہ کی وفات کی خبر غزوۂ خیبر کے موقعے پر مل چکی تھی تو پھر فتح مکہ کے موقع پر ان کے بارے میں سوال کرنا اس کے منافی ہے کہ ان کی وفات کی خبر آپ ﷺ کو تین سال قبل خیبر کے موقع پر مل چکی تھی۔ اس کا جواب علامہ حلبی نے دیا ہے کہ دوبارہ استفسار ضروری نہیں کہ اس لئے فرمایا ہو کہ پہلے وفات کا علم نہیں ہوا، بلکہ ممکن ہے کہ اس غرض سے سوال فرمایا ہو کہ ان کی جائے اقامت وغیرہ کے بارے میں جاننا چاہتے ہوں۔(51)

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام کے حوالے سے بحث کے آخر پر صدیقی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> "ان روایات، شواہد، دلائل اور احوال سے بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے فرزند حضرت مسروح رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے اور دونوں کا صحابہ کرام میں شمار ہوتا ہے اور ہونا چاہئے"۔(52)

---

(50) رضائی مائیں، ص76۔

(51) السیرۃ الحلبیۃ، ج، 1 ص29۔ اصل الفاظ یہ ہیں: وقد ينافي علمُ وفاتهما مرجعه ﷺ من خيبر ما ذكر السهيلي أنه عليه الصلاة والسلام كان يصلها من المدينة، فلما افتتح مكة سأل عنها وعن ابنها مسروح، فأخبر أنهما مات، وقد يقال: لا منافاة، لأنه يجوز أن يكون سؤاله الثاني للتثبت لوصوله محل إقامتهما. واضح رہے کہ حضرت ثویبہ کی وفات کی بحث کے ضمن میں خود صدیقی صاحب مرحوم نے ان الفاظ کے وہی معنی بیان کئے ہیں جو ہم نے متن میں تحریر کئے ہیں، دیکھئے رضائی مائیں، ص73۔

(52) رضائی مائیں، ص77۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی وفات

جیسا کہ ذکر کیا گیا، رسول اللہ ﷺ اپنی رضاعی ماں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنی مدنی زندگی میں بھی برابر حسن سلوک فرماتے رہے، ان کی برابر خبر گیری کرنا، ہدایہ و تحائف بھیجنا اور ان کے اعزہ واقرباء کا پوچھنا غرض پرسش احوال اور اظہارِ محبت کی ہر ممکنہ صورت اختیار کرنا مدنی زندگی میں بھی مسلسل رہا، اسی حسن سلوک کے ضمن میں ہی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

چنانچہ غزوۂ خیبر سے واپسی کے موقعے پر آپ ﷺ کو ان کی وفات کی خبر ملی۔ بلاذری کے مطابق اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

> "آپ ﷺ ان کیلئے بطور حسن سلوک کپڑے وغیرہ بھیجا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کو ان کی وفات کی خبر ملی، اور آپ کی وفات رسول اللہ ﷺ کی خیبر سے واپسی کے موقعے پر سات ہجری میں ہوئی۔ وفات کی خبر پاکر آپ ﷺ نے ان کے صاحبزادے اور اپنے رضاعی بھائی مسروح کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ ان سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ آپ ﷺ نے پھر سوال کیا کہ کیا ان کا (اس کے علاوہ) کوئی قریبی رشتہ دار ہے؟ بتایا گیا کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا"۔ (53)

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے اور ان کی برابر خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔

---

(53) انساب الاشراف، ج1، ص96۔

صدیقی صاحب مرحوم لکھتے ہیں: "اس روایت میں ایک جہت یہ بھی ہے کہ مکی قرابت و قربت والے رسول اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ کے احوال، سیاسی سماجی واقعات اور ہر طرح کے معاملات سے برابر آگاہ کیا کرتے تھے۔"[54] ان میں آپ ﷺ کے کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خاص طور پر نمایاں ذکر آتا ہے۔

الغرض اس روایت سے آپ کا سن وفات سات ہجری معلوم ہوتا ہے اور بعض سیرت نگاروں نے آپ کے تذکرے کے ضمن میں جہاں آپ کی تاریخ وفات بیان کی ہے، وہیں سات ہجری کی تصریح بھی کی ہے۔[55] رضاعت نبوی کے وقت آپ کی عمر مبارک اگر کم از کم پندرہ سال بھی فرض کی جائے تو سات ہجری میں آپ کی عمر 75 سال بنتی ہے۔

---

(54) رضاعی مائیں، ص 71۔

(55) شرح الزرقانی علی المواہب، ج 1، ص 258۔

باب چہارم: حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

رسالت مآب ﷺ کی مستقل رضاعی ماں

تمہید

کتاب کے چوتھے باب کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ کیلئے مختص کیا گیا ہے۔ کتاب میں جن امہات الرسول ﷺ کا تذکرہ کیا جارہا ہے، ان کی واقعاتی ترتیب بھی یہی ہے جو کتاب میں اختیار کی گئی ہے۔ رضاعتِ نبوی کی اولیت کا شرف اگرچہ حضرت ثویبہ کو حاصل ہوا لیکن طویل اور مستقل رضاعت کا شرف، بغیر کسی اختلاف کے، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو ہی حاصل ہے۔ آپ ہی ہیں جو حقیقت میں رسول اکرم ﷺ کی اصل رضاعی ماں ہونے کا خاص درجہ رکھتی ہیں۔ سیرت طیبہ، حدیث مبارکہ کی کئی ایک روایات آپ کے اس عظیم شرف کو بیان کرتی ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ کو اس رضاعت پر بڑا فخر تھا، جس کی وضاحت ابن اسحاق کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں قریشی ہوں اور مجھے بنو سعد بن بکر کے قبیلے میں دودھ پلایا گیا، اس لئے میں تم میں سب سے زیادہ عربی زبان کا ماہر ہوں۔"(1) گویا رسول اللہ ﷺ کو حضرت حلیمہ کے قبیلہ بنو سعد میں رضاعت پر بالکل ایسے ہی ناز تھا جیسا کہ اپنے قریشی ہونے پر۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایاتِ سیرت میں مواد کم ملتا ہے جبکہ روایاتِ حدیث ان کے متعلق قدرے زیادہ ہیں دوسری طرف حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کتب سیرت میں خاص توجہ دی گئی ہے، بالخصوص زمانۂ رضاعت اور اس کے بعد کے حالات پر۔ ابتدائی حالات کم ملتے ہیں، اس کی اصل وجہ تو تحقیق طلب ہے البتہ تکوینی طور پر دونوں شخصیات کے تعارف کے معاملے میں ایک طرح کی کمی کو دوسرے پہلو نے پورا کر دیا ہے۔

حسبِ سابق اس باب میں بھی کوشش کی جائے گی کہ پھیلے ہوئے اور منتشر واقعات کو منظم و مرتب انداز میں مختلف عنوانات کے تحت پیش کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ روایات کی چھان پھٹک کے بعد

---

(1) سیرۃ ابن ہشام، ج 1، ص 167۔

صرف ایسے واقعات اور روایات کو کتاب میں جگہ دی جائے جو قدیم اور معتبر ترین ماخذات میں دستیاب ہوں اور صحت کے زیادہ قریب ہوں، کیونکہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت کے ضمن میں اکثر مصادرِ سیرت کا زیادہ زور برکات نبوی اور معجزات کے بیان پر ہے اور اس ضمن میں بعض مبالغہ آمیز اور من گھڑت بیانات بھی کتبِ سیرت میں ملتے ہیں۔

رضاعت اور عرب سماج

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ شروع کرنے سے پہلے اس بات کی مختصر وضاحت ضروری ہے کہ آخر کیوں ایک معصوم جان کو پیدائش کے کچھ دن بعد ہی کسی اجنبی عورت کے حوالے کر دیا جاتا تھا اور اُسے اس کی حقیقی ماں سے کیسے دور کر دیا جاتا تھا جس سے بڑھ کر بچے کا نہ تو کوئی خیال رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس جیسی محبت اسے کوئی دے سکتا ہے، خاص طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں تو یہ سوال اور بھی شدت اختیار کر لیتا ہے کہ کیسے ایک بیوہ عورت، جس کا شوہر شادی کے کچھ ہی دنوں بعد اسے چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو جاتا ہے اور دوران حمل اُس کا انتقال بھی ہو جاتا ہے، ایسی بیوہ اور بے سہارا عورت سے بھی اس کے اکلوتے یتیم بچے کو دور کر دیا جاتا ہے اور اپنے وطن سے بہت دور ایک اجنبی عورت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے؟ بظاہر ماں اور بچے دونوں کے ساتھ یہ ایک ناروا سلوک معلوم ہوتا ہے۔

اس پیچیدہ صورت حال کو سمجھنے اور اوران سوالات کا جواب جاننے کیلئے سب سے آسان اور قابل اطمینان جواب اور حل یہی ہے کہ یہ تمام سوالات اس معاشرے میں جنم لیتے ہیں جس میں ہم جی رہے ہیں یا ہر اس معاشرے میں جنم لے سکتے ہیں جہاں اس طرح کی رضاعت کا رواج نہ ہو۔ دنیا میں بسنے والے انسانوں میں سماجی و معاشرتی رسم و رواج اور اخلاق و اقدار کا فرق ایک حقیقت ہے اور ہمارے اس زمانے میں جبکہ دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود سمٹ کر ایک گاؤں کی مانند ہو چکی ہے، اس فرق کا جاننا اور سمجھنا چنداں مشکل نہیں رہا۔ لہٰذا یہ کہنا کافی ہو گا کہ چونکہ عرب معاشرے میں مختلف وجوہ کی بنا پر اور مختلف اعلیٰ مقاصد کے حصول کی غرض سے رضاعت رواج پا چکی تھی، اس لئے اس سماج کی کسی روایت کو لے کر اپنے سماج کے مطابق اس پر سوال کرنا سرے سے درست ہی نہیں۔ یہ سماجی حقیقت مختلف سیرتی و تاریخی روایات سے بلاشک و شبہ ثابت ہے۔

عرب سماج میں مروجہ "رضاعت" کے اسباب و محرکات

جاہلی عرب معاشرے میں یہ رواج عام تھا کہ کسی بھی بچے کی ولادت کے بعد، خواہ وہ بیٹا ہو یا بیٹی، اسے محض چند دن ماں کے پاس رکھ کر اس کا دودھ پلایا جاتا اور اس دوران اس کیلئے کسی پیشہ ور دودھ پلانے والی خاتون یعنی "مرضعہ" کی تلاش شروع کر دی جاتی، اور یہ ذمہ داری بچے کے باپ پر ہوتی تھی۔ جیسے ہی

کسی ایسی خاتون کا بندوبست ہو جاتا، بچے کو اس کے حوالے کر دیا جاتا۔ عام طور پر ایسی عورتوں کا انتخاب کیا جاتا جو شہری آبادی کے بجائے دیہات کی رہنے والی ہوں مگر ایسی خواتین بھی مل جاتی تھیں جو شہر میں رہ کر ہی بچے کو دودھ پلائیں۔ ماں کے علاوہ کسی اور "مرضعہ" کے انتخاب میں کئی مقاصد ہو سکتے ہیں جن میں سے چند ایک کتب سیرت میں بھی بیان کئے گئے ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

1- ایک وجہ امام سہیلی نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کا مقصد ہوتا تھا "بچے کی ماں کو شوہر کی خدمت کیلئے فارغ کرنا،"[1] کیونکہ ولادت سے پہلے تقریباً نو ماہ کا ایک طویل عرصہ عورت پر ایسا گزرتا ہے جس میں اس کی جسمانی صحت معمول کے مطابق نہیں رہتی اور اسی وجہ سے شوہر کے حقوق کی ادائیگی اور گھر کے کام کاج بھی عورت کیلئے اس طرح سے ممکن نہیں رہتے جیسا کہ زمانۂ صحت میں وہ کر سکتی ہے۔ اب اگر پیدائش کے بعد بچے کو دودھ پلانے اور اس کی پرورش کی ذمہ داری بھی اسی پر ڈال دی جائے تو ذکر کردہ مقصد حاصل نہیں ہو پائے گا۔ یہ ایک عام وجہ تو ہو سکتی ہے مگر خاص رسول اللہ ﷺ کے معاملے سے اس کا کچھ تعلق نہیں کیونکہ آپ ﷺ کے والد، حضرت سیدہ آمنہ کے شوہر اس مرحلے سے قبل ہی وفات پا چکے تھے۔

2- دیہات میں رضاعت کا دوسرا سبب بچے کو خالص عربی زبان سے روشناس کروانا ہوتا تھا، تاکہ بچے دیہات کے خالص ماحول میں رہ کر خالص عربی زبان کی خصوصیات کو محفوظ رکھ سکیں اور عربوں میں یہ رواج برسوں تک محفوظ رہا، حتیٰ کہ بنو امیہ کے زمانے میں سلطنت اگرچہ بہت وسیع ہو گئی تھی اور انہوں نے شام کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا تھا، مگر ان کے بچے بدوؤں کے ساتھ دیہات میں پلتے تھے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ بنو امیہ میں سے ولید بن عبد الملک زبان کے لحاظ سے فصیح نہ تھا کیونکہ وہ دیہات میں پلا بڑھا نہیں تھا۔ اس کے والد عبد الملک بن مروان کہا کرتے تھے کہ میری ولید سے محبت کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ عربی زبان میں غلطیاں کرتا ہے، جبکہ اس کے بھائی سلیمان وغیرہ نے گاؤں میں پرورش پائی تھی وہ فصیح عربی زبان بولتے تھے۔[2]

---

(1) الروض الانف، ج2، ص105۔

(2) ایضاً۔

3- تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ دیہاتی اور بدوی ماحول میں بچے کی نشوونما ایسی ہوتی ہے کہ اس کا جسم مضبوط ہوتا ہے کیونکہ ایک تو دیہات کا ماحول صاف ستھرا اور شہری آلائشوں سے پاک ہوتا ہے اور آبادی کی قلت کی وجہ سے وہاں وبائی امراض کم پھیلتے ہیں۔ چنانچہ خاص رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں یہ آخری وجہ زیادہ وضاحت کے ساتھ کتب سیرت میں ملتی ہے، کیونکہ دو سال کی رضاعت کے بعد جب حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو آپ ماں کے پاس واپس لے کر آئیں تو وبائی امراض ہی کے ڈر سے آپ کو دوبارہ واپس لے گئیں اور معمول سے ہٹ کر مزید دو سال سے زیادہ عرصہ انہیں اپنے پاس رکھا۔[3]

چنانچہ اسی سماجی روایت اور دستور کے مطابق سال میں دو مرتبہ دیہات کی خواتین شہر آیا کرتی تھیں اور شہر کے لوگ اپنے شیر خوار بچے ان کے حوالے کر دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں

عرب کے اسی دستور کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو ولادت کے بعد چند دن تک آپ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا اور پھر حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے۔ اسی عرصے میں قبیلہ بنو سعد کی خواتین رضاعت کیلئے بچوں کی تلاش میں مکہ مکرمہ آئیں، ان میں حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ آپ کو "سعدیہ" اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کا تعلق قبیلہ بنو سعد سے تھا، گویا آپ کا اصل نام حلیمہ تھا جبکہ "سعدیہ" محض نسبت ہے قبیلے کی طرف۔ اس کی وضاحت آئندہ آئے گی۔ بہر حال، بنو سعد کی تمام خواتین کو مختلف گھرانوں سے بچے مل گئے مگر حضرت حلیمہ کو کوئی بچہ نہ مل سکا۔ آپ ﷺ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ یتیم ہیں اس لئے سوچا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی؟ کیونکہ جیسا اعزاز و اکرام بچے کے والد کی طرف سے ملنے کی امید تھی، ایسی امید کسی اور سے نہیں کی جاسکتی تھی۔

بالآخر جب قبیلے کی عورتوں کی واپسی کا وقت آیا تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو خیال آیا کہ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کہ اس یتیم بچے کو لے جائیں، چنانچہ انہوں نے اپنے شوہر سے بات کی کہ مجھے خالی ہاتھ جانے سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس یتیم بچے کو لے لیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں اس بچے کو لینے میں کوئی

---

(3) اس کی تفصیل آئندہ باحوالہ ذکر کی جائے گی۔

حرج نہیں، آپ کی اگر یہ رائے ہے تو مجھے آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی بچے میں ہمارے لئے برکت رکھی ہو، چنانچہ میں گئی اور میں نے اس بچے کو لے لیا۔

سیرت حلبیہ میں علامہ حلبی نے لکھا ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا دونوں مرتبہ خود گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لینا شوہر کے ساتھ مشورے کے بعد ان کا اپنا فیصلہ تھا اور انہوں نے خود جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ سے لیا، جبکہ دوسری بعض روایات بظاہر اس کے مخالف ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبد المطلب کے کہنے پر حضرت حلیمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا۔ چنانچہ شفاء الصدور کی روایت کے مطابق اس واقعے کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مرضعات کی تلاش میں تھے اور انہوں نے بنو سعد کی دیگر خواتین کو بھی اپنے پوتے کی رضاعت کا کہا مگر کوئی عورت اس کیلئے تیار نہ ہوئی، حتیٰ کہ حضرت حلیمہ سے ملاقات ہوئی، چنانچہ حضرت حلیمہ خود بیان کرتی ہیں: "مجھے عبد المطلب ملے اور پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ میں بنو سعد کی ایک عورت ہوں۔ اس پر انہوں نے میرا نام پوچھا تو میں نے کہا حلیمہ۔ عبد المطلب مسکرا دیئے اور فرمایا کیا خوب! کیا خوب! سعد اور حلم (یعنی سعادت مندی اور بردباری) دو ایسی صفات ہیں جن میں سارے زمانے کی خیر جمع ہے اور ہمیشہ کی عزت بھی۔ پھر وہ گویا ہوئے کہ اے حلیمہ! میرے پاس ایک یتیم بچہ ہے، میں نے اسے بنو سعد کی خواتین کے سامنے پیش کیا مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا؛ اور کہا کہ یتیم کے ہاں سے ہمیں کسی اچھے صلے کی امید نہیں۔ ہم تو بچوں کے باپوں سے اچھے اعزاز واکرام کی امید رکھتی ہیں۔ تو کیا تم ایسے بچے کو دودھ پلانے کیلئے تیار ہو؟ مجھے امید ہے کہ تم اس بچے کو لے کر بڑے بخت والی ہو جاؤ گی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے شوہر سے مشورہ کرلوں، پس میں اپنے شوہر کے پاس آئی اور اس سارے معاملے کو ان کے سامنے رکھا۔ گویا اللہ نے ان کے دل میں خوشی اور مسرت ڈال دی اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہاں! اس بچے کو لے لو۔ اس کے بعد میں عبد المطلب کے پاس واپس آئی تو وہ میرے انتظار میں تھے، تو میں نے اُن سے کہا کہ بچے کو لے آیئے، اس پر ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔[4]

---

(4) السیرۃ الحلبیۃ، ج 1، ص 131۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی واقعہ رضاعت کا بیان آئندہ تفصیل سے آئے گا۔ کتب سیرت میں مختلف اسناد کے ساتھ اس واقعے کو نقل کیا گیا ہے اور تمام اسناد کے ملانے سے مجموعی طور پر اس کی صحت و ثبوت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ واقعے کے ذکر کردہ حصے سے حضرت حلیمہ کے رسول اللہ ﷺ کو بطور رضاعت لینے کے دو پہلو سامنے آتے ہیں: ایک تو یہ کہ انہوں نے آپ ﷺ کو از خود اپنے شوہر سے مشورے کے بعد لیا؛ اور دوسرے یہ کہ حضرت عبد المطلب کے کہنے اور ان کی اس درخواست پر لیا۔

پروفیسر یاسین مظہر صدیقی صاحب مرحوم نے روایات کے اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت حلیمہ نے بہ امر مجبوری رسول اللہ ﷺ کو نہیں لیا بلکہ حضرت عبد المطلب کے کہنے پر بخوشی آپ ﷺ کو قبول کیا، کیونکہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ یتیم تھے مگر آپ کی خاندانی وجاہت اور بڑے خاندان سے ہونا نیز خاندان کا صاحب حیثیت ہونا ایسی چیزیں تھیں جن سے اہل مکہ بخوبی واقف تھے، اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ آپ ﷺ کو یتیم سمجھ کر خواتین نے نہیں لیا کہ یتیم کے ہاں سے صلہ نہیں ملے گا۔ (5)

ہمارے خیال میں دونوں طرح کی روایات کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے مگر ضروری نہیں۔ صدیقی صاحب مرحوم کے ہاں اس طرح کے نتائج بہت کثرت ہے مگر ان کیلئے جو بنیاد وہ فراہم کرتے ہیں وہ بہت مرتبہ تکلف سے خالی نہیں ہوتی۔ ذکر کردہ دونوں قسم کی روایات میں آپ ﷺ کی یتیمی برابر زیر بحث آئی ہے اور حضرت عبد المطلب نے خود حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ میرا پوتا یتیم ہے، اس کے باوجود انہیں کسی بڑے مالی صلے کی امید نہیں دلائی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی سعادت مندی کی امید دلانے کے باوجود بھی حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے شوہر سے مشورہ طلب کیا، لہٰذا اختلاف روایات کا مفاد اور نتیجہ فقط اتنا ہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا اور اس سے وہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں جو صدیقی صاحب مرحوم نے نکالا ہے۔

---

(5) رضاعی مائیں، ص 93، 94۔

حضرت حلیمہ کا نام و نسب

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے برعکس، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اوران کے خاندان کے بارے میں خاصی معلومات کتب سیرت میں دستیاب ہیں۔ اس کی ظاہری وجہ اُن کی خاندانی شرافت اور شخصی عظمت ہے، کیونکہ آپ کا تعلق قبیلہ ہوازن سے تھا۔ ہوازن کی ایک شاخ ثقیف تھی، قبیلہ ہوازن قریش کے ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اپنے اصلی نام کے ساتھ ہی معروف ہیں "سعدیہ" کی نسبت ان کے قبیلہ بنوسعد کی وجہ سے ہے جیسا کہ ماقبل میں لکھا گیا۔ بنوسعد کا تعلق بھی قبیلہ ہوازن سے تھا اور یہ قبیلہ مکہ کے قریب طائف کے مشہور علاقہ کے قرب وجواب میں آباد تھا۔

آپ کے والد کا نام بقول بعض عبد اللہ تھا اور بقول بعض عبد العزی تھا، کنیت ابوذؤیب تھی اور وہ نام کے بجائے اپنی کنیت سے مشہور تھے، اسی وجہ سے حلیمہ بنت ابی ذؤیب ہی کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے مکمل نسب یوں بیان کیا ہے: ابوذؤیب عبد اللہ بن جابر بن رزام بن ناصرۃ بن فصیۃ بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفۃ بن قیس بن عیلان۔ (6)

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر–جو رضاعت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والد بھی بنے اور ان کا اسلام لانا بھی بعض روایات سے ثابت ہے–اُن کا تعلق بھی قبیلۂ ہوازن ہی سے تھا۔ ان کا نسب ابن اسحاق نے اس طرح ذکر کیا ہے: حارث بن عبد العزی بن رفاعہ ابن ملان بن نصارۃ بن فصیۃ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن۔ (7)

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا خاندان

حضرت حلیمہ کے خاندان میں جن افراد کا تذکرہ ملتا ہے ان میں آپ کے شوہر اور بعض بچوں کا تذکرہ شامل ہے۔ تقریباً تمام کتب سیرت میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ جب حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا رضاعی بچوں کی تلاش میں مکہ مکرمہ تشریف لائیں تو ان کے ساتھ ایک شیر خوار بچہ بھی تھا، اسی لئے کتب سیرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان رضاعی بہن بھائیوں کا ذکر ملتا ہے جو حضرت حلیمہ کے رشتے سے آپ کے رضاعی

---

(6) سیرۃ ابن ہشام، ج 1، ص 160۔

(7) سیرۃ ابن ہشام، ج 1، ص 161۔

بہن بھائی بنے تھے۔ عام طور پر ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ رضاعی بھائی کا نام عبداللہ تھا اور بہنوں میں انیسہ اور حذافہ شامل تھیں جن کا لقب شیماء تھا۔

حضرت حلیمہ کی اولاد کے حوالے سے زیادہ تفصیلات میسر نہیں۔ رضاعی بھائی عبداللہ تو آپ کے ہم عمر تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی انہوں نے دودھ پیا۔ حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کے ان کی گود میں آنے سے پہلے انہیں پیٹ بھر کر دودھ نہیں ملتا تھا اور وہ بھوک کی وجہ سے رویا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے آنے کے بعد وہ بھی پیٹ بھر کر دودھ پینے لگے۔ رسول اللہ ﷺ ایک جانب سے ہی دودھ پیا کرتے اور اپنے بھائی کیلئے اس کا حصہ چھوڑ دیتے۔ حضرت شیماء آپ سے عمر میں بڑی تھیں۔ بوقتِ رضاعت ان کی عمر سات آٹھ سال رہی ہوگی کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ وہ آپ کو گود کھلایا کرتی تھیں اور والدہ کی غیر موجودگی میں آپ کا خیال رکھتی تھیں، جبکہ انیسہ کے بارے میں کوئی تفصیلات نہیں ملتیں۔

بعض روایات سے عبداللہ اور شیماء کا بعثت کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت شیماء کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔ حضرت عبداللہ کے بارے میں حافظ ابن حجر نے ابن سعد کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ بعثت کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ سے دریافت کیا کہ کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں قیامت کے دن تمہارا ہاتھ تھام لوں گا اور میں تمہیں ضرور پہچان لوں گا۔ حضرت عبداللہ اس واقعے کو یاد کر کے رویا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ نبی ﷺ قیامت کے دن میرا ہاتھ تھام لیں گے۔ اسی طرح کا واقعہ حضرت عبداللہ کے والد حارث کے بارے میں بھی آتا ہے (جیسا کہ آگے آئے گا)۔ حضرت عبداللہ کے والد رسول اللہ کے بھی رضاعی والد ہوئے، ابن حجر کا خیال یہ ہے کہ ممکن ہے یہ واقعہ باپ بیٹے، دونوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔[8]

حضرت حلیمہ ایک پیشہ ور مرضعہ تھیں جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان کی اور اولاد بھی ہوگی۔ اگر صرف تین بچوں کی تعداد کو مستقل اور حتمی سمجھ لیا جائے تو ان کی مدت رضاعت بہت مختصر

---

(8) الاصابہ، ج1، ص676-677۔

ہو جائے گی، خاص طور پر اس وقت جب یہ ثابت ہے کہ رسول ﷺ کے علاوہ بھی قریش کے بعض بچوں کو آپ نے دودھ پلایا تھا۔[9]

آپ کے شوہر کا نسب اوپر بیان کیا گیا ہے، ان کی کنیت "ابو کبشہ" تھی۔ چونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی والد تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ کو قریش "ابن ابی کبشہ" بھی کہا کرتے تھے، یعنی ابو کبشہ کا بیٹا۔[10] ابن مندہ اور ابو نعیم وغیرہ نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ابن اثیر اور ابن حجر نے آپ کے اسلام کا قصہ نقل کیا ہے، جو درج ذیل ہے:

> "حارث بن عبد العزی آپ ﷺ کے رضاعی والد مکہ مکرمہ تشریف لائے تو قریش نے انہیں کہا کہ کیا آپ نے سنا ہے کہ آپ کا بیٹا کیا کہتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کیا کہتا ہے؟ قریش نے کہا کہ اس کا خیال یہ ہے کہ اللہ موت کے بعد لوگوں کو پھر زندہ کرے گا، اور یہ کہ لوگوں کے دو طرح کے ٹھکانے ہوں گے: نافرمانوں کو ان میں سے ایک میں سزا دی جائے گی اور اطاعت کرنے والوں کا اعزاز و اکرام کیا جائے گا، اور اس نے ہمارے درمیان اختلاف ڈال دیا ہے اور ہمیں منتشر کر دیا ہے۔ یہ سب سن کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے میرے بیٹے! تجھے کیا ہوا؟ اور تیری قوم تیری شکایت کرتی ہے اور کہتی ہے کہ تو کہتا ہے کہ لوگ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور پھر کچھ جنت میں ہوں گے اور کچھ جہنم میں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں میں یہ کہتا ہوں اور میں اس کا یقین رکھتا ہوں۔ وہ دن ضرور ہو گا اور اے میرے والد! میں اس دن آپ کو ہاتھ سے پکڑ لوں گا اور آج جو بات آپ نے کی آپ کو یاد دلاؤں گا، اس پر حضرت حارث مسلمان ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان بنے۔[11]

---

(9) ان بچوں میں آپ ﷺ کے بڑے چچا کے بیٹے ابو سفیان بن حارث بھی شامل ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

(10) المواہب، ج 1، ص 523۔

(11) اسد الغابہ ج 1، ص 621، الاصابہ، ج 1، ص 676۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آپ کے رضاعی والد، والدہ اور بھائی کی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری اور آپ ﷺ کا ان کیلئے اپنا کپڑا بچھانے کی روایت بھی اس ضمن میں نقل کی ہے جو دراصل سنن ابوداؤد میں آئی ہے جنہوں نے اس روایت کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کے ضمن میں نقل کیا ہے۔ اس روایت کا ذکر آئندہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تعلق کے ضمن میں نقل کیا جائے گا۔

قصہ رضاعت بزبانِ مرضعہ

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی رضاعتِ نبوی کے سلسلے میں سب سے بنیادی اور مفصل ترین روایت خود حضرت حلیمہ ہی کی ہے۔ اسی روایت میں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا خود تفصیل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رضاعت کے واقعے کو بیان فرماتی ہیں اور اس ضمن میں ان غیر معمولی واقعات کا بھی تذکرہ فرماتی ہیں جن کا اس دوران انہوں نے مشاہدہ فرمایا۔

ابن اسحاق نے بنیادی طور پر اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس میں زیادہ تر ایسی چیزوں کا تذکرہ ہے جو غیر معمولی اور خلافِ عادت ہیں؛ اور عام طور پر ان کا تعلق معجزات و کرامات کے باب سے ہے۔ اسی لئے ابن اسحاق کی اتباع میں سیرت نگاروں کے ہاں حضرت حلیمہ کے تذکرے کے ضمن میں زیادہ زور اُن کرامات کے بیان پر ہے۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی یہ روایت آئی ہے مختلف سیرت نگاروں نے مختلف طریق سے اس روایت کو کمی بیشی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ روایت نہایت فصیح زبان میں ہے جس سے بنو سعد کی زباندانی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ابن اسحاق کے ہاں بیان کردہ روایت درج ذیل ہے:

> "حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ میں اپنے علاقے سے اپنے شوہر اور ایک چھوٹے بچے کے ساتھ قبیلہ کی دیگر خواتین کے ہمراہ شیر خوار بچوں کی تلاش میں نکلی، ایک ایسے سال میں جو نہایت خشک سالی کا سال تھا۔ ہمارے ساتھ سواری کیلئے ہماری ایک لاغر سفید رنگ کی گدھی تھی اور ایک بوڑھی اونٹنی۔ ہم روانگی کی رات اپنے بچے کے بھوک سے رونے کی وجہ سے سو نہ سکے تھے کیونکہ میرے پستانوں میں اتنا دودھ نہیں تھا جو بچے کیلئے کافی ہوتا اور نہ ہی اونٹنی کے تھنوں میں اتنا تھا کہ اسے پلا سکیں۔ ہم مکہ پہنچے، ہم میں سے ہر عورت پر رسول اللہ ﷺ کو پیش کی گیا

مگر جب اسے بتایا جاتا کہ وہ یتیم ہیں تو وہ انہیں چھوڑ دیتی، اس خیال سے کہ اس کی ماں ہمیں کیا صلہ دے گی، ہم تو بچے کے باپ سے اعزاز واکرام کی امید لگایا کرتی تھیں۔ خدا کی قسم میرے ساتھ آنے والی تمام عورتوں نے بچے حاصل کر لئے سوائے میرے۔ مجھے جب کوئی اور بچہ نہ ملا تو میں نے اپنے شوہر حارث سے بات کی کہ خدا کی قسم میں اسے ناپسند کرتی ہوں کہ میں اس حالت میں لوٹوں کہ میرے پاس کوئی بچہ نہ ہو۔ میں اس یتیم بچے کے پاس ضرور جاؤں گی اور اسے لے لوں گی، تو حارث نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ میں گئی اور اس یتیم بچے کو لے لیا۔

میں اسے لا کر ابھی اپنے کجاوے میں پہنچی ہی تھی کہ میں نے اسے دودھ پلایا اور اس نے جتنا چاہا پی لیا، حتیٰ کہ سیر ہو گیا۔ پھر اس کے بھائی نے پیا اور وہ بھی سیر ہو گیا۔ میرے شوہر اونٹنی کے پاس گئے تو اس کے تھن بھی دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسے دوہا اور ہم دونوں نے دودھ خوب سیر ہو کر پیا، اور ہم نے بہترین رات گزاری۔ میرے شوہر نے مجھے کہا کہ خدا کی قسم حلیمہ (یہ) بڑا مبارک بچہ لیا ہے، اس کو لیتے ہی ہم نے کس قدر آرام دہ اور خوشگوار رات گزاری ہے۔ پھر اللہ ہمیں ہمیشہ بھلائی اور خیر و برکت کے لحاظ سے زیادہ کرتا رہا یہاں تک کہ ہم اپنے علاقوں کی طرف لوٹنے کیلئے (مکہ مکرمہ) سے روانہ ہوئے۔ خدا کی قسم میری اس (لاغر) گدھی نے تمام قافلے کو پیچھے چھوڑ دیا، یہاں تک کہ کوئی گدھا بھی اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا، یہاں تک کہ میری شریک سفر خواتین مجھ سے کہنے لگیں: اے ابوذؤیب کی بیٹی! ارے یہ کیا؟ کیا یہ تیری وہی گدھی نہیں جس پر تو ہمارے ساتھ (اپنے شہر سے سوار ہو کر) آئی تھی؟ میں نے کہا ہاں! خدا کی قسم! یہ یقیناً وہی گدھی ہے۔ وہ کہتیں کہ بخدا اس کا کوئی خاص معاملہ ہے یہاں تک کہ ہم بنو سعد کی سرزمین پر واپس لوٹ آئے۔

مجھے معلوم نہیں کہ خدا کی زمین میں ہمارے علاقے سے بڑھ کر بھی کوئی خطہ زیادہ قحط زدہ تھا۔ اس کے باوجود میری بکریاں پیٹ بھری ہوئی اور دودھ سے بھرے تھن لے کر لوٹتیں، ہم جتنا چاہتے دودھ دوہ لیتے اور ہمارے ارد گرد

لوگوں کی بکریوں کے تھنوں میں ایک قطرہ دودھ کا نہ ملتا، اوران کی بکریاں شام کو بھوکی لوٹتیں، یہاں تک کہ وہ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ تمہارا ناس ہو! جانوروں کو وہاں چرایا کروں جہاں ابوذؤیب کی بیٹی کے چرواہے چراتے ہیں، چنانچہ ان کے چرواہے وہیں پر اپنی بکریاں چراتے جہاں میری بکریاں چرتی تھیں مگر پھر بھی ان کی بکریاں بھوکی لوٹتیں اورایک قطرہ دودھ نہ دیتیں اور میری بکریاں پیٹ بھر کر لوٹتیں اور خوب دودھ دیتیں۔

اسی طرح اللہ ہمیں اس بچے کی برکات دکھاتا رہا، یہاں تک کہ وہ اپنی دوسال کی مقررہ مدت کو پہنچ گیااور میں نے اسے دودھ چھڑا دیا۔ یہ بچہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس طرح نشوونما پارہا تھا کہ دوسال پورے ہوتے ہوتے وہ ایک بھرپور لڑکا معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کے بعد ہم اسے اُس کی ماں کے پاس لے آئے لیکن ہم اس کی جو برکات مشاہدہ کرتے آئے تھے ان کی وجہ سے ہماری انتہائی خواہش یہی تھی کہ وہ ہمارے پاس رہے۔ چنانچہ ہم نے اس کی ماں سے بات کرنے کا سوچا اور میں نے ان سے کہا: کیوں نہ آپ اپنے بچے کو میرے پاس رہنے دیں کہ ذرا مضبوط ہو جائے، کیونکہ مجھے اس کے متعلق مکہ کی وباء کا خدشہ ہے۔ غرض ہمارے مسلسل اصرار پر انہوں نے بچہ ہمیں لوٹا دیا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم پھر اس بچے کو لے کر واپس لوٹے۔ ہمیں واپس لوٹے ہوئے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے؛ وہ اپنے (رضاعی) بھائی (عبد اللہ) کے ساتھ ہمارے گھروں کی پچھلی جانب بکریوں کے چھوٹے بچوں کے ساتھ تھا کہ اچانک اس کا بھائی دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیااور مجھے اوراپنے باپ سے کہنے لگا کہ میرے قریشی بھائی کو دو سفید لباس پہنے آدمیوں نے پکڑ کر لٹا لیا ہے اورانہوں نے اس کا پیٹ چاک کیا ہے اوراپنے ہاتھ اس کے پیٹ میں داخل کر رہے ہیں۔[12]

---

(12) ابن ہشام، ج1، ص162-163۔

اسی روایت کو ابن حبان اپنی صحیح[13] میں اور طبرانی نے معجم کبیر[14] میں ابن اسحاق ہی کی روایت سے لائے ہیں۔ اسی طرح دیگر حدیثی ماخذات میں بھی اس کی تخریج کی گئی ہے لیکن ہر جگہ ابن اسحاق ہی کے واسطے سے۔ صرف بلاذری نے اس کو "قالوا" کے ساتھ بیان کیا ہے،[15] یعنی روایت کرنے والے کہتے ہیں۔ اس سے صدیقی صاحب مرحوم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ روایت ابن اسحاق کے علاوہ دیگر رواۃ کے ذریعہ بھی آئی ہے، مگر یہ محض اندازہ ہی ہے؛ ہمیں تلاش بسیار کے باوجود کسی اور ذریعے اور واسطے سے یہ روایت نہیں مل سکی۔

اس روایت میں اوّل تا آخر ان تمام برکات کا تذکرہ جو حضرت حلیمہ نے زمانۂ رضاعت میں مشاہدہ کیں، اور آخر پر واقعۂ "شق صدر" کا بھی تذکرہ ہے جو دیگر صحیح روایات سے بھی ثابت ہے۔ شق صدر (یعنی رسول اللہ ﷺ کے سینۂ مبارک کے چاک کئے جانے) کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا۔ معجزات نبوی میں یہ معرکۃ الآراء مسئلہ رہا ہے اور علماء نے اس پر مستقل تصانیف بھی فرمائی ہیں۔ اردو کتب سیرت میں مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے اس پر روایتی و درایتی ہر دو لحاظ سے مفصل بحث کی ہے اور اس پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔[16]

یہی وہ بنیادی روایت ہے جس نے کتب سیرت میں یہ طرح ڈالی کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے تذکرے میں انہی برکاتِ نبوی اور معجزات کا تذکرہ کیا جائے جو انہوں نے مشاہدہ فرمائیں۔ پھر سیرت نگاروں نے اس ضمن میں بہت سی کمزور اور من گھڑت روایات بھی جمع کر دی ہیں، جن کی وجہ سے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی اپنی شخصیت اور ان کے ذاتی اوصاف و کمالات اسی طرح سے اجاگر نہیں ہو سکے جیسا کہ ہونے چاہئے تھے۔ ایسی روایات کی کثرت کو دیکھتے ہوئے ان کے بارے میں دو طرح کی آراء دو مختلف طبقات سے پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو خوش گمانی و عقیدت پرستی میں اس قدر بہہ گیا ہے کہ اس نے رطب و یابس سب کچھ اپنے ہاں جمع کر دیا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو خالص اہل عقل کا ہے جو ان برکات و معجزات کا سرے سے قائل ہی

---

(13) صحیح ابن حبان، ج14، ص243، حدیث 6335۔

(14) المعجم الکبیر، ج24، ص212، حدیث 545۔

(15) انساب الاشراف، ج1، ص93۔

(16) سیرت مصطفیٰ، ج1، ص73 تا 80۔

نہیں، ان کے خیال میں ان چیزوں کا انسانی عملی زندگی سے کوئی تعلق ہی نہیں لہٰذا ان کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ اسی لئے وہ حضرات ایسی روایات کا یا تو سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے، اور اگر کرتے بھی ہیں تو بہت مختصر اور محدود؛ اور زیادہ تر تو انکار ہی کر دیتے ہیں۔

اس معاملے میں معتدل اور صحیح طریقہ مطالعہ اور انداز تالیف سیرت کے معاملہ میں یہی ہے کہ عملی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ برکات و معجزات کے اس حصے کو ضرور بیان کیا جائے جو صحیح اور قابل اعتبار روایات سے ثابت ہے کیونکہ نبی ﷺ کی سیرت طیبہ ان دونوں پہلوؤں کی جامع ہے۔ معجزات و برکات نبوی کا ظہور ان کی تمام زندگی میں اس کثرت سے ہوتا رہا کہ وہ ایک مسلمہ حقیقت بن چکے ہیں، جس کا انکار ممکن نہیں۔ صحیح اور ثابت چیزوں کا انکار انسان کو نہ صرف گمراہی بلکہ بسا اوقات کفر تک لے جاتا ہے۔ اس طرح کی تمام چیزیں ہماری موٹی عقل میں آئیں یا نہ آئیں، انہیں ماننا ہمارے ایمان کا تقاضا ہے، انہیں سمجھنے کیلئے چشم بینا سے زیادہ قلب مؤمن کی ضرورت ہے۔

برکاتِ رضاعت کے حوالے سے مذکورہ روایت کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے صدیقی صاحب مرحوم نے انہیں مختلف جہات میں تقسیم کیا ہے[17] جس کا ماحصل یہ ہے کہ بعض برکات کا تعلق حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی ذات سے ہے، جیسا کہ پہلی مرتبہ ہی کی رضاعت سے چھاتیوں میں دودھ کا اس کثرت سے آنا کہ دونوں بھائیوں نے خوب سیر ہو کر پیا جبکہ اس سے پہلے اتنا دودھ بھی میسر نہیں تھا کہ ایک بچے کا پیٹ بھر سکے۔ دوسری قسم کی برکات کا تعلق حضرت حلیمہ کے مال مویشیوں سے ہے کہ ان کی بوڑھی اونٹنی جو دودھ کا ایک قطرہ تک نہ دیتی تھی، وہ رضاعت کے پہلے دن ہی اس قدر دودھ دینے لگی کہ دونوں میاں بیوی نے اسے خوب سیر ہو کر پیا۔ اسی طرح لاغر گدھی جو اپنی کمزوری اور سست رفتاری کی وجہ سے سارے قافلے کیلئے مصیبت بن گئی تھی، اس نے واپسی پر تمام قافلے کو اپنی تیز رفتاری کے سبب پیچھے چھوڑ دیا جس پر سب قافلے والے حیران تھے۔ مزید برآں، بنو سعد میں واپسی پر بکریوں کے حوالے سے برکات کا مشاہدہ بھی حضرت حلیمہ نے کیا جسے دیکھ کر سب اہل علاقہ حیرت زدہ رہتے تھے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان برکات نبوی سے دیگر اہل علاقہ اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جانے والے لوگ کیوں محروم رہے؟ اگر یہ ذاتِ نبوی کی برکات تھیں تو ان سے سب کو مستفید ہونا

---

(17) رضاعی مائیں، ص 105 ومابعد۔

چاہئے تھا! اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً یہ ذاتِ نبوی کی برکات تھیں مگر اس کے ساتھ ساتھ ان میں رضاعتِ نبوی کی بھی کار فرمائی تھی۔ چونکہ بنو سعد کی خواتین نے رسول اللہ کو یتیم خیال کر کے چھوڑ دیا تھا اور آپ سے اعراض کیا تھا اس لئے گویا انہوں نے یہ محرومی خود اپنے ہاتھوں سے کمائی تھی۔

روایت مذکورہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تک بنو سعد میں رہے، حضرت حلیمہ اور ان کا خاندان مسلسل ان برکات کا مشاہدہ کرتا رہا اور ان سے مستفید ہوتا رہا، دو سال کی مدت رضاعت مکمل ہونے کے بعد جب بوجوہ آپ ﷺ چند سال مزید اپنی رضاعی ماں کے ہاں رہے تب بھی ان برکات کا ظہور ہوتا رہا۔ اس طرح کل مدت تقریباً پانچ سے چھ سال بنتی ہے۔ صدیقی صاحب مرحوم کا خیال یہ ہے کہ روایات میں "مذکور تو نہیں مگر ان کے بین السطور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کا خاندان بعد میں بھی ان برکات نبوی سے برابر مستفید ہوتا رہا، اگرچہ ان کی نوعیت اب دوسری تھی، لیکن نوعیت کے فرق سے کیا فرق پڑتا ہے۔"(18)

ان روایاتِ برکت کو منطق و عقلیت کے مارے اہل قلم نے نظر انداز کرنے یا کم از کم ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کو شخصیت کے گرد تقدس کا ہالہ بننے سے تعبیر کیا ہے لیکن رسول اکرم ﷺ کی ولادت سے لے کر بعثت تک برکات الٰہی کا ظہور ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اس کی تصدیق و صراحت صحیح احادیث و صحیح روایات سے بھی ہوتی ہے، لہٰذا ان برکات کے ظہور کا انکار مشکل ہے، ورنہ تمام برکاتِ نبوی کے ظہور کا انکار کرنا پڑے گا، اور وہ ایک ثابت شدہ حقیقت کے انکار کے مترادف ہے۔

زمانۂ رضاعت کے دیگر واقعات

حضرت رسالت مآب ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جتنا عرصہ بھی قیام فرمایا، اس میں متعدد واقعات پیش آئے جنہیں کتب سیرت میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ ان واقعات کا تعلق اصلاً اگرچہ سیرت طیبہ سے ہے مگر اس لحاظ سے کہ یہ واقعات حضرت حلیمہ کے گھر میں رونما ہوئے اور خود انہوں نے یا ان کے خاندان کے بعض افراد نے ان کا مشاہدہ کیا، ان کا تعلق سیرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے بھی بنتا ہے۔

---

(18) رضاعی مائیں، ص 110۔

صدیقی صاحب مرحوم نے ایسے واقعات کی دو قسمیں کر دی ہیں:[19] ایک قسم کا تعلق خالص انسانی اور بشری دنیا سے ہے جہاں مختلف واقعات ظاہری اسباب کے تحت وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کی پرورش و پرداخت، کھیل کود، بکریاں چرانا وغیرہ شامل ہے۔ دوسری قسم کے واقعات کا تعلق تکوینی امور سے ہے۔ ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے میں ظاہری اسباب کا کوئی دخل نہیں۔ انسان انہیں ظاہر حواس اور عقل سے نہیں سمجھ سکتا، تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسے بہت سے عجیب و غریب واقعات پیش آتے رہے ہیں جن کی توجیہ عقلِ انسانی نہیں کر سکتی۔ ایسے واقعات ان کے ساتھ نبوت کے بعد تو پیش آتے ہیں ہیں، نبوت سے قبل بھی ان کا ظہور ہوتا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے اس حوالے سے بہت عمدہ جملہ تحریر فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

> "ہر شخص اس کو تسلیم کرے گا کہ ممتاز افراد کے سوانح زندگی میں شروع ہی سے ایسے آثار پائے جاتے ہیں جو ان کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہیں، جب ان ممتاز افرادِ انسانی کا یہ حال ہے جو خاندانوں، قوموں اور ملکوں کے صرف ظاہری رہنما اور رہبر ہوتے ہیں تو اس حیثیت سے ان برتر ہستیوں کی نسبت کیا شبہ ہو سکتا ہے جو قوموں کے روحانی پیشوا اور انسانیت کے حقیقی رہبر اور رہنما ہوتے ہیں۔"[20]

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے سیرت النبی کی تیسری جلد کا موضوع ہی انہی فضائل اور معجزات کو بنایا ہے۔ اس میں ایسے تمام غیر معمولی واقعات کو جو نبوت سے پہلے یا بعد میں پیش آئے، جمع کر دیا گیا ہے۔ اس جلد میں ایسی روایات کی استنادی حیثیت پر بھی بحث کی گئی ہے اور محدثانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فلسفہ قدیم و جدید اور علم کلام کی روشنی میں بھی ایسے واقعات کا عمدہ مطالعہ پیش کیا ہے۔

ان تمام واقعات میں سے جن کا تعلق حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے زمانۂ رضاعت یا اس کے بعد ان کے ہاں قیام نبوی کے زمانے سے ہے جو سیرت نگاروں کے اختلاف کے مطابق پانچ یا چھ سال کا زمانہ بنتا ہے، ان واقعات کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

---

(19) رضائی مائیں، ص113۔

(20) سیرت النبی، ج3، ص370۔

1- حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا جب دودھ چھڑانے کے بعد آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ واپس لا رہی تھیں تو حبشہ کے کچھ عیسائیوں نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ اور اسے خوب الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر کہنے لگے: ہم اس بچے کو اپنے ملک لے جائیں گے کیونکہ یہ ایسا بچہ ہے جس کی ایک بڑی شان ہو گی، ہم اس کے معاملے سے خوب واقف ہیں، حضرت حلیمہ آپ کو ان سے بچا کر بھاگ گئیں۔

2- امام کُلاعی نے امام واقدی کی روایت سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا جب آپ ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس سے لے کر چلیں تو ذوالمجاز کے بازار میں گئیں۔ آپ ﷺ ان کی گود میں ہی تھے، ہوازن کا ایک قیافہ شناس / کاہن (عراف) وہاں پر موجود تھا جس کے پاس لوگ بچے لا کر دکھاتے تھے اور وہ انہیں دیکھ کر ان کا حال بتاتا تھا۔ جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ کی آنکھوں کی سرخی اور مہر نبوت کو دیکھ کر چیخ پڑا۔ جب لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے تو اس نے کہا کہ اس بچے کو قتل کر ڈالو۔ حضرت حلیمہ آپ کو چپکے سے لے کر بھاگ گئیں۔ لوگ پوچھتے رہے کہ کس بچے کو، مگر آپ ﷺ انہیں نہ ملے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے تو اس نے کہا کہ تمہارے معبودوں کی قسم میں نے ایک بچے کو دیکھا ہے جو تمہارے بتوں کو توڑ دے گا اور اس کا معاملہ سب پر غالب آجائے گا۔ حضرت حلیمہ آپ ﷺ کو لے کر گھر پہنچ گئیں اور اس کے بعد آپ کو کسی کے سامنے نہیں جانے دیتی تھیں۔

3- اس واقعے کے بعد ایک دن حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے علاقے میں ایک قیافہ شناس آیا جو بچوں کو دیکھ رہا تھا۔ حضرت حلیمہ نے آپ ﷺ کو ان کے سامنے جانے سے روک دیا، اور اس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور اپنے پاس آنے کو کہا مگر آپ نے انکار فرما دیا۔ بہر حال، دور سے ہی دیکھ کر اس نے پیش گوئی کی کہ یہ بچہ نبی ہے۔

4- مکہ سے واپسی کے بعد حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو زیادہ دور نہیں جانے دیتی تھیں اور آنکھوں کے سامنے ہی رکھتی تھیں۔ ایک دن دوپہر کے وقت وہ ذرا غافل ہو گئیں تو آپ گھر سے باہر چلے گئے اور اپنی رضاعی بہن کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت حلیمہ آپ کو تلاش کرنے نکلیں تو آپ کو اپنی بہن کے پاس پایا تو کہنے لگی بیٹی اس شدید گرمی میں؟ (تم لوگ باہر ہو)، آپ ﷺ کی بہن نے

کہا کہ اے ماں میرے بھائی کو گرمی نہیں لگی، میں نے بادل کا ایک ٹکڑا دیکھا جو ان پر سایہ کئے ہوئے تھا، جب آپ چلتے تو وہ آپ کے ساتھ چلتا، جب یہ رکتے تو وہ بھی آپ کے ساتھ رک جاتا، یہاں تک کہ یہ میرے پاس اس جگہ پہنچ گئے۔

یہ تمام واقعات کلاعی نے واقدی کے واسطے سے نقل کئے ہیں۔[21] علامہ حلبی نے اپنی سیرت میں ان واقعات کے علاوہ کچھ دیگر واقعات بھی بیان فرمائے ہیں:

5- آپ ﷺ کے سامنے حضرت حلیمہ کی بکریوں کے سجدہ کرنے کے مختلف واقعات۔

6- حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پر روزانہ ایک ایسا نور اترتا تھا جس کی روشنی سورج کی روشنی کی مانند ہوتی تھی۔[22]

آپ ﷺ کیلئے جانوروں کا سجدہ کرنا نبوت کے بعد بھی بعض صحیح روایات سے ثابت ہے، اسی طرح جانوروں کا آپ ﷺ کی بات ماننا بھی صحیح روایات سے ثابت ہے۔ ان تمام واقعات کا تعلق مافوق الفطرت امور سے ہے، انسانی عقل انہیں سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس طرح کے واقعات اگر صحیح سند سے ثابت ہوں تو ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں، انہیں ماننا ضروری ہے۔ مذکورہ واقعات میں سے بیشتر بلا سند ہیں اور محدثین نے انہیں قبول نہیں کیا، اس لئے کہ محدثین کے ہاں قبول روایت کا معیار بہت کڑا اور سخت ہے۔ یہ واقعات اتنی کثرت سے نقل ہوئے ہیں کہ ان کے مجموعے سے اتنی شہادت ضرور مل جاتی ہے کہ کچھ نہ کچھ غیر معمولی حوادث ضرور پیش آئے تھے۔

دوسری قسم کے وہ واقعات ہیں جن کا تعلق فطرتِ انسانی سے ہے۔ آپ ﷺ ابتدائی پانچ برس حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہے۔ اس دوران آپ کی جسمانی نشوونما ہوئی، آپ ﷺ نے چلنا اور بولنا سیکھا، مادری زبان سیکھی، بچوں کے ساتھ کھیلے کودے۔ یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو قوانین فطرت کے تحت ہر

---

(21) کلاعی، ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ بن سالم الحمیری (متوفی 634ھ)، الاکتفاء في مغازي رسول الله والثلاثة الخلفاء، ج1، ص114-115، دار الکتب العلمیہ-بیروت، ط1، 1420ھ۔

(22) السیرۃ الحلبیہ، ج1، ص133۔

بچے کے ساتھ پیش آتی ہی ہیں، مگر آپ ﷺ کے معاملے میں ان امور کی شان بھی ذرا مختلف تھی۔ ایسے واقعات میں سے بھی بعض درج ذیل ہیں:

1- ابن اسحاق وغیرہ نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کی جسمانی نشوونما بہت غیر معمولی تھی اور ایسی نہیں تھی جیسی کہ عام بچوں کی ہوتی ہے۔ آپ دو سال کے ہوئے تو دوسرے بچوں کے مقابلے میں بہت بڑے اور مضبوط بچے معلوم ہوتے تھے۔

غیر معمولی نشوونما اور اٹھان کا واقعہ بالکل فطری ہے، بالعموم بعض بچوں میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ جلدی بڑھتے ہیں جس میں اچھی غذا، موسم اور علاقے کا بھی دخل ہوتا ہے؛ اور پھر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کی جسمانی طاقت، عام لوگوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ امام حلبی نے آپ ﷺ کی جسمانی نشوونما کے حوالے سے مختلف مصادر سے روایات کو جمع کر دیا ہے جیسا کہ بالعموم وہ کرتے ہیں، مختصراً وہ روایات درج ذیل ہیں:[23]

- جب آپ ﷺ کی عمر مبارک دو ماہ ہو گئی تو جس جانب سے چاہتے خود دودھ پی لیتے۔
- جب عمر مبارک آٹھ ماہ ہو گئی تو اس قدر بولنے لگے کہ آپ کی بات سنی جا سکتی تھی۔
- نو ماہ کی عمر میں بالکل صاف اور فصیح زبان میں بولنے لگے۔
- دس ماہ کی عمر مبارک ہوئی تو بچوں کے ساتھ تیر اندازی کرنے لگے۔
- حضرت ابن عباس کی مطابق آپ ﷺ نے جو پہلا کلام فرمایا وہ یہ تھا "الله أكبر كبيرا، والحمد لله كثيرا، وسبحان الله بكرة وأصيلا"۔[24]

2- فطری واقعات میں سے ہی ایک واقعہ رسول اللہ ﷺ کے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے بچوں یعنی اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانا بھی ہے۔ حلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں کہ جب آپ ﷺ بڑے ہو گئے تو باہر نکلے تو بچوں کو کھیلتے ہوئے پایا، ان کے ساتھ اپنے رضاعی بہن بھائیوں کو نہ دیکھ کر ایک دن مجھ سے کہا کہ

---

(23) سیرت حلبیہ، ج 1، ص 133۔

اے امی جان! مجھے دن میں اپنے بہن بھائی کیوں نظر نہیں آتے (یعنی وہ کہاں گم ہو جاتے ہیں) تو میں نے ان سے کہا کہ میں تم پر قربان، وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں، صبح جاتے ہیں اور شام کو واپس لوٹتے ہیں، تو مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے بھی ان کے ساتھ بھیجا کیجئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ان کے ساتھ صبح کو خوشی خوشی جاتے اور شام کو خوشی خوشی لوٹتے۔[25] اسی دوران غالباً دوسری مرتبہ شق صدر کا واقعہ پیش آیا، جسے حلبی نے اسی روایت کے تحت آگے بیان کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بکریاں چرانے کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے۔ اس کا آغاز کب ہوا؟ یہ ذکر اگرچہ احادیث میں نہیں مگر شراح حدیث کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز بنو سعد میں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کے زمانہ میں ہی ہوا۔

رضاعی بہن بھائیوں سے تعلق خاطر

رضاعی بہن بھائیوں کو عرب معاشرے میں ایک مقام حاصل تھا، پھر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی محبت اور شفقت بھری پرورش نے آپ ﷺ کے دل میں ایک خاص تعلق خاطر پیدا فرما دیا تھا۔ آپ کے تین رضاعی بہن بھائیوں کا تذکرہ ملتا ہے جیسا کہ پہلے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے ضمن میں بھی ذکر کیا گیا، بھائیوں میں عبد اللہ بن حارث تھے جو آپ کے ہم عمر تھے اور ان کے ساتھ رضاعت میں اشتراک تھا۔ اس لئے وہ گویا دوست بھی تھے اور بھائی بھی۔ عبد اللہ بن حارث سے تعلق کا تذکرہ بس اسی قدر ہے جو اوپر لکھا گیا کہ شق صدر کے واقعے میں وہ دوڑتے ہوئے آئے اور ماں باپ کو اپنے قریشی بھائی کی خبر دی، اور آپ ﷺ کی تکلیف سے وہ بھی پریشان ہوئے۔

رضاعی بہنوں میں انیسہ اور شیماء شامل ہیں۔ انیسہ کا تو کوئی ذکر راویوں نے نہیں کیا۔ البتہ حضرت شیماء کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے بچپن کے حوالے سے بھی ملتا ہے اور نبوت ملنے کے بعد کے زمانے کا بھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الاصابہ" میں بیان کیا ہے کہ شیماء کا اصل نام حذافہ تھا اور لقب "الشیماء" تھا۔ پھر ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں اور بچپن میں رسول اللہ ﷺ

---

(24) سیرت حلبیہ، ج 1، ص 135۔

(25) ایضاً، ص 137۔

کی پرورش انہوں نے کی تھی۔[26] مزید لکھتے ہیں کہ شیماء جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے پہنچیں تو کہا کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی کوئی نشانی؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ نے میری پیٹھ پر کاٹا تھا جب میں نے آپ کو کولہوں بٹھار کھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو پہچان لیا اور آپ کیلئے اپنی چادر بچھادی، پھر فرمایا کہ آپ چاہیں تو ہمارے یہاں عزت واحترام کے ساتھ ٹھہریں اور اگر چاہیں تو میں آپ کو اپنی قوم کے لوگوں تک پہنچادوں، انہوں نے قوم کے پاس جانا پسند کیا، چنانچہ انہیں پہنچادیا گیا۔[27]

عام طور پر اس واقعے کو غزوۂ حنین کا واقعہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ غزوۂ حنین کے موقع پر قید ہو کر آئیں تھیں اور یہ واقعہ بھی تب ہی پیش آیا، اسے بیہقی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ اس موقعے پر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ایک غلام اور باندی عطا فرمائے۔ غلام کا نام مکحول تھا، شیماء نے ان کی باہم شادی کروادی اور ان کی نسل بھی چلی۔[28]

زمانۂ رضاعت میں مکہ آمد

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رضاعتِ نبوی کے ابتدائی دو سال اور پھر دوبارہ واپسی کے بعد قیام کے تین سال، کل پانچ سالہ کے عرصے میں صرف ایک مرتبہ (یعنی دو سالہ مدتِ رضاعت مکمل ہونے پر) مکہ آنے کا ذکر روایات میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سارے عرصے میں مکہ آمد کی کوئی روایت کتب سیرت میں نہیں ملتی۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس سارے وقت میں آپ ﷺ بنو سعد ہی میں رہے اور انہیں کبھی مکہ مکرمہ اپنی والدہ ماجدہ اور دادا عبد المطلب سے ملوانے نہیں لایا گیا۔ یہ ایک بہت تعجب خیز بات ہے کہ ایک معصوم بچے کو اتنے لمبے عرصے کیلئے اس کی ماں سے اس طرح سے جدا کر دیا جائے کہ کبھی کبھار بھی ملاقات نہ ہو! عقلِ انسانی اسے قبول نہیں کرتی؛ اور پھر ایک ایسی ماں یہ بات کیسے برداشت کر سکتی ہے جس کا اس ایک بیٹے کے سوا کوئی نہیں تھا، والد پہلے فوت ہو گئے، شوہر دورانِ حمل ہی وفات پا گئے!

---

(26) الاصابہ، ج8، ص206۔

(27) ایضاً۔

(28) ابن ہشام، ج2، ص458۔

صدیقی صاحب نے روایات سے پیدا ہونے والے اس تاثر کو غیر حقیقی قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اگرچہ مصادر سیرت میں اس کا ذکر نہیں مگر قاضی سلمان منصور پوری نے اپنی سیرت میں بڑے وثوق کے ساتھ یہ لکھا ہے: "وہ ہر چھٹے مہینے لاکر ان کی والدہ اور دیگر اقرباء کو دکھا جایا کرتی تھیں۔" اگرچہ قاضی صاحب موصوف نے اس کا حوالہ نہیں دیا، یہ بہر حال قطعی ہے کہ ان کی ان معلومات کا کوئی نہ کوئی ماخذ ضرور ہو گا جو کہ تحقیق طلب ہے۔ یہ تبصرہ بہر حال صحیح اور فطری ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کو دادا، ماں اور دیگر رشتہ داروں سے ملانے کیلئے کچھ ماہ بعد ضرور مکہ لاتی تھیں۔ اس طرح دوران رضاعت اور پانچ سالہ قیام کے زمانے میں آپ ﷺ دس بارہ مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ مزید لکھتے ہیں کہ اگرچہ روایات میں نہیں ملتا مگر یہ خاصا فطری معاملہ ہے کہ دادا اور دوسرے اعزہ کبھی کبھی آپ ﷺ کو دیکھنے کیلئے بنو سعد میں بھی جاتے تھے۔ پھر سیرت حلبیہ کے حوالے سے کم از کم تین مرتبہ مکہ آمد کو روایات کی روشنی میں ثابت کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے تعلق خاطر

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ حسن سلوک کے واقعات باب دوم میں اور اسی طرح اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تعلق خاطر اور حسن سلوک کی تفصیلات باب سوم میں ذکر کی گئی ہیں۔ اُن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اصل رضاعی ماں جن کے پاس کم و بیش پانچ سال کا عرصہ آپ ﷺ نے گزارا، آپ انہیں کیسے بھول سکتے تھے۔ رضاعی ماں ہونے کے ناتے یقیناً رسول اللہ ﷺ کے خاندان والوں نے بھی انہیں نوازا ہو گا اور تا عمر اُن کا خیال رکھا ہو گا، جیسا کہ عام دستور تھا۔ مگر روایات میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی۔ اسی طرح آپ ﷺ کے حضرت حلیمہ کے ساتھ تعلق اور حسن سلوک کی روایات نہیں ملتیں سوائے ایک دو روایات کے، جو اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ان کے ساتھ مسلسل تعلق رہا اور برابر ان کے ساتھ حسن سلوک فرماتے رہے اور رضاعی ماں ہونے کا حق ادا کرتے رہے۔

اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر جب ہوازن و ثقیف کے ہزاروں لوگ قید ہوئے (غزوات کے بیان میں ان کی تعداد چھ ہزار تک آئی ہے)، بنو ہوازن کے لوگ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری ہی ایک خاتون کا دودھ پی رکھا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی دودھ کا

واسطہ دے کر کہا: "جو عورتیں قید میں ہیں، خدا کی قسم انہی میں تیری پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں۔ خدا کی قسم اگر عرب کے کسی اور سردار نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت امیدیں ہوتیں اور آپ سے تو اور بھی امید ہے۔" ان کے مشہور خطیب زہیر بن صرد نے یہ جملے کہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ اب تو مال غنیمت تقسیم ہو چکا، تو انہوں نے کہا کہ ہم مال مویشی کی بات نہیں کرتے، قیدیوں کی بات کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنو ہاشم کا حصہ تو میں تمہیں ابھی دیتا ہوں، باقی مسلمانوں کے حصے کیلئے میں ان سے بات کروں گا، تم ظہر کی نماز کے بعد مجھ سے بات کرنا۔ ظہر کے بعد ہوازن کے مشہور خطبا کھڑے ہوئے اور انہوں نے سب کے سامنے قیدیوں کی رہائی کیلئے مسلمانوں کو ابھارا۔ جب وہ سب بات کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے بھی مسلمانوں سے بات کی اور بتایا کہ میں نے بنو ہاشم کا حصہ انہیں دے دیا ہے، اس پر انصار نے اپنا حصہ معاف کر دیا، پھر مہاجرین نے بھی اپنا حصہ معاف کر دیا۔[29]

جب رضاعی ماں کے قبیلہ اور دور کے رشتہ داروں کے ساتھ یہ حسن سلوک تھا تو خود ماں کو کیسے بھول سکتے تھے؟ یہ الگ بات ہے کہ ایسی روایات محفوظ ہو کر ہم تک کم پہنچی ہیں۔ مکی دور میں اس تعلق اور حسن سلوک کی ایک روایت ملتی ہے۔ ابن سعد طبقات میں اپنی سند کے ساتھ بنو سعد کے ایک بوڑھے شخص سے نقل کرتے ہیں:

> "حلیمہ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئیں جب آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے علاقے کی خشک سالی کی شکایت کی اور بتایا کہ خشک سالی کی وجہ سے جانور بھی ہلاک ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حوالے سے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو انہوں نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا اونٹ عطا فرمایا۔"[30]

---

(29) ابن حجر نے فتح الباری میں اس حوالے سے خاصی تفصیلات جمع کر دی ہیں، فتح الباری، ج8، ص33، نیز ابن سعد نے طبقات میں رضاعت کے باب میں اس واقعے کو ذکر کیا ہے، ابن سعد کے اسلوب سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بنو ہوازن کے ساتھ یہ سلوک صرف حق رضاعت کی وجہ سے کیا تھا، ملاحظہ ہو: الطبقات الکبری، ج1، ص92۔

(30) الطبقات الکبری، ج1، ص92۔

اس روایت کو بلاذری نے بھی نقل کیا ہے، البتہ اس میں عطا کردہ مال کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے۔[31] اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ حضرت ثویبہ کیلئے مدینہ منورہ سے ہدایہ و تحائف بھیجتے رہے اور وفات تک مسلسل ان کی خبر گیری کرتے رہے، ایسا تعلق حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے بھی رہا۔

ابن سعد نے اس کے بعد مزید دو روایات نقل کی ہیں جن میں بغیر نام لئے یہ ذکر موجود ہے کہ آپ ﷺ کے پاس آپ کی رضاعی ماں تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے فرطِ محبت سے انہیں میری ماں! میری ماں! کہہ کر پکارا اور ان کیلئے اپنی چادر بھی بچھائی۔ سیرت نگاروں نے ان دونوں روایات کا زمانہ اور یہ کہ تشریف لانے والی ماں کون تھیں، دونوں کا تعیین کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیادہ تر کا خیال یہی ہے کہ یہ آٹھ ہجری میں غزوۂ حنین کا واقعہ ہے اور آنے والی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تھیں، روایات ملاحظہ فرمائیے:

> "ابن سعد اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون آئیں اور رسول اللہ کے پاس جانے کیلئے اجازت چاہی، اس خاتون نے رسول اللہ ﷺ کو (بچپن میں) دودھ پلایا تھا۔ جب وہ اندر تشریف لے آئیں تو رسول اللہ ﷺ انہیں میری ماں! میری ماں! کہہ کر پکارنے لگے۔ پھر اپنی چادر کو لے کر ان کیلئے بچھایا پھر وہ خاتون اس چادر پر بیٹھ گئیں۔"[32]

دوسری روایت اس سے زیادہ عجیب ہے۔ اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اپنی رضاعی ماں کے ساتھ اظہارِ محبت فرمایا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رضاعت کے بعد یہ پہلی ملاقات نہیں تھی، بلکہ یہ سلسلہ مسلسل رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ کو اپنی رضاعی ماں سے بہت غیر معمولی تعلق تھا۔ روایت درج ذیل ہے:

> "ابن سعد اپنی سند سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: آپ ﷺ کی رضاعی ماں تشریف لائیں تو نبی ﷺ نے ان کیلئے اپنی چادر بچھائی، اور اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا (گویا ان کے ساتھ چمٹ گئے)۔ روای کہتے ہیں کہ ان کی جو بھی ضرورت

---

(31) انساب الاشراف، ج 1، ص 95۔

(32) الطبقات الکبری، ج 1، ص 92۔

تھی اسے پورا فرمایا۔"(33)

رضاعی ماں کے ساتھ اسی تعلق اور محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ اپنی ماں کے قبیلے، اعزہ و اقرباء اور رشتہ داروں کا بھی خیال رکھتے تھے۔ روایات میں جو آیا ہے وہ بہت کم ہے مگر بہت زیادہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، بلاذری وغیرہ قدیم ترین مؤلفین نے ذکر کیا ہے۔ خاص فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ تشریف لائیں۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے بھی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی محبت ٹپکتی ہے۔ اپنی رضاعی ماں کی موت کی خبر سن کر آپ ﷺ کی آنکھیں نم ہو گئیں، روایت ملاحظہ فرمایئے:

"آپ ﷺ فتح مکہ کے دن مقام ابطح میں تھے کہ آپ کے پاس حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بہن تشریف لائیں اور ان کے ساتھ ان کے شوہر کی بہن بھی تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو چمڑے کا ایک تھیلا بطور ہدیہ پیش کیا جس میں پنیر اور گھی کی ایک مشک تھی۔ آپ ﷺ نے ان سے ان کی بہن حلیمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے ان کی وفات کا بتایا۔ ان کی وفات کا سن کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے پسماندگان (اولاد وغیرہ یعنی اپنے رضاعی بہن بھائیوں) کے بارے میں پوچھا، پھر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بہن نے اپنی حاجت و ضرورت سے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں کپڑے اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ دیا جائے، اور مزید انہیں پورے دو سو درہم بھی عطا فرمائے۔ جب وہ واپس جانے لگیں تو رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہا: آپ پرورش کئے جانے والے بہترین بچے تھے، بچپن میں بھی اور بڑے ہو کر بھی۔"(34)

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی ان بہن کا نام "سلمٰی" بتایا جاتا ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ان کا نام "سلمٰی بنت ابی ذؤیب تھا۔ یہ حضرت حلیمہ کی بہن تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں، ایک مرتبہ یہ نبی

---

(33) الطبقات الکبریٰ، ج 1، ص 92۔

(34) انساب الاشراف، ج 1، ص 95۔

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے ان کیلئے اپنی چادر بچھائی اور فرمایا مرحبا اے میری ماں!"[35] ان کا تذکرہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الاصابہ" میں بھی کیا ہے مگر اتنا ہی مختصر اور کسی قسم کی نئی معلومات کا اضافہ نہیں کیا۔[36] بہت ممکن ہے کہ فتح مکہ موقعے پر تشریف لانے والی حضرت حلیمہ کی بہن سے مراد یہی بہن ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنی رضاعی خالہ دیکھ کر رضاعی ماں یاد آگئیں اور ان کے ساتھ بالکل ویسا ہی سلوک فرمایا جیسا کہ اپنی رضاعی والدہ سے فرمایا کرتے تھے، اور رضاعی خالہ کو آپ کا بچپن یاد آگیا اور وہ اس پر آپ کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ والدہ کی وفات کی خبر سن کر آنکھوں کا ڈبڈبا جانا والدہ سے محبت، تعلق اور لگاؤ کا پتا دیتا ہے۔ اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات فتح مکہ سے قبل ہو گئی تھی، اسی روایت کی وجہ سے بعض سیرت نگاروں نے ماقبل میں ذکر کی گئی روایات کے بارے میں کہا ہے کہ غزوۂ حنین کے بعد تشریف لانے والی شخصیت رضاعی ماں حضرت حلیمہ نہیں بلکہ ان کی صاحب زادی حضرت شیماء تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں جو ماں کہہ کر پکارا وہ اس لئے کہ بچپن میں حضرت شیماء بھی اپنی ماں کے ساتھ آپ ﷺ کی پرورش کیا کرتی تھیں۔ یہ تاویل و توجیہ حلبی نے پیش کی ہے، اس کے بعد حافظ ابن حجر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان روایات کے متعدد طرق ہیں جن سے مجموعی حیثیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حنین کے موقع پر آپ ﷺ کی رضاعی ماں کی تشریف آوری کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔[37]

رضاعی ماں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے تعلق و محبت کا اظہار ایک اور واقعے سے بھی ہوتا ہے، اس روایت کو بہت سے سیرت نگاروں کے علاوہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے "سنن ابی داؤد" میں بھی نقل فرمایا ہے۔ روایت درج ذیل ہے:

> "رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد تشریف لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے اپنے کپڑے (چادر) کا کچھ حصہ بچھایا، وہ اس

---

(35) اسد الغابہ، ج7، ص148، ترجمہ 7007۔

(36) الاصابہ، ج8، ص184، ترجمہ 11318۔

(37) سیرت حلبیہ، ج1، ص151۔

پر بیٹھ گئے، پھر آپ کی رضاعی ماں تشریف لائیں تو آپ نے چادر کا ایک حصہ دوسری جانب سے ان کیلئے بچھا دیا وہ، اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی (عبداللہ) تشریف لائے آپ ﷺ ان کے (اعزازواکرام) کیلئے کھڑے ہوئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔"(38)

امام ابوداؤد نے یہ روایت "کتاب الادب" میں "باب فی بر الوالدین" (والدین کے ساتھ حسن سلوک) کے ضمن میں ذکر فرمائی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف رضاعی ماں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے بلکہ رضاعی والد اور رضاعی بہن بھائیوں کا بھی انتہائی زیادہ عزت واحترام اور خیال فرماتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حارث بن عبد العزی کے احوال زندگی کے ضمن میں نقل کیا ہے جس سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ روایت میں مذکور رضاعی والد سے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ہی ہیں۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا اسلام لانا

آپ ﷺ کی اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے بارے میں مختلف سیرت نگاروں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ آپ کے شوہر کے اسلام لانے میں زیادہ اختلاف نہیں، تقریباً سب اس پر متفق ہیں جیسا کہ ماقبل میں لکھا گیا۔ آپ کی اولاد کے ایمان کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ سیرت نگاروں کے دو گروہ بن گئے ہیں، ایک گروہ ان کے اسلام نہ لانے کا قائل ہے جس کے سرکردہ علماء میں حافظ دمیاطی (متوفی 705ھ) ہیں، جبکہ دوسرا گروہ ان کے اسلام کا لانے کا قائل ہے، اس گروہ کے سرکردہ علماء میں حافظ ابن ابی خیثمہ (متوفی 279ھ)، ان کی کتاب "التاریخ الکبیر" کے قدیم ترین ماخذ ہونے کی وجہ سے بہت سے بعد کے لوگوں نے اس پر اعتماد کیا ہے اور کہا کہ راجح وہی ہے جو متقدمین نے لکھا ہے، متاخرین کی بات ایسے مسائل ومواقع میں معتبر نہیں۔

امام حلبی نے سیرت حلبیہ میں اس حوالے سے طویل بحث کی ہے اور لکھا ہے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں حافظ ابن حجر ہیتمی نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا ہے کہ انہیں اسلام

---

(38) سنن ابی داؤد، ج4، ص337، حدیث 5145۔

اور صحبت دونوں حاصل ہوئے تھے، اور ابن تیمیہ نے متن میں بعض لوگوں کی طرف جو اشارہ کیا ہے کہ وہ ان کے اسلام کے قائل نہیں، ان سے مراد ان کے شیخ حافظ دمیاطی ہیں۔ دمیاطی نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کیلئے نہ شرف صحبت معروف ہے نہ اسلام، اور بہت سے لوگوں کو وہم ہو گیا ہے لہٰذا انہوں نے ان کا ذکر صحابہ میں کر دیا ہے، ان کیلئے مناسب یہ تھا کہ وہ یوں کہتے کہ بعض لوگوں نے ان کے اسلام لانے کا ذکر کیا ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ابن کثیر نے بھی حافظ دمیاطی کی موافقت کی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا رد لکھا ہے اور کہا ہے کہ حضرت حلیمہ کے اسلام لانے کا قول جمہور علماء کا قول ہے لہٰذا اس معاملے میں بعض متاخرین کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ علامہ حلبی مزید لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت حلیمہ سے ایک روایت نقل کی ہے جو ان کے اسلام کی دلیل ہے۔

صحیح ابن حبان کی روایت سے مراد وہی رضاعت کا واقعہ ہے جسے اوپر حضرت حلیمہ کی زبانی ابن حبان کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ روایت ان کے اسلام پر کیسے دلیل بنتی ہے؟ یہ بحث مشہور نقاد سیرت نگار علامہ مغلطائی صاحب "الزهر الباسم"[39] نے اپنے ایک مستقل رسالے میں کی ہے[40] جس کا نام علامہ حلبی نے آگے چل کر ایک کتاب "النور" کے حوالے سے "التحفة الجسيمة في إسلام حليمة" لکھا ہے۔ علامہ حلبی کے انداز بیان سے لگتا ہے کہ ان کے سامنے یہ رسالہ موجود نہیں تھا، خوش قسمتی سے یہ رسالہ ہمارے سامنے موجود ہے۔[41] اس میں مغلطائی نے اسلام حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ انہیں اسلام اور صحبت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا شرف حاصل تھا۔

مغلطائی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے میں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے اسلام کے حوالے سے جو دلائل دیئے ہیں ان میں سے بیشتر کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، مزید انہوں نے روایات کی اسناد پر زیادہ بحث کی ہے۔ آخر میں

---

(39) الزہر الباسم کا تذکرہ ہم اس سے قبل حواشی میں کر چکے ہیں۔

(40) مغلطائی، ابو عبد اللہ، مغلطائی بن قلیج بن عبد اللہ (متوفی 762ھ)، التحفة الجسيمة في ذكر حليمة، ص 87، دار التوحید - السعودیہ، ط 1، 1437ھ، 2016ء۔

(41) مطبوعہ رسالے میں محقق نے رسالے کا نام قلمی نسخوں کی مدد سے تحقیق کے بعد "التحفة الجسيمة في ذكر حليمة" درج کیا ہے، یہ رسالہ دار التوحید - سعودیہ سے (1437ھ / 2016ء) میں شائع ہوا ہے، جو کہ 160 صفحات پر مشتمل ہے۔

ان کے اسلام پر استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن عبد البر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: "حضرت حلیمہ نے بہت بڑی دلیل ونشانی دیکھی تھی،" (42) اس لئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام نہ لائی ہوں۔ اس برہان جلیل سے کیا مراد ہے؟ اس پر مغلطائی نے کئی عجیب وغریب واقعات بغیر سند اور حوالے کے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کئے ہیں جن کو یہاں نقل کرنا باعث طوالت ہو گا۔ ان سب کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ شاید حافظ ابن عبد البر کی مراد یہی براہین ہوں۔ (43)

مغلطائی نے اسی "برہان" کے حوالے سے اپنا ایک خواب بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے "اکیس ربیع الاول (سنہ 738ھ) کو اتوار کی شب خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کی اور میں نے ان سے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے جواب دیا کہ تو نے "برہان" کے متعلق جو کچھ سنا ہے اور جس کے متعلق سنا ہے وہ درست ہے اور فرمایا کہ میں نے ادیان کے تبدیل ہونے کا مشاہدہ کیا ہے، یقیناً حلیمہ اس بات کی حقدار ہیں کہ وہ بہترین صحابہ میں سے ہوں اور ان لوگوں میں سے ہوں جو اللہ کی طرف رجوع و انابت اختیار کرتے ہیں۔ (44)

آخر میں علامہ مغلطائی نے غزوۂ حنین کے موقعے پر تشریف لانے والی رضاعی ماں کے حوالے سے بعض لوگوں کے اس احتمال کو رد کیا ہے کہ وہ اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا تھیں، بلکہ وہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں کیونکہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال تو سات ہجری میں خیبر سے پہلے ہو چکا تھا، جیسا کہ گزشتہ باب میں لکھا گیا۔ اس کے بعد مغلطائی نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں اپنے اور اپنے استاذ شیخ ابو الحسن علی بن جابر ہاشمی کے مدحیہ اشعار نقل کئے ہیں۔ یہ اشعار اس باب کے آخر میں نقل کئے جائیں گے۔

---

(42) الاستیعاب، ج4، ص1813۔ ابن عبد البر اپنے اس جملے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے اس "برہان" کا ذکر اس کی شہرت کی وجہ سے نہیں کیا۔

(43) التحفة الجمسيمة، ص100۔

(44) التحفة الجسيمة، ص96۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت حلیمہ سعدیہ سے متعلق کئی امور میں اختلاف کی طرح ان کی وفات کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اصل مشکل یہ ہے کہ کسی نے بھی آپ کا سن وفات متعین طور پر بیان نہیں کیا، جبکہ حضرت ثویبہ کے متعلق ایسی مشکل پیش نہیں آتی کیونکہ ان کا سن وفات کئی ایک نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جن روایات میں ہے کہ وہ غزوہ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ غزوۂ حنین کے زمانے یعنی کم از کم آٹھ ہجری تک بقید حیات تھیں۔ ابن سعد کی بعض روایات میں ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا حضرات شیخین حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ان کے پاس بھی تشریف لاتی رہیں۔[45] اگر ان روایات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ آپ کی زندگی بہت طویل ہوئی۔ ابن کثیر نے ان روایات کو نقل کرنے کے بعد یہی بات لکھی ہے کہ اگر یہ روایات درست اور صحیح تسلیم کر لی جائیں تو واضح بات ہے کہ آپ کی عمر بہت طویل ہوئی،[46] کیونکہ رضاعت نبوی کے وقت اگر عمر مبارک کم از کم تیس سال بھی تسلیم کر لی جائے تو ساٹھ سے کچھ اوپر سال زمانہ نبوت اور پھر کم از کم دس سال حضرات شیخین کے زمانے کے تو اس حساب سے آپ کی عمر سو سال سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

دوسری طرف ماقبل میں ذکر کردہ بلاذری کی روایت سے آپ کی وفات کا زمانہ فتح مکہ سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے موقعے پر آپ کی بہن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ان کی وفات ہو چکی ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی حتمی اور متعین سال آپ کی ہمشیرہ نے بیان نہیں کیا، لیکن اس سے کم از کم یہ ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ فتح مکہ سے قبل ہی آپ کی وفات ہوئی۔ لہٰذا حنین کے موقعے پر ان کی آمد والی روایات کو پھر اسی پر محمول کیا جائے گا کہ اس دن آپ کی صاحبزادی شیماء تشریف لائی تھیں اور انہیں رسول اللہ

---

(45) الطبقات الکبری، ج 1، ص 92۔

(46) البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 111۔

ﷺ کا ماں کہہ کر پکارنا اپنے حقیقی معنی میں نہیں تھا بلکہ بایں معنی تھا کہ وہ آپ ﷺ کی حاضنہ یعنی پرورش کرنے والی ماں تھیں۔

صدیقی صاحب مرحوم نے بلاذری کی اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"روایات میں اختلاف و تصادم کی بنا پر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کی وفات کا سن کیا تھا؟ لیکن بہر حال امام بلاذری کی روایت کی ترجیح اب بھی قابل لحاظ معلوم ہوتی ہے اور وہی ان کی وفات کی صحیح روایت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں پوری صراحت ملتی ہے اور وہ صراحت کسی اور کی زبان سے نہیں بلکہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بہن کی زبان سے ملتی ہے۔"(47)

خاتمۂ باب

حضرت رسالت مآب ﷺ کی رضاعی ماؤں میں اپنی حقیقی والدہ کے علاوہ صرف دو خواتین کے نام صحیح طور پر ثابت ہیں، ان کے علاوہ کسی عورت کا رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانا صحیح طور پر ثابت نہیں۔ اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کے بعد اصل اور مستقل رضاعی ماں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان دونوں کے علاوہ کوئی رضاعی ماں نہیں تھی، اس بات کی تصریح علامہ مغلطائی نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اپنے رسالہ میں بہت واشگاف الفاظ میں کی ہے۔(48)

پروفیسر یاسین مظہر صدیقی صاحب نے رضاعی ماؤں کے حوالے سے اپنی کتاب کے آخر میں "دیگر رضاعی مائیں" کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت حضرت حلیمہ اور حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر جن رضاعی ماؤں کے نام کتب سیرت میں آئے ہیں، ان کے حوالے سے تحقیق پیش کی ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیق میں مغلطائی رحمہ اللہ کا حوالہ تو نہیں دیا لیکن نتیجہ وہی نکالا ہے جو ابھی مغلطائی کے حوالے سے لکھا گیا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس بحث کا خلاصہ ایک مختصر تبصرے میں یہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ

---

(47) رضاعی مائیں، ص147-148۔

(48) التحفة الجسيمة، ص101۔

کی مرضعات (رضاعی مائیں) صرف دو تھیں والدہ ماجدہ کے سوا: اول حضرت ثویبہ اور دوم حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا۔ باقی صرف روایت پرستی کے شاخسانے ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں۔"(49)

کتب سیرت میں ان دو رضاعی ماؤں کے علاوہ تقریباً سات خواتین کے نام ملتے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا، جن کے نام علامہ یوسف الصالحي الشامی نے اپنی کتاب میں جمع کر دیئے ہیں۔(50)

متفقہ طور پر ثابت شدہ دو رضاعی ماؤں میں سے جو مقام و مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے، وہ ان کا منفرد و ممتاز مقام ہے۔ اپنی اصل اور بنیادی رضاعت کی بنا پر وہ سب پر فوقیت رکھتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اگرچہ صحیح احادیث کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے نام نامی کا تذکرہ نہیں ملتا مگر روایات سیرت و حدیث میں ان کے حوالے سے اس قدر مواد جمع کر دیا گیا ہے کہ ان کی شخصیت بہر حال واضح ہو جاتی ہے، اگرچہ اس درجے کی نہیں کہ ان کا حق ادا ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی رضاعت کے احسان کو ہمیشہ یاد رکھا اور ہر موقعے پر اسے ادا کرنے کی کوشش فرماتے رہے۔

بندۂ ناچیز کا سیرت طیبہ کے حوالے سے یہ ابتدائی کام ہے، اور اللہ ہی کی توفیق سے موضوع بھی ایسا منتخب ہوا کہ جس پر مواد اکٹھا کرنا اور پھر اسے مرتب کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور انتہائی صعوبت و مشقت کا کام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وقت اور وسائل بھی محدود ہیں۔ احقر کو یہ کام اپنی دیگر تمام مصروفیات کے ساتھ ساتھ صرف تین ماہ کے اندر مکمل کرنا تھا، اور وہ بھی کسی ادارے یا دفتر میں الگ اور یکسوئی کی جگہ پر بیٹھ کر نہیں بلکہ گھر کے ماحول میں کرنا تھا۔ الحمد للہ گھر کے اندر ایک بڑے ہال اور ایک چھوٹے کمرے پر مشتمل لائبریری اور کچھ مخلص احباب کے بھرپور تعاون سے یہ کام اپنے مقررہ وقت میں مکمل ہوا۔ ان سارے اسباب و عوامل کے ہوتے ہوئے یقیناً اس کام میں بہت سی کمیاں اور کوتاہیاں رہ گئی ہوں گی جن کا احساس راقم کو بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سی خدمت کو اس کے تمام نقائص اور کوتاہیوں کے باوجود اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی عظیم ماؤں کے تذکرے کے صدقے ہم سے راضی ہو اور اپنی حبیب ﷺ کو بھی ہم سے راضی کر دے اور ہمیں ان کی شفاعت نصیب فرمائے۔

---

(49) رضاعی مائیں، ص168۔

(50) سبل الہدیٰ والرشاد، ج1، ص375۔

منظوم خراج عقیدت

امہات الرسول ﷺ میں سے ہر ایک کے تذکرۂ خیر کے آخر پر اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے حوالے سے امت میں موجود ان کے فرزندانِ باسعادت میں سے کسی نے اگر اشعار کی شکل میں اپنے جذباتِ عقیدت کا اظہار کیا ہے تو ان اشعار کو نقل کر دیا جائے۔ شاعر عام طور پر حساس طبیعت کا مالک ہوتا ہے اور وہ اپنے اور اپنے معاشرے میں جس چیز کو محسوس کرتا ہے اسے الفاظ میں ڈھال دیتا ہے، گویا وہ معاشرے کے احساسات کو الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہے۔ شاعروں کے یہی شعر قوموں، معاشروں، تہذیبوں اور ان میں پائے جانے والے بڑے افراد و شخصیات کو صدیوں زندہ رکھتے ہیں اور انہیں متعارف کرانے میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اسی سوچ کے تحت بڑی محنت سے ان اشعار کو جمع کیا گیا ہے، جن لوگوں کی شاعری سے دلچسپی ہے وہ یقیناً کتاب کے اس حصے سے ضرور محظوظ ہوں گے۔

جن چار عظیم ماؤں کا اس کتاب میں تذکرہ کیا گیا، ان میں سے صرف حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہمیں اب تک کوئی شعر نہیں مل سکا۔ حضرت حلیمہ کے حوالے سے قدیم وجدید اور عربی یا اردو زبان میں جو اشعار ہمیں مل سکے ہیں ان میں سے بعض منتخب اشعار کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

عربی اشعار

علامہ مغلطائی اپنے استاذ ابو الحسن ہاشمی شافعی (متوفی 725ھ) کے اشعار نقل کرتے ہیں:[1]

أما حليمة مرضع المختار فبه غدت تزهى علي الأخيار
في جنة الفردوس دار مقامها أكرم بها يا صاحبي من دار

ترجمہ: بہر حال حلیمہ رضی اللہ عنہا جو منتخب نبی ﷺ کو دودھ پلانے والی ماں ہیں، اسی دودھ پلائی کی وجہ سے وہ پسندیدہ لوگوں سے بھی زیادہ پسندیدہ بن گئیں، جنت الفردوس ان کا مقامِ عالی ہے، اے میرے دوست یہ کیا ہی زبردست عزت والا مقام ہے۔

اس کے بعد مغلطائی (متوفی 764ھ) نے اپنے اشعار بھی لکھے ہیں:[2]

---

(1) التحفة الجسيمة، ص102۔

أضحت حليمة تزدهي بمفاخر ما نالها فی عصرها إثنان
منها الكفالة والرضاع وصحبة والغاية القصوى رضى المنان

ترجمہ: حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو ایسی قابل فخر چیزیں حاصل ہیں جو ان کے زمانہ میں بھی کسی کو (بیک وقت) حاصل نہ تھیں، نبی ﷺ کی کفالت، انہیں دودھ پلانا اور صحابیت کا شرف، اور سب سے بڑا مقصو اللہ کی رضا اور خوشنودی۔

اردو اشعار

تجھے مل گئی اک خدائی حلیمہ (3)

تجھے مل گئی اک خدائی حلیمہ
کہ ہے گود میں مصطفائی حلیمہ

یہ کیا کم ہے تیری بڑائی حلیمہ
زمانے کے لب پر ہے "مائی حلیمہ"

بہت لوریاں دیں مہِ آمنہ کو
کہاں تک ہے تیری رسائی حلیمہ

جو ہے آخری اِک شہکارِ قدرت
وہ صورت ترے گھر میں آئی حلیمہ

لیا گود میں جب شفیع الوریٰ کو
بڑے فخر سے مسکرائی حلیمہ
رسولِ خدا اور آغوش اس کی
وہ خدمت کے لمحے، وہ دائی حلیمہ

---

(2) ایضاً، ص103۔

(3) کلام پیر سید نصیر الدین نصیر چشتی گولڑوی۔

دو عالم کی دولت مجھے مل گئی ہے
انہیں لے کے یہ گنگنائی حلیمہ

وہ نعمت جو تجھ کو عطا کی خدا نے
کسی اور نے کب وہ پائی حلیمہ

اسے اپنی آغوش میں تو لئے ہے
کہ شاہی ہے، جس کی گدائی، حلیمہ

وہ عظمت ملی ہے کہ اللہ اکبر
مقدر کی تیرے دہائی حلیمہ

اسی کی ضیاؤں سے جگمگ ہے عالم
مبارک مہِ مصطفائی حلیمہ

نصیرؔ اپنی قسمت پہ نازاں ہو، جس دم
ملے تیرے در کی گدائی حلیمہ

متفرق اشعار

بختِ حلیمہ جاگ گیا ہے ابر خوشی کے چھائے ہیں
شاہ دو عالم نور مجسم اس کے مکاں پر آئے ہیں

(غلام نبی فدا)

جو روشن حلیمہ کا گھر دیکھتے ہیں
بفیض شہ بحر و بر دیکھتے ہیں

(حبیب احمد سرور)

مصادر و مراجع باب سوم و چہارم

ان دونوں ابواب میں زیادہ انہی کتابوں سے استفادہ کیا گیا جن سے گزشتہ دو ابواب میں کیا گیا۔ ذیل میں صرف ایسی کتابوں کے نام لکھے جا رہے ہیں جن سے خاص طور پر ان دو ابواب میں استفادہ کیا گیا اور اس سے پہلے ان کا ذکر موجود نہیں۔ ان دونوں ابواب میں پروفیسر یاسین مظہر صدیقی صاحب (متوفی ستمبر 2020ء) کی گرانقدر کتاب "**رسولِ اکرم کی رضاعی مائیں**" سے بالخصوص استفادہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرت کے بہت سے ایسے گوشوں پر تحقیقی و تجزیاتی کام کیا ہے جن پر ان سے پہلے کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔ ان کے ایسے ہی منفرد کاموں میں سے ایک کام یہ بھی ہے۔

ہم نے ڈاکٹر صاحب کے کام سے استفادہ بھی کیا ہے اور ان کے ذکر کردہ مباحث اور حوالہ جات کو اصل مصادر سے از سر نو دیکھا ہے جس کے نتیجے میں بعض جگہوں پر ڈاکٹر صاحب کی رائے اور عبارات سے اخذ کردہ ان کے نتائج سے اختلاف رائے بھی کرنا پڑا ہے جسے ہم نے نہایت ادب کے ساتھ متن یا حواشی میں درج کر دیا ہے، اس اعتراف کے ساتھ کہ ڈاکٹر صاحب کے کام کو بہر حال اولیت کا درجہ حاصل ہے اور انہوں نے صحیح معنوں پہلی مرتبہ زیرِ بحث موضوع کا حق ادا کیا ہے۔

نیز ڈاکٹر صاحب کے کام میں غیر ضروری طوالت بھی ہے، ایک عام قاری یقیناً اس کو پڑھنے سے اکتائے گا۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ مباحث کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ ایک عام قاری کتاب کو پڑھنے میں اکتاہٹ اور دقت محسوس نہ کرے۔ اس طوالت کا خود ڈاکٹر صاحب کو بھی اعتراف ہے، چنانچہ کتاب کے دیباچہ میں ان کے الفاظ ہیں: "لہٰذا رضاعی ماؤں پر یہ کتاب مکمل ہو گئی، اس میں اطناب (طوالت) کا شکوہ ہو سکتا ہے اور بعض اہلِ نظر کو ضرور ہو گا مگر مباحث کے نقد و تجزیہ میں وہ ناگزیر سا بن گیا تھا"۔ (1)

باب سوم و چہارم میں جن نئے مصادر و مراجع سے استفادہ کیا گیا وہ درج ذیل ہیں:

73. مغلطائی، ابو عبد اللہ، مغلطائی بن قلیج بن عبد اللہ (متوفی 762ھ)، **الزهر الباسم في سير أبي القاسم**، دارالسلام - قاہرہ، ط 1، 1433ھ، 2012ء۔

---

(1) رضاعی مائیں، ص 20۔

74. صدیقی، پروفیسر یاسین مظہر (متوفی 2020ء)، رسول اکرم کی رضاعی مائیں، مکتبہ قاسم العلوم- لاہور، ڈسٹری بیوٹرز، ملک اینڈ کمپنی-لاہور، س ن۔

75. ابوالحسن، احمد بن فارس بن زکریا(متوفی 395ھ)معجم مقاييس اللغة، دار الفکر - بیروت، 1399ھ، 1979ء۔

76. ابونعیم، احمد بن عبد اللہ بن أحمد بن اسحاق(متوفی 430ھ) معرفة الصحابة، دار الوطن للنشر-الریاض، ط1، 1419ھ، 1998ء۔

77. کلاعی، ابوالربیع، سلیمان بن موسی بن سالم الحمیری(متوفی 634ھ)، الاكتفاء في مغازي رسول الله والثلاثة الخلافاء، دار الکتب العلمیہ-بیروت، ط1، 1420ھ۔

78. مغلطائی، ابوعبد اللہ، مغلطائی بن قلیج بن عبد اللہ (متوفی 762ھ)، التحفة الجسيمة فى ذكرحليمة، ص87، دار التوحید-السعودیہ، ط1، 1437ھ، 2016ء۔

تم الكتاب

والحمد لله الذي بنعمته تتمّ الصالحات

✧✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✧

اُمہات الرسول ﷺ

حضرت رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ کے کئی پہلو اور گوشے اپنی اہمیت کے باوجود پوری طرح تعارف نہیں ہو سکے، یقیناً ہر پہلو پر لکھا ضرور گیا، بنیادی مصادر و مآخذ میں اس طرح کی تفصیلات یقیناً موجود ہیں، مگر وہ تمام چیزیں اس طرح یکجا نہیں ہیں کہ آج کی سہل پسند طبائع ان سے کما حقہ استفادہ کر سکیں۔ سیرت کے ایسے ہی گوشوں اور ابواب میں سے ایک اہم باب اُن قابل صد احترام و تکریم خواتین کا ہے جنہوں نے بطور ماں رسول اللہ ﷺ کی پرورش فرمائی۔

آپ ﷺ کی حقیقی والدہ حضرت سیدہ آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا کی وفات تو آپ ﷺ کے بچپن میں ہی اُس وقت ہو گئی تھی جب آپ ﷺ کی عمر مبارک محض چھ برس تھی، حضرت آمنہ کے بعد آپ ﷺ کی کفالت اگرچہ خاندان کے مختلف بڑوں کے پاس رہی مگر وہ خوش قسمت خاتون جس نے ماں بن کر آپ ﷺ کی پرورش کی اور ممتا کی میٹھی چھاؤں کے احساس کو دوام و قرار بخشا، جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے ماں کہہ کر پکارا، جو ولادت تا وفات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں وہ حضرت ''ام ایمن رضی اللہ عنہا'' ہیں۔ ان دو ماؤں کے علاوہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی رضاعی یعنی دودھ پلانے والی مائیں بھی ہیں، جن میں سب سے پہلا نام ''حضرت ثُویبہ رضی اللہ عنہا'' کا ہے، مشہور رضاعی ''حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا'' سے پہلے انہوں نے ہی رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا، اگرچہ ان کی مدتِ رضاعت یعنی دودھ پلانے کا زمانہ بہت مختصر تھا مگر اِنہیں اولین رضاعی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت ''ثُویبہ رضی اللہ عنہا'' کے بعد ''حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا'' نے مستقل طور پر رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانا شروع کیا اور اپنے ساتھ اپنے قبیلہ ''بنو سعد'' میں لے گئیں۔ مؤخر الذکر تینوں خواتین کا تعلق رسول اللہ ﷺ سے حقیقی والدہ کے مقابلہ میں طویل عرصہ تک رہا، خاص طور پر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا، اسی لیے اُن کی سیرت کے حوالے سے زیادہ مستند چیزیں کتبِ سیرت و حدیث میں آئی ہیں۔ حقیقی والدہ حضرت آمنہ کے علاوہ ذکر کردہ باقی تین ماؤں کا کوئی جامع تعارف اردو کتب سیرت میں نہیں ملتا، اسی طرح حضرت آمنہ پر اردو میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تحقیقی، تجزیاتی اور حوالہ جاتی انداز میں نہیں ہے، بلکہ محض جذباتی عقیدت اور والہانہ تعلق و محبت کے اظہار کی کارفرمائی اس میں واضح نظر آتی ہے جو اصل مقصود یعنی ''تعارفِ شخصیت'' میں بالعموم مخل ہو جاتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''امہات الرسول'' میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ذکر کردہ تمام شخصیات کا ایک جامع تعارف تحقیقی اور حوالہ جاتی انداز میں پیش کیا جائے، بے سروپا اور من گھڑت روایات سے اجتناب کرتے ہوئے محض مستند اور قابل اعتبار روایات اور واقعات کو کتاب میں جگہ دی جائے، اور مواد کو اس طرح سے ترتیب دیا جائے کہ ہر ایک شخصیت کا تعارف ایک طبعی اور فطری انداز میں نکھر کر سامنے آ سکے، اب یہ فیصلہ قارئین کرام فرمائیں گے کہ ہم اپنے اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

اہلِ علم اور ماہرینِ سیرتِ طیبہ سے التماس ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر اپنی قیمتی آراء سے نوازیں، مثبت اور تعمیری تنقید فرمائیں تا کہ اس کتاب کے آئندہ ایڈیشن کو مزید بہتر بنایا جا سکے۔

ISBN - 978-627-7597-20-7

Price 2000/-

9 786277 597207

گفتگو پبلی کیشنز